پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ
صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ادارۂ پاکستان شناسی لاہور

کتاب : النور

تصنیف : سید محمد سلیمان اشرف

باراول : ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

طبع جدید : شعبان ۱۴۲۹ھ/اگست ۲۰۰۸ء

: (مع مقدمہ)

ضخامت : ۳۲۰ صفحات

تعداد : گیارہ سو

مطبع : اصغر پرنٹنگ پریس، لاہور

ناشر : ادارۂ پاکستان شناسی، ۲۳۰/۲ سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ، لاہور ـــ ۵۳۵۰۰

فون: ۷۳۱۴۸۶۳

قیمت : ۳۲۰ (تین صد بیس روپے)

ڈسٹری بیوٹرز

اورینٹل پبلی کیشنز، تجمل ٹاور، میلا رام، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور

فون: ۷۲۱۳۵۷۸

خان بک کمپنی، ۳ کورٹ اسٹریٹ، لوئر مال، لاہور

فون: ۷۳۲۵۳۶۳

دارالعلوم نعیمیہ، دستگیر بلاک نمبر ۱۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی

فون: ۹۳۲۲۳۶

فہرس

عکسِ نوادر

مقدمہ

(۱)

پہلی عالمی جنگ میں ترکی کی عثمانیہ حکومت نے جرمنی کا ساتھ دیا اور المناک شکست سے دو چار ہوئی، عوام پر بے پناہ مصائب ٹوٹے اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اتحادی، ترکی کے حصے بخرے کر کے مسلمان حکومت کا اس علاقہ سے نام ونشان تک مٹا دیں گے۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء کے آغاز میں بمبئی کے دو مسلمان تاجروں سیٹھ احمد صدیق کھتری اور سیٹھ عمر سوبانی نے تحفظِ خلافت، تحفظ اماکن مقدسہ اور مظلوم ترکوں کی امداد واعانت کے لئے بمبئی میں ایک مقامی انجمن بنام "خلافت کمیٹی" قائم کی۔ اس مختصر سی خلافت کمیٹی کو آل انڈیا سطح پر قائم کرنے کا خیال سب سے پہلے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو پیدا ہوا اور انہوں نے اس مقصد کے لئے آل انڈیا مسلم کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں طلب کیا۔ [۲]

جناب سردار علی صابری اپنے ایک مضمون "مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ" میں فرماتے ہیں:۔

> "...... حضرت باری میاں کا ایک اور عظیم غیر فانی کارنامہ یہ ہے کہ بمبئی کی چھوٹی سی خلافت کمیٹی کو جو محض ایک مقامی جماعت تھی "آل انڈیا مجلسِ خلافت" کی پُر عظمت شکل میں تبدیل کر دیا۔ باری میاں جنگ عظیم کے خاتمے پر ترکوں کے المناک مصائب سے بہت متاثر تھے، انہوں نے مظلوم ترکوں کی حمایت میں آواز بلند کرنے کے لئے پہلے ایک انجمن قائم کرنی چاہی، لیکن جب بمبئی میں چند ہمدردانِ اسلام نے "خلافت کمیٹی" کے نام سے ایک انجمن قائم کر لی تو باری میاں کو یہ نام پسند آیا اور اسے "آل انڈیا" بنانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اس مقصد کے لئے حضرت باری میاں نے مسلم عمائد واکابر کی ایک کانفرنس لکھنؤ میں طلب کی جس میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مختلف حصوں سے نمائندے آئے تھے۔

۲۔ روزنامہ "جنگ" راولپنڈی ۷ر جون ۱۹۷۴ء بعنوان: "مولانا عبدالحامد بدایونی"

لکھنؤ کی اس آل انڈیا مسلم کانفرنس میں بمبئی کی خلافت کمیٹی کو ہندوستان کی مرکزی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا کہ آل انڈیا مجلس خلافت کا مرکزی دفتر بمبئی میں رکھا جائے اور اس کی تنظیم کے لئے مولانا شوکت علی بمبئی بھیجے گئے...... نوزائیدہ مجلس خلافت کی سب سے پہلی شاخ لکھنؤ میں قائم ہوئی تھی اور حضرت باری میاں نے اس کی صدرات کا منصب سید ممتاز حسین بیرسٹر کو تفویض کیا تھا"۔ [1]

خلافت کمیٹی کی بنیاد تو ۲۳ ستمبر ۱۹۱۹ء کو رکھی گئی، لیکن اس سے پہلے "جلیانوالہ باغ" فائرنگ کی وجہ سے پبلک میں عام بے چینی اور حکمرانوں کے خلاف نفرت کا شدید لاوا اُبل رہا تھا۔ آگے جانے سے قبل اگر جلیانوالہ فائرنگ اور اس سے وابستہ مظالم کا بھی سرسری مطالعہ کر لیا جائے تو بہتر ہوگا۔

عالمی جنگ شروع ہوتے ہی برعظیم میں انگریزوں نے سخت رویہ اختیار کر لیا۔ ۱۹۱۵ء میں پنجاب کے کاشتکاروں میں بے چینی پھیلی۔ پنجاب میں دہشت پسندوں کی انقلابی کارروائیاں شدت اختیار کر گئیں۔ اس کے علاوہ امریکہ اور کینیڈا سے ملک بدر کئے جانے والے سکھوں نے ہندوستان واپس پہنچ کر مظاہروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ انگریزی حکومت کو خدشہ پیدا ہو گیا کہ برعظیم میں بے چینی، مظاہرے اور دہشت پسندوں کی انقلابی کارروائیاں کہیں عام بغاوت کی شکل اختیار نہ کر لیں، اس خوف کے پیش نظر ۱۹۱۷ء میں "رولٹ کمیشن" کا تقرر کیا گیا جس کا مقصد سیاسی مجرموں کے خلاف تادیبی کارروائی کے بارے میں سفارشات تیار کرنا تھا۔

رولٹ کمیشن نے جو سفارشات پیش کیں ان کے متعلق جسٹس جاوید اقبال تحریر فرماتے ہیں:۔

> "رولٹ کمیشن نے سیاسی مجرموں کے خلاف تادیبی کارروائی کے سلسلہ میں جو سفارشات انگریزی حکومت کو پیش کیں، اُن میں انتظامیہ اور پولیس کو ناواجب اختیارات دیئے گئے تھے۔ پولیس جسے چاہے بغیر وارنٹ کے گرفتار کر سکتی تھی۔ عدالتی حکم کے بغیر جس مکان کی تلاشی لینی چاہے لے سکتی تھی اور سیاسی مجرموں کے لئے سخت اور منتقمانہ سزائیں تجویز کی گئی تھیں۔ بالآخر ان سفارشات نے رولٹ

---

[1] روزنامہ "جنگ" راولپنڈی ۱۹ جنوری ۱۹۷۱ء، ص ۳

ایکٹ کی صورت اختیار کی جو شدید مخالفت کے باوجود ۱۸ ؍مارچ ۱۹۱۹ء کو پاس ہو گیا۔"[1]

اس ایکٹ کے پاس ہوتے ہی ہندوستان میں ہڑتالیں اور مظاہرے شروع ہو گئے، جلسوں اور جلوسوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۱۳؍اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ہندو، مسلمان اور سکھ کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ جنرل اوڈوائر نے بے دردی سے اس جلسہ پر فائرنگ کا حکم دیا اور سیکڑوں انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ جلیانوالہ کے سانحہ کے فوراً بعد گورنر پنجاب مائیکل اوڈوائر نے پنجاب میں مارشل لا نافذ کر دیا اور اس مارشل لا میں پنجاب کے شریف اور بے گناہ شہریوں کے ساتھ دنیا کے عیار ترین حکمرانوں نے جو وحشیانہ اور انسانیت سوز سلوک کیا اُس کی ایک جھلک ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے:۔

"......اُس (مائیکل اوڈوائر) نے لاہور، قصور، امرتسر، گجرات، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لائل پور (فیصل آباد) وغیرہ میں مارشل لا جاری کر کے مظالم کی وہ آگ برسائی جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں صرف ۱۸۵۷ء کا کشت و خون ہی پیش کر سکتا ہے۔ ان مظالم کے ذکر سے سینکڑوں نہیں ہزاروں صفحات سیاہ ہو چکے ہیں۔ چودہ چودہ برس کے بچوں کو ٹکٹکی میں باندھ کر کوڑوں سے پیٹا گیا۔ کم از کم بیس کوڑوں کی سزا مقرر تھی۔ حالانکہ بڑے سے بڑے سخت جان کی کھال چھے (۶) کوڑوں کے بعد اُدھڑ جاتی ہے اور وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ہر ہر محلے سے چُن چُن کر معززین کو گھروں سے نکالا گیا اور برہنہ سر برہنہ پا ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر بازاروں میں پھرایا گیا تاکہ کھلے بندوں اُن کی تذلیل ہو۔ جو لوگ اپنی قابلیت کی بنا پر آئندہ ہائی کورٹ کے جج اور صوبے کے وزیر بننے والے تھے انہیں گورا فوج کے سپاہیوں سے پٹوا کر پھانسی کے مجرموں کی کوٹھریوں میں بند کیا گیا۔ مئی کی گرمی میں لاہور کے کالجوں کے طلبہ کو حکم دیا گیا کہ اپنے سروں پر اپنے بستر اُٹھا کر دن میں چار مرتبہ سولہ میل کا فاصلہ طے کر کے آئیں اور یونین جیک کو سلامی دیں۔ لاہور کے تمام باشندوں کو حکم مل گیا کہ اپنی موٹر کاریں، سائیکلیں، بجلی کے پنکھے اور بجلی کے لیپ فوج کے حوالے کر دیں۔ سکول کے بچوں کو ہر روز دھوپ میں کھڑے ہو کر، ایک

---

[1] زندہ رود (جلد دوم) از جاوید اقبال، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۲۳۳

فوجی افسر کے سامنے، یہ کہنا پڑتا تھا: "حضور! ہم نے کوئی قصور نہیں کیا۔ ہماری توبہ! آئندہ بھی ہم سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوگی۔"

ایک پوری برات کو جس میں دولھا بھی شامل تھا بلاوجہ پکڑ کر کوڑوں سے پٹوا ڈالا گیا۔ ریل گاڑیوں پر سفر کی ممانعت کر دی گئی اور سوا اُن لوگوں کے جن کو فوجی حکام پاس عنایت کرتے تھے اور کوئی شخص سفر نہیں کر سکتا تھا۔ عورتوں کی کھلے منھ بے حرمتی کی گئی۔ ایک گلی مقرر کی گئی جس میں سے ہر شخص کو پیٹ کے بل رینگتے ہوئے گزرنا پڑتا تھا۔ اُوپر گورا فوج کا سپاہی بندوق کا کندا اس کی پُشت پر مارتا رہتا۔ شہر کے بعض معزز اور سربرآوردہ لوگوں کے مکانوں پر مارشل لا کے احکام کے اشتہار چسپاں کر دیئے جاتے تھے اور حکم تھا کہ اگر کسی نے اس اشتہار کو پھاڑ دیا تو مالکِ مکان کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ چنانچہ صاحب خانہ کو محض اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے دن بھر اپنے مکان سے باہر دیوار کے قریب کھڑے رہنا پڑتا تھا تا کہ کوئی شخص اشتہار کو ہاتھ نہ لگائے۔ لاہور میں سر فضلِ حسین، خلیفہ شجاع الدین اور پیر تاج الدین جیسے اصحاب کے مکانوں پر بھی اس قسم کے اشتہار چسپاں کیے جاتے تھے اور انہیں تمام دن مکان سے باہر کھڑے رہنے کی ذلت برداشت کرنا پڑتی تھی۔

دیال سنگھ کالج کی بیرونی دیوار پر کسی نامعلوم شخص نے ایک اشتہار لگا دیا جس کا مضمون فوجی حکام کے نزدیک قابلِ اعتراض تھا۔ اس جُرم کی پاداش میں کالج کے پرنسپل کو گرفتار کر لیا گیا اور بالآخر اس غریب کو ڈھائی سو روپے جُرمانہ ادا کر کے رہائی حاصل کرنا پڑی۔

حُکم صادر ہو گیا کہ جونہی کوئی انگریز نظر آئے مقامی باشندوں کا فرض ہے کہ فوراً تانگے سے اُتر کر کھڑے ہو جائیں اور جھک کر سلام کریں۔ ایک پچیس فٹ لمبے اور بارہ فٹ چوڑے کمرے کے اندر مئی کے مہینے میں پچیس آدمیوں کو بند کر دیا گیا جہاں وہ ہفتہ بھر مقید رہے اور بول و براز کے لئے بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ قصور میں منادی کر دی گئی کہ جو لوگ ۱۰ اپریل ۱۹۱۹ء سے پہلے یا اس تاریخ کے بعد شہر سے باہر چلے گئے تھے اگر چار روز کے اندر واپس نہ آئے تو اُن کی

جائیدادیں (جائدادیں) ضبط کرلی جائیں گی۔

جب فوجی عدالتوں کے سامنے مقدمات پیش ہونے لگے تو صفائی کی طرف سے کسی وکیل کو پیروی کرنے کی اجازت نہیں ملتی تھی ملزموں کو پھانسی اور عمر قید کے علاوہ مشکل ہی سے کوئی اور سزا ملتی تھی۔ قصور میں ستائیس آدمیوں کو پھانسی اور تیرہ کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ گوجرانوالہ میں محض اس جرم میں کہ پنوار خانہ کو آگ لگادی گئی تھی پانچ آدمیوں کو پھانسی اور دس کو حبسِ دوام کی سزا ہوئی۔ امرتسر میں چونتیس کو پھانسی اور پندرہ کو حبسِ دوام کی سزا ملی۔ اسی طرح لاہور میں امرتسر ایسے شہروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے قصبوں تک میں سزاؤں کی وہ بھر مار ہوئی کہ اس کی مثال پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔ ایک شخص کو محض اس جرم میں کہ اس نے ایک پولیس افسر کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ "تم ہمارے بھائی ہو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ آؤ ہمارے ساتھ مل جاؤ۔" حبسِ دوام کی سزا ملی۔"[1]

جلیانوالہ باغ کے قتل عام اور اس کے بعد مارشل لا کے دور میں پبلک کے ساتھ اس سلوک کی وجہ سے پورے ہندوستان میں تمام قوموں (مسلمان، ہندو، سکھ) میں غم و غصہ اور نفرت کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں ترکی کی شکست نے مسلمانوں کو زیادہ ہی متاثر کردیا اور انہوں نے تحفظِ خلافت اور مظلوم ترک عوام کی امداد کے لئے "مجلسِ خلافت" ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں قائم کرلی اور اس پر جلتی کا کام اس ہنگامی معاہدۂ صلح نے کیا جو جرمنی اور اُس کے حلیفوں کی شکست کے بعد اتحادیوں نے عارضی طور پر ترکی سے کیا اور اس میں طے پایا۔

۱۔ ترکی اپنی تمام افواج برخاست کردے گا۔

۲۔ اس کے جنگی جہاز فاتحین ضبط کرلیں گے۔

۳۔ ملک کی ریلوں کی نگرانی اور کنٹرول کا اتحادیوں کو حق ہوگا۔

۴۔ ایشیائے کوچک اور عرب میں سرحدوں کے تعین کے علاوہ اندرونِ ملک کا انتظام ترکی ہی کے اختیار میں ہوگا۔[2]

---

[1] اقبال کے آخری دو سال از عاشق حسین بٹالوی، مطبوعہ آئینۂ ادب، لاہور ۱۹۷۸ء، اشاعت سوم، ص ۱۰۱-۱۰۴
بحوالہ مظالم پنجاب کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ (۱۹۲۰ء)

[2] علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۲۳۳

سانحۂ جلیانوالہ باغ، ترکی کی شکست اور ہنگامی معاہدۂ صلح کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے جابجا احتجاجی جلسے ہوئے جن میں قابلِ ذکر حسبِ ذیل ہیں:۔

مدراس میں بصدارت سیٹھ یعقوب حسن	۱۷؍جنوری ۱۹۱۹ء
لکھنؤ میں بصدارت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی	۲۶؍جنوری ۱۹۱۹ء
لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم کانفرنس	۲۲؍ستمبر ۱۹۱۹ء
دہلی میں بصدارت مسٹر فضل الحق	۲۳؍نومبر ۱۹۱۹ء [۱]

ان میں سے آل انڈیا مسلم کانفرنس میں خلافت کمیٹی قائم کی گئی اور دہلی کا جلسہ "خلافت کانفرنس" کے نام سے منعقد ہوا۔ دہلی کے جلسہ سے پہلے مسلمان لیڈروں نے محسوس کیا کہ "اگر ہندو بھائیوں خصوصاً مسٹر گاندھی کو اعتماد میں لے لیا جائے اور وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں تو ہمارے مطالبات اور پروگرام کو اس سے تقویت ملے گی۔" چنانچہ مسلمان اکابر نے اس سلسلے میں اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ قاضی محمد عبدالغفار اپنی تصنیف "حیاتِ اجمل" میں — کانگریس اور خلافت کا اتحاد — کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں کہ

> "جب پنجاب کے مظالم کی خونچکاں داستان ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کے دلوں کو بے چین کر رہی تھی اُسی زمانہ میں خلافت اور اماکنِ مقدسہ کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے لئے سخت تردّد کا باعث بن گیا تھا۔ اماکنِ مقدسہ اور خلیفہ کے متعلق برطانوی وزراء کے تمام وعدے جھوٹے ثابت ہو چکے تھے اور صلح کانفرنس کی جو خبریں ہندوستان آ رہی تھیں اُن سے واضح ہوتا تھا کہ نہ تو ترکوں کے لئے آزادی اور عزت کا کوئی راستہ کھلا رکھا گیا ہے اور نہ جزیرۃ العرب کے متعلق برطانوی حکومت کے وعدوں کے پورا کئے جانے کے کوئی آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اب عام مسلمانوں اور اُن کے لیڈروں کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر انتہائی قربانیاں نہ کی گئیں تو ان مسائل کا خاتمہ بہت بُری طرح ہوگا۔ شوکت علی اور محمد علی ہنوز چھنڈواڑہ میں نظر بند تھے، مولانا ابوالکلام آزاد بھی مقید تھے۔ مسلمان لیڈروں میں صرف ڈاکٹر انصاری، حکیم صاحب اور مولانا عبدالباری ہی ایسے تھے جو مہاتما گاندھی، مسٹر تلک اور بعض دوسرے لیڈروں سے ان مسائل کے متعلق مشورے کر رہے تھے۔ مہاتما گاندھی اس

---

[۱] علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۹۳۳، ۹۳۴

بات پر آمادہ تھے کہ خلافت کے مسئلہ کو ہندو مسلمانوں کا مشترکہ مسئلہ بنا کر خلافت اور مظالم پنجاب اور آزادی وطن، سب کے لئے ایک ہی محاذ جنگ قائم کیا جائے۔" [۱]

مسلمان عمائد اور گاندھی مندرجہ بالا تجویز پر متفق ہو گئے اور ۲۳ رنومبر ۱۹۱۹ء کے جلسۂ خلافت میں مہاتما گاندھی کی سربراہی میں ہندو لیڈر بھی شریک ہوئے۔ مسٹر فضل الحق نے خطبۂ صدارت پڑھا اور خطبہ میں ہندوستان کی غیر مسلم اقوام سے تائید حاصل کرنے کی مصلحت پر زور دیا۔ کانفرنس کے ریزولیشنوں میں مشہد مقدس اور دیگر مقاماتِ مقدسہ میں اتحادی افواج کی زبردستیوں اور مظالم پر احتجاج کیا گیا اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ

ا۔ وہ جشنِ صلح میں شریک نہ ہوں اور اس کے خلاف جلسے کریں۔

ب۔ مسٹر گاندھی کے مشورے کے مطابق مسلمان، حکومت سے عدم تعاون کریں۔

ج۔ اگر صلح کانفرنس کا فیصلہ مسلمانوں کی منشا کے مطابق نہ ہو تو ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔

د۔ مسٹر گاندھی اور ان دوسرے ہندو لیڈروں کا شکریہ ادا کیا گیا، جنہوں نے تحریکِ خلافت میں مسلمانوں کے ساتھ اشتراکِ عمل منظور کیا تھا۔ [۲]

یہ تجاویز، خلافت کانفرنس منعقدہ ۲۳ رنومبر کو منظور کی گئیں اور اس سے اگلے دن یعنی ۲۴ رنومبر کو مجلسِ خلافت اور کانگریس کا مشترکہ اجلاس زیرِ صدارت مسٹر گاندھی منعقد ہوا جس میں ممتاز ہندو لیڈر شریک ہوئے۔ "مہاتما گاندھی نے اپنی تقریر میں مسئلہ خلافت کے تمام پہلوؤں پر ایک پُر مغز تقریر کی اور مسلمانوں کو یقین دلایا کہ خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے ساتھ اُن کے ہندو بھائی ہر طرح آمادۂ رفاقت ہیں۔ مہاتما گاندھی نے ہندوؤں سے درخواست کی کہ "وہ اُس وقت تک جشنِ صلح میں شریک نہ ہوں جب تک انہیں اس بات کا پورا اطمینان نہ دلایا جائے کہ سلطنتِ عثمانیہ کے بٹوارے اور خلافت کے برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے جذبات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔" [۳]

(۲)

خلافت کا تحفظ اور بقا مسلمانوں کے لئے ایک دینی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے

۱۔ حیاتِ اجمل مرتبہ قاضی محمد عبد الغفار، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۰ء۔ انجمن ترقی اُردو (ہند)، ص ۲۰۹

۲۔ علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء۔ اشاعت اوّل، ص ۲۳۲

۳۔ حیاتِ اجمل مرتبہ قاضی محمد عبد الغفار، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۰ء۔ اشاعت اوّل، ص ۲۱۰ اور ۲۱۱

آگے جانے سے پہلے مناسب ہے کہ اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈال لی جائے کہ "مسلمانوں کے لئے خلافت کی بقا اور تحفظ کیوں ضروری ہے"؟ مولانا سید سلیمان اشرف زیر نظر کتاب میں مسئلہ خلافت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات کو حق سبحانہٗ نے خاتم النبیین فرما کر ہمیشہ کے لئے نبوت کا دروازہ بند فرما دیا، اب محال قطعی ہے کہ کوئی دوسرا نبی یا رسول ہو۔ اسی طرح شریعتِ محمدیؐ کو خاتم الشرائع اور ہر پہلو سے کامل وتمام فرما کر اس سے آگاہ کر دیا کہ قیامت تک یہی شریعت قائم رہے گی کسی نئی شریعت کا نزول نہ ہوگا۔

پس ایک ایسی شریعت جسے قیامت تک دنیا میں قائم رکھنا تھا اُس کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ اس خاکدانِ عالم میں جہاں فرزندِ آدم بستے ہیں نہ کہ ملک وفرشتہ اس کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ مذہب کا بازو سیاست سے قوی کر دیا جائے۔

یہ ایک حقیقت واقعی ہے کہ جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا یا اپنی مامون زندگی کے لئے طاقت روا نہیں رکھتا اُس کا وجود محالاتِ عادیہ میں سے ہے ایسا مذہب فلسفۂ خیال سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ہاتھ جس میں اخلاقِ حسنہ کی کتاب ہو محفوظ وفائدہ بخش اُسی وقت ہوگا جب کہ دوسرے ہاتھ میں خونچکاں شمشیر بھی نظر آرہی ہو[1]۔ مذہب اسلام پاکیزہ سے پاکیزہ تر اخلاق کی ہمیں تعلیم بھی دیتا ہے اور پھر ارتکابِ جرائم پر حدود وتعزیر سے سدِ بابِ عصیاں بھی کرتا ہے، اس کی تبلیغ کے یمین ویسار، سیف وسنان، میمنہ ومیسرہ بن کر حمایت وحفاظت میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، قلبِ سلیم کے لئے تذکیر وموعظت ہے اور مفسدین واعداء کے لئے تیغ جوہر دار۔

آں کہ میگویند آں بہتر ز حُسن
یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

اسلام کے محفوظ و مامون رہنے کے لئے تین اصول قرار دیئے گئے۔ پہلا اصل یہ تھا کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز ہونا چاہئے، دوسرا اصل یہ تھا کہ مرکزی مقام کا ایک امیر ہونا چاہئے، تیسرا اصل یہ تھا کہ مرکزی مقام پر ایسی قوت مجتمع رہے کہ کوئی

---

[1] علامہ اقبال نے بھی درج ذیل اشعار میں لطیفاً اسی جانب اشارہ کیا ہے:

گفت گر از رازِ من داری خبر
ایں دو قوت حافظِ یک دیگر اند

سوئے ایں شمشیر وایں قرآں نگر!
کائناتِ زندگی را محور اند!

بد اندیش نظر اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہ کرے۔

حرمین شریفین یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً مرکزِ اسلام قرار پائے، جزیرۃ العرب کے شمول سے مرکزی مقام کا استحفاظ تصرف اغیار سے پورا کر دیا گیا۔ ذاتِ مقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ مرکزی کے امیر اور مسلمانوں کے (کی) ہر طرح کی حاجتوں کا ماوا و ملجا۔ سارے کلمہ گو مسلمان مرکزی مقام اور امیر مرکز کے خادم و مطیع قرار پائے۔

کتب احادیث و سیر کے جاننے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ شریعت کی روشنی اُسی ذاتِ پاک سے تھی، تزکیۂ نفس اسی روح پرور کے انفاسِ قدسیہ سے تھا۔ میدانِ جنگ میں وہ سپہ سالار تھا، انتظاماتِ ملکی میں ایک بڑا مدبر سلطان تھا، نزاعاتِ باہمی و مناقشات کے فیصلہ میں ایک بے نظیر حاکمِ عادل تھا۔

غرض کہ مسلمانوں کی کوئی ضرورت و حاجت ایسی نہ تھی، جس میں بجز اپنے پیغمبر کے کسی اور طرف وہ متوجہ ہوتے۔ جب یہ مجمع الانوار عہد ختم ہو گیا اور پیغمبر نے اپنی اُمت سے پردہ کیا تو تعلیم گاہِ نبوت کے ارشد تلامذہ یعنی خلفاءِ اربعہ کا زمانہ نوبت بہ نوبت اسی جامعیت کے ساتھ اُمتِ محمدی کی نگہبانی کرتا رہا۔

ہاں جب بنواُمیہ کا عہد آیا تو اُس وقت بارگاہِ خلافت میں یہ جامعیت باقی نہ رہی۔ معاش خلیفہ کی بارگاہ میں لے جاتا، معاد ائمہ اہل بیت کے آستانوں پر حاضر کرتا تھا اور مسائلِ شرعیہ کے لئے محدثین و فقہاء کا حلقۂ درس تھا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خلیفۃ المسلمین کی اطاعت وخدمت اُس وقت بھی ائمہ دین و عامۂ مسلمین نے اپنے اوپر واجب ہی سمجھی جس وقت کہ بارگاہِ خلافت سے جامعیت مٹ چکی تھی...... سلطنتِ ترکی اس وقت تک مسلمانانِ عالم کی طرف سے اُن کے سارے فرائض جو تحفظِ دین سے متعلق تھے ادا کرتی تھی، مرکزی مقام جس کی خدمت فرضِ کفایہ ہے سلطنتِ ترکی ہی نے اسے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ ساری دنیا اپنے قصر و ایوان، باغ و راغ کے تعمیر و تزئین میں مصروف تھی، لیکن سلطنتِ عثمانیہ کا تاجدار بیت اللہ و مدینۃ الرسول کی خدمت میں مشغول تھا"۔[1]

---

[1] النور۔ از سید محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء، ص ۱۶۸-۱۷۱

"یہ مسئلہ بالکل قطعی ہے کہ نصب امام اُمت پر واجب ہے، شرائطِ امام میں تو البتہ گروہِ مسلمین کا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن نصب امام کے واجب ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ رہی قوت دفاعی اُس کا ہمہ وقت موجود رکھنا فرض ہے اس سے تو کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

اسی جگہ ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیجئے خلافت بمعنی نیابتِ نبی جسے امامتِ کبریٰ کہتے ہیں بعد امام حسن علیہ السلام حضرت عمر بن عبدالعزیز میں پائی گئی۔ ان نفوسِ قدسیہ کے سوا جس قدر خلفاءِ بنواُمیہ یا بنوعباس میں گزرے ان میں سے کسی کی بھی خلافت امامتِ کبریٰ کے معنی میں نہ تھی، یہ سب اسلام کے (کی) قوت دفاعی تھے، انہیں خلیفہ جو کہا جاتا تھا اور ان کی اطاعت جو ضروری سمجھی جاتی تھی وہ محض اسی وجہ سے کہ شمشیرِ اسلامی کے یہ محافظ تھے اور حرمین شریفین کے خادم مرکزی مقام کی سیادت اور خدمت وحفاظت اِن سے متعلق تھی۔ جب خلفائے عباسیہ کا عہد تمام ہو گیا اور یہ نعمت باسعادت خاندانِ عثمان میں آئی تو اب مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہوئی۔ یہ مسئلہ نہ تو اجتہادی ہے نہ اس میں ظن واحتمالات کی گنجائش ہے بلکہ یہ قطعی ویقینی اور ضروریات دین میں سے ہے کہ مسلمانوں پر حرمین شریفین کی خدمت فرض ہے اور ایسی قوت کا قائم رکھنا جو اعدائے اسلام کو ان مقاماتِ مطہرہ سے دفع کرسکے یہ بھی فرض ہے......

جنگ یورپ نے جب کہ اسلام کی قوتِ دفاعی کو فنا کر دیا تو اب مسلمانوں پر یہ فرض ہو گیا کہ اُس قوت کو وہ پیدا کریں...... یہ ایسا فرض نہیں جو کسی خاص خطہ پر بسنے والے مسلمانوں ہی کا فرض ہو۔ یورپ نے خود ہی سلطنتِ عثمانیہ کو پارہ پارہ کر کے یہ تحریک عام عالمِ اسلامی میں پیدا کر دی کہ جو مسلمان جہاں کہیں بھی ہے اپنے اس فرض کے (کی) ادائیگی کے لئے آمادہ ہو جائے۔"[1]

"النور" کے مندرجہ بالا اقتباسات کے ساتھ اگر سر آغا خاں مرحوم اور سید امیر علی مرحوم کے اُس مشترکہ خط کا بھی مطالعہ کر لیا جائے تو مزید دلچسپی اور معلومات کا موجب ہوگا، جو انہوں نے عصمت پاشا مرحوم کو اُس وقت لکھا جب عصمت پاشا اور مصطفےٰ کمال پاشا مرحوم کی جماعت

---

[1] النور ص ۱۷۳-۱۷۴

کامیاب وکامران ہو چکی تھی اور وہ خلافت کو ہمیشہ کے لئے ترکی سے ختم کرنے کے متعلق سوچ رہے تھے اور ان کے اس ارادے سے برعظیم کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی تھی۔اس خط کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ یہ مسئلہ مسلمانانِ عالم کے لئے کس قدر دینی اہمیت رکھتا تھا، مذکورہ خط ملاحظہ ہو:۔

''یور ایکسی لینسی!

''جدید ترکی کے پرانے دوست ہونے کی حیثیت سے اس کی موجودہ امنگوں کا جو بحیثیت آزاد ملک ہونے کے ہیں پورا احترام کرتے ہوئے ہم آپ کی اجازت سے اعلیٰ قومی اسمبلی کی توجہ اس بے چینی کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جو سنّی مسلمانوں میں خلیفۃ المسلمین کی موجودہ غیر یقینی حیثیت کی وجہ سے ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ اسلام باوجود ایک زبردست اخلاقی اور اتحادی طاقت ہونے کے سنّی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقہ میں اپنا اثر کھو رہا ہے، اس کی وجہ خلیفہ کی عزت وتکریم میں کمی ہے۔ مصلحتاً ہم چند حقائق کی طرف مخصوص اشارہ نہیں کرتے، لیکن ان کی صحت سے انکار کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

(۱) مسلمانوں کی جماعت میں جیسا کہ بخوبی واضح ہے روحانی سرداری ایک زنجیر ہے جو تمام پیروؤں (پیرووں) کو اسلام کے حلقہ میں جمع رکھتی ہے۔ جب خلیفہ پر باہر کی طاقتوں نے یورش کی تو مسلمانانِ عالم میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ترکوں کی مدد کی اور ان سے ہمدردی ظاہر کی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ ترکوں کی جدوجہد آزادی میں ساتھ دینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھی اس ادارہ کی بقا کے لئے لڑ رہے ہیں جو عالمِ اسلام کے اتحاد کا مظہر ہے۔ان بُرے دنوں میں ہم مسلسل ترکوں کی جدوجہد میں ان کی مدد کرتے رہے۔ ترکی اور اطالیہ کی جنگ طرابلس سے برطانوی مسلمانوں کی ایک جماعت ترکوں کی دشواریوں اور مصیبتوں کو دور کرنے میں لگی رہی۔ لہٰذا ہمیں امید ہے کہ ہمارے مشاہدات وتجاویز آں جناب کی حکومت ہمدردی سے سنے گی۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں ہم تمام مسلمان عالم کے ساتھ بہت دلچسپی لیتے ہیں۔

(۲) ہمارے ان جملوں سے ہرگز یہ مراد نہ لی جائے کہ ہم عوام کے نمائندوں کی طاقت اور ان کے اختیارات میں کوئی کمی چاہتے ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ

سُنّی دنیا کی مذہب کی سرداری کو شریعت کے مطابق بدستور رکھا جائے۔ ہماری رائے میں خلیفہ کی تکریم میں کوئی کمی یا ترکی کی سیاست میں سے ان کا مکمل اخراج اسلام کے انتشار کے مترادف ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ عملاً وہ دنیا میں ایک اخلاقی قوت نہ رہے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جو نہ تو اعلیٰ قومی اسمبلی اور نہ اس کے صدر غازی مصطفےٰ کمال پاشا پسند کرتے ہیں۔

(۳) ہمارے خیال میں خلیفۃ المسلمین، اہل سنت و جماعت کے اتحاد کا مظہر ہیں۔ یہ حقیقت کہ وہ ترک ہیں اور ترکی قوم کے بانی کی اولاد ہیں ترکوں کو اسلامی اقوام میں ایک ممتاز مقام دیتی ہے۔

(۴) چودہ صدیوں سے اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ رہا ہے اور ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اجماع اُمت ہے کہ خلیفہ یعنی نائب الرسول، اہل سنت و جماعت کے امام کے ہیں اور وہ ایک لڑی ہیں جس میں وہ منسلک ہیں۔ مسلمانوں کے دماغ سے یہ صوفیانہ خیال بغیر دنیائے اسلام میں ایک ہنگامہ برپا کئے دور نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) یورایکسی لینسی! غالباً ہمیں یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ جب خلیفہ کے پاس کوئی دنیاوی اقتدار نہ تھا اس وقت بھی بڑے بڑے بادشاہ اور سردار ان سے "فرمان" حاصل کرتے تھے۔ یہ فرمان انہیں اس علاقہ پر حکومت کرنے اور امامت کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ اگر دنیا میں اسلام کو بحیثیت ایک عظیم اخلاقی قوت کے باقی رہنا ہے تو خلیفہ کا مرتبہ کسی صورت میں بھی... کم نہیں ہونا چاہئے۔

(۶) ان وجوہ کی بناء پر ہم ترکی کے سچے دوست کی حیثیت سے بصد ادب اعلیٰ قومی پارلیمان اور اس کے عظیم اور دور اندیش راہنما سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ خلافت کو اُن بنیادوں پر باقی رکھیں جن سے مسلمانوں کو بھروسا اور عزت حاصل ہوتا کہ اسلام کی مذہبی اور اخلاقی بنیادیں استوار رہیں اور اس طرح سلطنت ترکی کو خاص قوت اور عزت حاصل ہو۔

ہم ہیں یورایکسی لینسی آپ کے فرماں بردار خادم

(دستخط) آغا خاں (دستخط) امیر علی"[1]

---

[1] پرنس آغا خاں مرتبہ محمد امین زبیری، مطبوعہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن کراچی۔ طبع اوّل ۱۹۵۱ء، ص ۱۵۳-۱۵۷

"الشور" کے اقتباسات اور مندرجہ بالا تاریخی خط کے مطالعہ سے مسئلۂ خلافت کی سیاسی و دینی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور یہ کہ اس مسئلہ پر صرف اہلِ سُنت و جماعت ہی نہیں بلکہ اہل تشیع اور وہابیہ بھی متفق تھے۔ اس لئے جب ترکی کو شکست ہوئی اور اہالیان ترکی کو بے پناہ مصائب و مظالم سے واسطہ پڑا تو برعظیم کے مسلمانوں کے لئے ایک ایسی مجلس کا قائم کرنا ناگزیر ہو گیا جو خلافت کے تحفظ اور مظلومین ترکی کی امداد کے لئے اپنی تمام مساعی بروئے کار لائے۔ چنانچہ ان ہی وجوہات کی بنا پر "مجلسِ خلافت" لکھنؤ میں قائم ہوئی اور دہلی کے اجلاس میں مسٹر گاندھی سے گفت وشنید کے بعد مسلمانوں کے اہم ترین مطالبہ و فرضِ دینی کو بحال اور قائم رکھنے کے لئے مشرکینِ ہند کی طرف ہاتھ بڑھایا گیا اور اسی اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ "اگر حکومت مسلمانوں کے مطالبات منظور نہ کرے تو حکومت سے عدم تعاون کیا جائے۔"

دہلی اجلاس کے ایک ماہ بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگریس اور مجلسِ خلافت کا مشترکہ اجلاس، امرتسر میں منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ

> "مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب کے متعلق مسلمانوں کے مطالبات پیش کرنے کے لئے بہ سرکردگی مسٹر محمد علی ایک وفد انگلستان بھیجا جائے۔ خلافت فنڈ قائم کیا جائے اور اس کے لئے دس لاکھ روپیہ جمع ہو"۔ [۱]

مجوزہ وفد کے انگلستان روانہ ہونے سے قبل ہندو مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد ۱۹ر جنوری ۱۹۲۰ء کو وائسرائے سے ملا تا کہ وہ مطالبات جو وفد برطانیہ کے وزیر اعظم کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے پہلے اُن کے بارے میں وائسرائے ہند سے بات چیت کی جائے اور اُس کی اخلاقی مدد حاصل کی جائے۔ اس وفد میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔

۱- مسٹر گاندھی	۲- سیٹھ چھوٹانی (جان محمد)
۳- مولانا ثناء اللہ امرتسری	۴- مولانا ابوالکلام آزاد
۵- مفتی کفایت اللہ	۶- مولانا حسرت موہانی
۷- مسٹر سید حسین (ایڈیٹر اخبار انڈیپنڈنٹ، الہ آباد)	۸- مولانا عبدالباری فرنگی محل
۹- حکیم اجمل خاں	۱۰- ڈاکٹر سیف الدین کچلو

---

[۱] علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۲۳۲

۱۱- ڈاکٹر مختار احمد انصاری	۱۲- مولانا محمد علی
۱۳- مولانا عبدالماجد بدایونی	۱۴- سید ظہور احمد
۱۵- مولانا فاخر الٰہ آبادی	۱۶- سید سلیمان ندوی
۱۷- آغا محمد اشرف قزلباش اور	۱۸- راجہ صاحب محمود آباد [۱]

وفد نے جو ایڈریس وائسرائے کو پیش کیا اُس میں سلطنتِ ترکیہ کی سالمیت اور خلیفہ کی حیثیت سے سلطان ترکی حاکمیت برقرار رکھنے کی ضرورت جتائی گئی اور اس پر اصرار کیا گیا کہ " یہ لوازمِ اسلام میں سے ہے کہ دینی اور دنیوی حیثیت سے خلافت کا وجود مسلسل قائم رہے۔"

وفد نے یہ بھی کہا کہ

"اگر حکومت برطانیہ نے اپنے تمام وعدے حرف بحرف پورے نہ کئے تو اُس کو ایسا سخت اخلاقی دھکا لگے گا کہ بڑے سے بڑے زرخیز علاقے اور عظیم ترین سیاسی نفع سے بھی اس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور پھر اخلاقی وقار کی بربادی اس کو اس وجہ سے گراں گزرے گی کہ اس اعلانِ شاہی کی قلعی کھل جائے گی جو جناب والا کے پیش رو وائسرائے نے ترکی کے ساتھ جنگ شروع ہونے پر کیا تھا"۔ [۲]

وائسرائے کا جواب مایوس کن تھا، اس پر وفد میں شامل حضرات نے ایک بیان شائع کیا کہ

"اگر معاہدۂ صلح کی شرائط مسلمانوں کے مذہب اور جذبات کے خلاف ہوئیں تو حکومت برطانیہ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اس کا تحمل نہ کر سکے گی۔ اس کے بعد یہ مطالبہ کیا کہ جزیرۃ العرب اُن حدود کے ساتھ جو اسلامی روایات کی رُو سے معین ہیں اور اسلام کے مقدس مقامات خلیفہ کے اختیار و انتظام میں رہنے چاہئیں اور وہ تمام وعدے پورے کئے جائیں، جو مسلمانوں سے وزیراعظم برطانیہ نے کئے ہیں۔" [۳]

اس کے بعد خلافت کانفرنس کا تیسرا اجلاس فروری ۱۹۲۰ء میں بمبئی میں منعقد ہوا جس میں انگلستان کو روانہ ہونے والے مجوزہ وفد پر اظہارِ اعتماد کا ریزولیشن منظور ہوا، مطالبات ضابطے کے ساتھ متعین کئے گئے اور حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا گیا کہ

---

۱ علی برادران، ص ۶۳۳، پاکستان ناگزیر تھا۔ از سید حسن ریاض، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء، اشاعت ششم، ص ۸۸

۲ علی برادران، ص ۶۳۴ اور ۶۳۵

۳ علی برادران، ص ۶۳۵

"اس مطالبے میں اگر کوئی کمی کی گئی تو اس سے نہ صرف مسلمانوں کے عمیق ترین مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچے گا بلکہ اُن اعلانات اور مواعید صالحہ کی بدیہی بے حرمتی اور خلاف ورزی ہوگی جو اتحادی اور اُن کی حلیف دول کے نمائندہ ماہرین سیاست نے اُس وقت کئے تھے جب وہ مسلمان قوم اور مسلمان سپاہ کی تائید و مدد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہ مطالبہ صرف مسلمانوں ہی کا نہیں ہے بلکہ ملک کی پوری ہندو آبادی اس میں ان کے ساتھ شریک ہے۔ اگر غلط فیصلہ کیا گیا تو اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے۔" [1]

چنانچہ بمبئی کے اجلاس کے فیصلے کے مطابق مسلمانوں کا ایک نمائندہ وفد، اوائل مارچ ۱۹۲۰ میں انگلستان کے وزیراعظم لائیڈ جارج سے گفتگو کرنے کے لئے لندن پہنچا۔ امیر وفد مولانا محمد علی جوہر اور باقی ممبران درج ذیل حضرات تھے۔

۱۔سید سلیمان ندوی
۲۔ابوالقاسم صاحب
۳۔سید حسین
۴۔حسن محمد حیات
۵۔محمد شعیب قریشی اور
۶۔عبدالرحمٰن صاحب صدیقی [2]

مولانا محمد علی جوہر نے بڑی قابلیت اور بے باکی سے وفد کے مطالبات، برطانیہ کے عمائدین اور وزیراعظم لائیڈ جارج کے سامنے پیش کئے، لیکن وزیراعظم بڑے رکھائی سے پیش آئے، انہوں نے تمام وعدوں اور یقین دہانیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی سے کہا۔

"ترکوں کے ساتھ اُن سے مختلف اصولوں پر معاملہ نہیں کیا جاسکتا جو مسیحی ملکوں کے ساتھ برتے گئے ہیں۔ ترکیہ کو ترکی سرزمین پر دنیوی اختیار برتنے کی اجازت ہوگی مگر وہ علاقے اُس کے قبضے میں نہیں چھوڑے جائیں گے جو ترکی نہیں ہیں۔" [3]

وفد کے ساتھ جو کچھ انگلستان میں ہوا اس سے برعظیم کے مسلمانوں کو بہت زیادہ روحانی اور ذہنی تکلیف ہوئی۔ مجلسِ خلافت کی اپیل پر ۱۹؍مارچ ۱۹۲۰ء کو "یوم غم" منایا گیا۔ حضرت علامہ اقبال اس وفد کے برطانیہ جانے کے حق میں نہیں تھے، اس کی ناکامی پر انہوں نے مندرجہ ذیل

---

[1] علی برادران، ص ۶۳۵
[2] علی برادران، ص ۶۳۵
[3] "پاکستان ناگزیر تھا" از سید حسن ریاض، مطبوعہ شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، کراچی ۱۹۹۲ء۔ اشاعت ششم، ص ۹۱

اشعار بعنوان "دریوزۂ خلافت" لکھے جو اس وقت، بانگ درا میں شامل ہیں ۔

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی!

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی!

"مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

وفد ابھی یورپ ہی کا دورہ کر رہا تھا کہ اتحادیوں کے نمائندے فرانس کے شہر سان رومیو میں جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ حسب ذیل شرائط پر ترکی سے صلح کی جائے اور خلیفۂ ترکی کو طوعاً و کرھاً اس نازیبا اور ذلت آمیز معاہدہ پر دستخط کرنے پڑے۔

(۱) سلطان اتحادیوں کی حمایت کے ساتھ قسطنطنیہ میں حکومت کرے گا۔
(۲) اتحادیوں کو یہ حق ہے کہ آبناؤں پر قبضہ کر لیں اور یہ بھی کہ ایشیائی ترکی کے کسی حصے پر قابض ہو جائیں۔
(۳) آرمینیہ کی ایک نئی دولت (حکومت) قائم کی جائے گی جس میں مندرجہ ذیل صوبے داخل ہوں گے:
مشرقی اناطولیہ، ارض روم، وان، تبلیس، ترابزون اور ارذنجان۔ اس دولت کی حدود ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مدد سے قائم کی جائیں گی۔
(۴) ترکی، عرب کے متعلق اپنے تمام دعوؤں سے دست بردار ہو گا۔
(۵) شام کی حکمرداری فرانس کو، عراق اور اردن کی برطانیہ کو دی جائے گی۔
عدیسہ اٹلی کو، سمرنا اور مغربی اناطولیہ یونان کو عنایت کیا گیا۔ [۱]

یہ ذلت آمیز شرائط مئی ۱۹۲۰ء میں مرتب کی گئیں، لیکن اس معاہدہ پر دستخط سلطان ترکی نے بامر مجبوری ۲۰ راگست ۱۹۲۰ء کو سیورے کے مقام پر کئے اور اس طرح یہ معاہدہ "معاہدہ سیورے" کے نام سے مشہور ہوا، جب اس معاہدہ کی تفصیلات اخبارات کے ذریعہ ۱۴ رمئی کو ہندوستان میں پہنچیں تو مسلمانوں میں غم و غصہ اور اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ اوائل جنگ میں برطانیہ کے تمام ذمہ دار لیڈر مسلمانوں سے یہ وعدہ کر چکے تھے کہ

"ہم اس لئے نہیں لڑ رہے ہیں کہ ترکی کو اس کے دار السلطنت سے محروم کر

---

[۱] علی برادران (مرتب) رئیس احمد جعفری ندوی، مطبوعہ اشرف پریس لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۲۳۹

دیں یا اسے ایشیائے کوچک اور تھریس کی زرخیز زمینوں سے محروم کر دیں۔ ہم سلطنت ترکی کے قیام و بقا (تحفظ) کو اس کے وطن کو اور اس کے دارالحکومت کو چیلنج نہیں کرتے۔" [1]

"معاہدۂ سیورے" کی دفعات شائع ہونے کے بعد خلافت کمیٹی کا بمبئی میں ۲۸ رمئی ۱۹۲۰ء کو جلسہ ہوا جس میں طے پایا کہ "مسلمانوں کے مقاصد کی تکمیل کا واحد ذریعہ عدم تعاون ہے...... مسٹر گاندھی کو تحریکِ عدمِ تعاون کا لیڈر قرار دیا گیا۔ تمام تمغے اور خطابات حکومت کو واپس کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔" [2]

تحریکِ عدم تعاون یا دوسرے لفظوں میں ترکِ موالات، گاندھی کی راہنمائی میں ۲۸ رمئی ۱۹۲۰ء کو شروع ہوئی۔ بعد میں سول نافرمانی بھی پروگرام میں شامل کر لی گئی۔ عدالتوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ رضا کار بھرتی کئے گئے۔ پرنس آف ویلز کی آمد پر احتجاجی جلوس نکالے گئے، ہڑتالیں کی گئیں، خطابات اور تمغے واپس کئے گئے اور انتخابات کا بائیکاٹ کیا گیا۔ لیکن فروری ۱۹۲۲ء میں پیش آنے والے "چوراچوری" کے سانحہ کو بہانہ بنا کر اس تحریک کے ڈکٹیٹر مسٹر گاندھی نے بیک جنبشِ قلم سب کئے پر پانی پھیر دیا اور تحریک کو اس وقت بند کرنے کا اعلان کر دیا جب یہ کامیابی سے ہم کنار ہو رہی تھی۔

خلافت کمیٹی ستمبر ۱۹۱۹ء میں لکھنؤ میں قائم ہوئی اور فروری ۱۹۲۲ء میں مسٹر گاندھی کے مذکورہ اعلان کے بعد اس کی سرگرمیاں عملاً ختم ہو گئیں، لیکن دو سالوں میں عصرِ حاضر کے سب سے بڑے "شاطر" اور "عیار" ہندو کی ذہانت اور مسلمان اکابر کی سادہ لوحی سے جو کچھ مسلمانوں پر بیت گئی وہ ایک دلدوز اور المناک داستان ہے۔ مسلمانوں کے ایک عظیم مذہبی شعار "قربانی" کو مسلمان لیڈروں ہی کی مدد سے بند کرانے کی کوششیں کی گئیں۔ لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے تباہ و برباد ہو گئے، ان کی دولت، عزت، ناموس سب کچھ لیڈروں کی عاقبت نا اندیشی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے تباہ و برباد کر دیئے گئے اور گاندھویت کے زیرِ اثر اسلام کے اصولوں اور احکام کی قولاً و فعلاً توہین کی گئی، لیکن اس افراتفری کے دور میں بھی چند مردانِ حق ایسے موجود تھے

---

[1] ہسٹری آف دی کانگریس، بحوالہ "اقبال کا سیاسی کارنامہ" از محمد احمد خاں، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۷۳

حیاتِ قائداعظم از چودھری محمد سردار محمد خاں۔ پبلشرز یونائیٹڈ لاہور۔ طبع ثانی ۱۹۳۹ء، ص ۱۵۰

[2] علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۳۶ (ملخصاً)

جنہوں نے اپنی دینی بصیرت سے کام لے کر مسلمان لیڈروں اور عوام کو بڑے درد اور سوز سے آگاہ کیا کہ جس راستہ پر آپ جا رہے ہیں وہ مکہ کو نہیں بلکہ "گاندھستان" کو جاتا ہے — تاریخ کا یہ باب بڑا تفصیل طلب ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم مسئلہ قربانی، تعلیم، ہجرت اور اسلامی اصولوں و احکام کے خلاف بیانات پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالتے ہیں۔

مسئلہ قربانی

گائے ہندو کے لئے معبود کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس کے برعکس مسلمان کے لئے اس کی قربانی اور ذبیحہ مذہبی شعار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے جب بھی مسلمان گائے کو ذبح کرتا ہے تو ہندو سمجھتا ہے کہ چھری گائے کے گلے پر نہیں میرے گلے پر چل رہی ہے اور وہ مسلمان کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے، وہ ذبیحہ کو گائے کشی کے نام سے پکارتا ہے اور زبردستی، منت، خوشامد اور عیاری اور مکاری یعنی ہر حیلے اور بہانے سے مسلمان کے اس مذہبی شعار کو بند کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اُسے اس سے غرض نہیں کہ گائے ہندو کی دل آزاری کے خیال سے چوراہے پر ذبح کی گئی ہے یا اُس کی دل آزاری سے بچنے کے لئے ایک پوشیدہ اور محفوظ جگہ پر کی گئی ہے۔ اُسے جب بھی اور جیسے بھی موقع ملتا ہے وہ اس سے بھرپور فائدہ اُٹھاتا ہے۔ مثلاً:

شاہ شجاع الملک اور رنجیت سنگھ کے مابین جو معاہدہ ۲۵ رجون ۱۸۳۸ء کو بمقام شملہ طے پایا اس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ

> "جن اوقات میں رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع کا لشکر ایک ہی جگہ مقیم ہو وہاں گائے کاٹی نہ جائے گی۔" [1]

اس شق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع الملک کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ذبیحہ گاؤ کی ممانعت کی حدود کو کابل تک پھیلا دیا۔

اب اُن کوششوں کا اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے جو اہل ہنود کی طرف سے اور ان کے ہمنوا و ہم زبان بدنام کنندۂ نکونامے چند، قسم کے عاقبت نااندیش مسلمان لیڈروں نے تسلسل کے ساتھ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے لے کر تشکیل پاکستان اور اس کے بعد بھی جاری رکھی ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] "سرحد اور جدوجہد آزادی" از اللہ بخش یوسفی، مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۸۹ء۔ اشاعت دوم، ص ۲۰

(۱) ۱۸۸۰ء

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں ہندوؤں نے بکمال تدلیس و تلبیس ایک استفتاء مرتب کیا اور اسے فرضی ناموں سے برعظیم کے تمام بڑے بڑے شہروں میں فتویٰ کے لئے علماءِ کرام کی خدمت میں روانہ کیا۔ علمائے حق جن کا فریضۂ حیات ہی اسلام اور اہلِ اسلام کی خدمت ہے، ہندوؤں کے ناپاک عزائم اور مقاصد کو بھانپ گئے اور انہوں نے دلائلِ عقلیہ نقلیہ سے ثابت کیا کہ ذبیحہ گاؤ کے متعلق اہلِ ہنود کا ادّعا اور خدشات باطل اور بے بنیاد ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ محمد فاروق چڑیا کوٹی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہم کے فتاوے بڑے جامع اور مدلل ہیں۔ ذیل میں ہم اہلِ ہنود کی طرف سے جاری کئے اِس استفتاء اور مولانا بریلوی کے فتویٰ کو درج کرتے ہیں۔

استفتاء۔ ”کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ مذہبِ حنفیہ اس مسئلہ میں کہ گاؤ کشی کوئی ایسا امر ہے جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دینِ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا اگر کوئی (شخص) معتقدِ اباحتِ ذبح ہو مگر کوئی گائے اُس نے ذبح نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو، ہر چند کہ اکل (کھانا) اُس کا جائز جانتا ہے، تو اُس کے اسلام میں کوئی (کچھ) فرق نہ آئے گا اور وہ کامل مسلمان رہے گا۔

گاؤ کشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گناہگار ہوتا ہے یا اگر کوئی شخص گاؤ کشی نہ کرے صرف اباحتِ ذبح کا دل سے معتقد ہو تو وہ گناہگار نہ ہوگا، جہاں بلاوجہ اس فعل کے ارتکاب سے ثورانِ فتنہ و فساد اور مفضی بہ ضررِ اہلِ اسلام ہو اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور عملداری اہلِ اسلام بھی نہ ہو تو وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز ہے یا یہ کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصدِ اثارتِ فتنہ و فساد ارتکاب اس کا واجب ہے اور قربانی اونٹ کی بہتر ہے یا گائے کی؟ بیّنوا توجروا۔

از مراد آباد شوال ۱۲۹۸ھ“ [۱]

اب وہ ایمان افروز جواب ملاحظہ ہو جو مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دیا گیا۔

(الف) گاؤ کشی اگرچہ بالتخصیص اپنے نفسِ ذات کے لحاظ سے واجب نہیں، نہ

---

۱ انفس الفکر فی قربان البقر: (۱۲۹۸ھ) از امام احمد رضا، مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم (مرتب) عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۲۱۵۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص ۵۳۵ اور ۵۵۰

اُس کا تارک باوجود اعتقادِ اباحت بنظرِ نفسِ ذاتِ فعل گنہگار نہ۔ ہماری شریعت میں کسی خاص شے کا کھانا بالتعیین فرض، مگر ان وجوہ سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ گاؤکشی جاری رکھنا واجب لعینہ اور اُس کا ترک حرام لعینہ نہیں یعنی ان کے نفسِ ذات میں کوئی امر ان کے واجب یا حرام کرنے کا مقتضی نہیں، لیکن ہمارے احکامِ مذہبی صرف اسی قسم کے واجبات و محرمات میں منحصر نہیں، بلکہ جیسا ان واجبات کا کرنا اور ان محرمات سے بچنا ضروری و حتمی ہے، یوں ہی واجبات و محرمات لغیر ہا میں بھی امتثال واجتناب اشد ضروری ہے، جس سے ہم مسلمانوں کو کسی طرح مفر نہیں اور اُن سے بالجبر باز رکھنے میں بے شک ہماری مذہبی توہین ہے جسے حکامِ وقت بھی روا نہیں رکھ سکتے۔ ہم ہر مذہب وملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں بزورِ مخالفین، گاؤکشی قطعاً بند کر دی جائے اور بلحاظ ناراضیِ ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع ہرگز اس سے باز رہنے کا ہمیں حکم نہیں دیتی، یک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس میں ذلتِ اسلام متصور نہ ہوگی، کیا اس میں خواری و مغلوبیِ مسلمین نہ سمجھی جائے گی، کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کر کے ہمارے مذہب واہلِ مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ کیا بلا وجہ وجیہہ اپنے لئے ایسی دنائت (دنایت) وذلت اختیار کرنا...... ہماری شرعِ مطہر جائز فرماتی ہے؟ حاشا وکلا...... ہرگز نہیں...... نہ یہ متوقع کہ حکامِ وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں اور دوسری طرف کی توہین وتذلیل روا رکھیں۔ سائل لفظ ترک لکھتا ہے، یہ صرف مغالطہ اور دھوکا ہے، اُس نے 'ترک' اور 'کف' میں فرق نہ کیا، کسی فعل کا نہ کرنا اور بات ہے اور اُس سے بالقصد باز رہنا اور بات۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس رسم سے جس میں صدہا منافع ہیں، یک قلم امتناع آخر کسی وجہ پر مبنی ہوگا اور وجہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ ہنود کی ہٹ پوری کرنا اور مسلمانوں...... کے اسبابِ معیشت میں کمی یا تنگی کر دینا۔" [1]

(ب) باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ "اس فعل کے ارتکاب سے شورانِ فتنہ وفساد ہو۔" ہم کہتے ہیں جن مواضع میں مثل بازار وشارعِ عام وغیرہا گاؤکشی کی قانوناً ممانعت

---

[1] نفس الفکر فی قربان البقر از امام احمد رضا، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء۔ بار دوم، مشمولہ رسائلِ رضویہ (جلد دوم) مرتبہ عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری۔ لاہور طبع اول ۱۹۷۶ء، ص ۲۱۸-۲۱۹، فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۵۵۳

ہے وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ اشارت فتنہ وفساد اُس کی طرف منسوب ہوسکتی ہے اور وہ قانوناً مجرم قرار پائے گا اور اس امر کو ہماری شرع مطہر بھی روا نہیں رکھتی ...... اور جہاں قانوناً ممانعت نہیں وہاں اگر شورانِ فتنہ وفساد ہوگا تو لاجرم ہنود کی جانب سے ہوگا اور جرم انہیں کا ہے کہ جہاں ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے...... اور اگر ایسا ہی خیال ہنود کے فتنہ وفساد کا شرع ہم پر واجب کرے گی تو ہر جگہ کے ہنود کو قطعاً اس رسم کے اُٹھا دینے کی سہل تدبیر ہاتھ آئے گی جہاں چاہیں گے فتنہ وفساد برپا کریں گے اور بزعم جہال شرع ہم پر ترک واجب کردے گی اور اس کے سوا ہماری جس رسم مذہبی کو چاہیں گے اپنے فتنہ وفساد کی بنا پر بند کرادیں گے...... بالجملہ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ بازار وشارع عام میں جہاں قانوناً ممانعت ہے براہ جہالت ذبح گاؤ کا مرتکب ہونا بے شک مسلمانوں کو توہین وذلت کے لئے پیش کرنا ہے کہ شرعاً حرام اور اس کے سوا جہاں ممانعت نہیں وہاں سے بھی باز رہنا اور ہنود کی بے جا ضد بجا رکھنے کے لئے یک قلم اس رسم کو اُٹھا دینا ہرگز جائز نہیں۔"[1]

...... یہ بات تو تھی ۱۸۸۰ء کی، اب آگے چلئے۔

(۲) ۱۹۱۱ء

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں ہندوؤں نے ہندوستان سے گاؤکشی بند کرانے کے لئے از سر نو کوششیں تیز کردیں، گورنمنٹ کو عرضداشت پیش کی کہ گاؤکشی سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے اس پر قانوناً پابندی لگائی جائے۔ اُن کی اس عرضداشت پر کانگریسی ذہن کے مسلمان لیڈروں نے بھی مہر تصدیق ثبت کردی تو آل انڈیا مسلم لیگ کی بریلی شاخ کے جائنٹ سیکرٹری سید عبدالودود نے ہندوؤں اور مسلمان نیشنلسٹ لیڈروں کے مشترک ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کے لئے مسلم لیگ کی طرف سے ایک استفتاء مرتب کیا اور اظہار حق کے لئے علماء کرام کی خدمت میں بھیجا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب، مولانا امجد علی صاحب اعظمی مصنف "بہار شریعت" اور مولانا نواب میرزا خاں کی طرف سے ذبیحہ گاؤ کے مذہبی شعار کی تائید اور غیروں کے ناپاک منصوبوں کے خلاف زوردار فتوے جاری ہوئے۔ ذیل میں مسلم لیگ کا استفتاء اور مولانا بریلوی کا جواب ملاحظہ ہو۔

---

[1] رسائل رضویہ جلد دوم (مرتب) عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری، لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۶ء، ص ۲۲۲-۲۲۳
فتاوی رضویہ، جلد ۱۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۹۸ء، ص ۵۵۷-۵۵۸

الحمد للہ

گاؤکشی کے معاملہ میں مفصل تحقیقات اور ہندوؤں کا دفع شبہات

مسمی بنام تاریخی

انفس الفکر
فی
قربان البقر

مصنفہ

امام اہلسنت مجدد دین و ملت حامی سنت ماحی بدعت اعلیٰحضرت مولٰنا مولوی مفتی شاہ احمد رضا خاں صاحب

قادری برکاتی نور اللہ مرقدہ

باہتمام و اشاعت جناب مولٰنا مولوی محمد علی صاحب اعظمی قادری

مطبع اہل سنت و جماعت بریلی میں طبع ہوا

بار دوم

قیمت [illegible]

ایک ہزار جلد

سرورق: رسالہ انفس الفکر فی قربان البقر از امام احمد رضا مطبوعہ بریلی اشاعت دوم ۱۲۹۸ھ

مسئلہ از مسلم لیگ ضلع بریلی مرسلہ سید عبدالودود جنٹ سکریٹری لیگ ٹ کو رجادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ
محمدی فصلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ آج کل اہل ہنود کی طرف سے نہایت سخت کوشش اس امر کی ہو رہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤکشی کی رسم موقوف کرادی جائے اور اس غرض سے انھوں نے ایک بہت بڑی عرضداشت گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لیے تیار کی ہے جس پر کروروں باشندگان ہندوستان کے دستخط کرائے جا رہے ہیں بعض ناعاقبت اندیش مسلمان بھی اس عرضداشت پر ہندوؤں کے کہنے سننے سے دستخط کر رہے ہیں ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا کیا حکم ہے اور اس مذہبی رسم کے جو شعائر اسلام میں ہے بند کرانے میں مدد دینے والے گنہگار ہوں گے یا نہیں۔ بینوا الجواب بالتفصیل واللہ یہدی من یشاء الی سواء السبیل۔

الجواب

گائے کی قربانی شعائر اسلام سے ہے قال اللہ تعالیٰ والبدن جعلنٰھا لکم من شعائر اللہ اونٹ گائے بیل ہم نے ان کو کیا تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ اس معاملہ کے انسداد میں شرکت ناجائز وحرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم
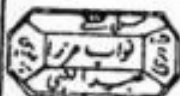
نواب مرزا عبد النبی

عبدالنبی نواب مرزا

محمد مصطفی المصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فی الواقع گاؤکشی رسم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے اس میں ہنود کی امداد اور اپنی مذہبی حضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

محمدی سنی حنفی قادری
عبدالمصطفیٰ احمد رضا خاں
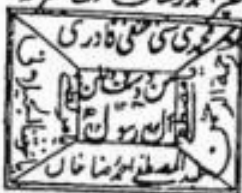
استفتاء۔ ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ آج کل ہنود کی طرف سے نہایت کوشش اس امر کی ہو رہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤ کشی کی رسم موقوف کرا دی جائے اور اس غرض سے اُنہوں نے ایک بہت بڑی عرضداشت گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لئے تیار کی ہے جس پر کروڑوں باشندگانِ ہندوستان کے دستخط کرائے جارہے ہیں۔ بعض ناعاقبت اندیش (عاقبت نااندیش) مسلمان بھی اس عرضداشت پر ہندوؤں کے کہنے سننے سے دستخط کر رہے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اور اس مذہبی رسم کے جو شعائرِ اسلام میں سے ہے بند کرانے میں مدد دینے والے گناہگار اور عنداللہ مواخذہ دار ہیں یا نہیں؟'' [1]

جواب اعلیٰ حضرت بریلوی۔ ''فی الواقع گاؤ کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید ربّ الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے، اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے۔'' [2]

(۳) ۱۹۱۳ء

(مشیر حسین قدوائی نے اخبار ''لیڈر'' ۵ رنومبر ۱۹۱۳ء/ ۵ر ذوی الحجہ ۱۳۳۱ھ میں اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ

''مسلمانوں کو از خود اجودھیا میں گائے کی قربانی بند کر دینی چاہئے کیونکہ اجودھیا ہندوؤں کا مقدس تیرتھ ہے اور وہاں گایوں کے ذبح ہونے سے اُن کی سخت دل آزاری ہوتی ہے۔ گائے کے بجائے بکروں کی قربانی کا آسانی سے انتظام کیا جاسکتا ہے اور ایک فنڈ قائم کیا جاسکتا ہے جس سے مسلمانوں کو اس زائد خرچ میں مدد دی جاسکتا ہے جو گایوں کی بجائے بکریوں یا بھیڑوں کی قربانی دینے سے اُن کو برداشت کرنا پڑے گا''۔ [3]

---

[1] انفس الفکر فی قربان البقر از امام احمد رضا، مطبوعہ مطبع اہل سنت وجماعت بریلی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔ اشاعت دوم، ص ۱۹

[2] انفس الفکر فی قربان البقر از امام احمد رضا، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء۔ بار دوم، ص ۱۹

[3] ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام (۱۹۲۰ء) از محمد عبدالقدیر، مطبوعہ مطبع مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۲۵ء۔ اشاعت دوم ص ۱۶، بحوالہ اخبار ہمدرد ۱۶ رنومبر ۱۹۱۳ء۔ نوٹ: محمد مقتدیٰ خاں شروانی (ناشر) کے بقول، اس رسالے کے حقیقی مصنف جناب عزیز الدین بلگرامی (علی گڑھ) ہیں۔ دیکھئے: فہرست ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔ ۱۹۹۶ء، جلد اوّل، ص ۶۷۲ (مظہور)

ب۔ مسٹر مظہر الحق نے فرمایا:

''میں اس امر سے پورے طور پر متفق ہوں کہ مسلمان کانپور اور اجودھیا میں گائے کی قربانی کرنے سے محترز رہیں۔'' [1]

(۴) ۱۹۱۹ء

ل ''بقر عید (۱۳۳۷ھ) کے موقع پر مولوی فضل الحسن حسرتؔ موہانی نے خود کنار پور جا کر یہ کوشش کی کہ وہاں کے مسلمان ہندوؤں کی خاطر سے گاؤ کی قربانی ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں۔'' [2]

ب۔ ''دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی سعی اور تحریک سے یہ رزولیشن پاس کیا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ہندوؤں کے جذبات کا لحاظ کریں اور گائے کی قربانی از خود ترک کر دیں۔'' [3]

(۵) ۱۹۲۰ء

ل خواجہ حسن نظامی نے ''رسالہ ترک گاؤ کشی'' میں لکھا۔ ''ہندو ہمارے پڑوسی ہیں اور گاؤ کشی سے اُن کی دل آزاری ہوتی ہے لہٰذا ہم گائے کی قربانی نہ کریں اور اس کے عوض دوسرے جانوروں کی قربانی کافی سمجھیں۔'' [4]

ب۔ مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری نے گاؤ کشی بند کرو کے زیر عنوان لکھا کہ

''میں اعلان کرتا ہوں جیسا کہ میں نے پچھلے سال (یعنی ۱۹۲۰ء میں) کیا تھا کہ ہندو بھائیوں کی طرف سے کسی مطالبہ یا مداخلت سے پہلے ہی مسلمانوں کو بجائے گائے کے بکریاں اور بھیڑیں قربانی کرنی چاہئیں۔'' [5]

ج۔ جناب حکیم اجمل خاں صاحب نے امرتسر میں بحیثیت صدر مسلم لیگ اپنے خطبہ میں ارشاد کیا کہ

''گاؤ کشی کا ذکر ہم لوگ عرصہ سے اشاروں اور استعاروں میں کرتے رہے

---

[1] ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام (۱۹۲۰ء) از محمد عبد القدیرؔ، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء، ص ۱۷

[2] ایضاً ص ۱۷

[3] ایضاً ص ۱۷، بحوالہ انڈین ریویو جنوری نمبر، ص ۲۳

[4] رسالہ ترک گاؤ کشی از خواجہ حسن نظامی، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۲۰ء، ص ۲۰

[5] روزنامہ پیسہ اخبار لاہور، ۱۰ اگست ۱۹۲۱ء۔ ص ۴، کالم ۳

ہیں، لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ اس مسئلہ کا زیادہ صفائی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا جائے تا کہ ہم کسی معقول نتیجہ تک پہنچ سکیں۔ ہمارے ہندو بھائیوں نے جو طریقے گاؤ کشی کے انسداد کے اختیار کئے تھے وہ بعض صورتوں میں بہت زیادہ قابل اعتراض تھے اور وہ قدرتی طور پر حصول مدعا میں ناکامیاب ثابت ہوئے۔ اب کہ ہندو اور مسلمان ایک نئے دور سے گذرے (گزرے) ہیں اور اُن کے اختلافات مٹ مٹا کر اتحاد کی صورتیں اختیار کر رہے ہیں...... ان دونوں قوموں میں وہ اسپرٹ پیدا ہو گئی ہے جو صرف گاؤ کشی ہی کے مسئلہ کے لئے نہیں بلکہ بہت سے اختلافی مسائل کے حل کرنے کے لئے ایک مضبوط بنیاد کا کام دے گی......

ہمارے ہندو بھائیوں نے ایک عرصہ سے ہر جگہ اتحاد کا ہاتھ ہماری طرف بڑھانے میں پیش دستی کی ہے جس کے لئے ہم اُن کے شکر گزار ہیں...... اب ہم مسلمان بحیثیت ایک شریف قوم کے اس کا جواب سوائے (سوا) اس کے اور کچھ نہیں دے سکتے کہ زیادہ جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنا ہاتھ اُن کی طرف بڑھائیں...... مجھ سے اگر سوال کیا جائے کہ اس مسئلہ کی طرف عملی قدم کس طرح اٹھانا چاہئے تو میں سب سے پہلے یہ مشورہ دوں گا کہ ہندوؤں کے مقدس شہروں سے جیسے کاشی، اجودھیا، متھرا اور بندرابن ہیں اس کا آغاز کیا جائے اور ان شہروں میں جس قدر جلد ممکن ہو دوسرے جانوروں کی قربانی کو اختیار کیا جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ دوسرے شہروں میں بھی اس کوشش کا آغاز کیا جائے۔" [1]

اس خطبہ میں حکیم صاحب نے قربانی کی مذہبی حیثیت پر بھی بحث کی ہے اور رواروی میں ایک حدیث پاک میں تحریف تک کر گئے۔ مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ "اسلام میں گائے کی بجائے بھیڑ کی قربانی زیادہ افضل ہے اور یہ کہ اسلامی احکام میں گائے کی قربانی کہیں بھی صراحتاً لازم نہیں ہے"۔ [2]

حکیم صاحب کے پیش نظر جو ہدف تھا، اس لحاظ سے ان کی حکمت یہی تقاضا کرتی تھی کہ گائے کی قربانی ترک کرنے پر اسلامیانِ ہند کو آمادہ اور قائل کیا جائے۔ عرب میں عمومی طور پر بھیڑ

---

[1] حیات اجمل مرتبہ قاضی محمد عبدالغفار، ص ۲۱۳-۲۱۶

[2] ایضاً، ص ۲۱۵

اور دُنبے کی قربانی کا چلن ہے۔ ایک عام مسلمان بھی مالی استعداد رکھتا ہو تو بکرے یا دُنبے کی قربانی کو ترجیح دیتا ہے، لیکن کم حیثیت مسلمانوں کو کم پیسے خرچ کر کے قربانی کا جو موقع مل سکتا ہے، اسے محض ہندو کی خوشنودی کے لیے ترک کرنا، سیاسی قائدین کی مصلحت تو ہو سکتا ہے، دینی احکام کے مطابق نہیں۔

ہمارے نزدیک ظلم یہ ہوا کہ ہندوؤں کی دل جوئی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد میں تحریف تک کر ڈالی۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رایتم ھلال ذی الحجۃ واراد احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعرہٖ واظفارہٖ۔" [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ کرے تو وہ بال کٹوانا اور ناخن تراشنا چھوڑ دے۔

اب اس میں "بالشاۃ" یعنی بھیڑ یا بکری کا اضافہ کرنے کی جسارت حکیم صاحب جیسی شخصیت کو ہرگز زیب نہ دیتا تھا، جس پر مولانا سید سلیمان اشرف تو سکتے میں آگئے، چنانچہ انہوں نے صاحب موصوف سے بذریعہ مراسلہ نہایت نیازمندانہ طور پر سوال کیا کہ حضرت ام سلمہ سے مروی روایت کس کتاب سے آنجناب نے نقل فرمائی، ادھر سے جواب نہ ملنے پر مولانا سلیمان اشرف، حکیم صاحب کے دولت کدہ پر دہلی بہ نفس نفیس دو مرتبہ حاضر ہوئے، لیکن ملاقات کی کوشش بار آور نہ ہوئی۔ ازاں بعد سید صاحب نے بعض حضرات اہل علم جن کا حکیم صاحب کے ہاں آنا جانا تھا ان کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ حدیث شریف میں جو غلطی ہو گئی ہے اس کی تصحیح کی طرف حکیم صاحب کو توجہ دلایئے، لیکن سید سلیمان اشرف صاحب کی یہ کوشش بھی بے اثر رہی۔ مزید برآں مختلف مواقع پر علماءِ سیاسی سے بالمشافہ عرض کیا گیا کہ ترک قربانی گاؤ کی تحریک فتنۂ عظیمہ ہے۔ خدارا ہنود کی خاطر مسلمانی کا گلا نہ گھونٹئے۔ دیکھئے حدیث میں جعل و تحریف تک کی نوبت آگئی، تین مہینے گزر گئے اور کوئی اعلان نہیں کرتا ہے کہ اصل حدیث میں لفظ شاۃ نہیں ہے، غلطی سے لکھا گیا ہے۔ الغرض سید صاحب کی ان کوششوں کا علماءِ مؤسسین اتحاد ہندو مسلم پر کوئی اثر نہ ہوا، انہوں نے اعراض کیا اور مسلسل سکوت اختیار کئے رکھا تو آپ نے مسلمانوں کو امر حق سے آگاہ

---

[1] الرشاد۔ از محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء، ص ۳۶

[2] دیکھئے۔ النور از سید محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۸–۲۰، ۲۱۶ اور ۲۳۳

کرنے کے لیے زیر نظر کتاب "النور" کی تصنیف سے پہلے رسالہ "الارشاد" لکھا جس میں یہ واضح کیا کہ ہمارے سیاسی لیڈرانِ قوم "ہندو مسلم اتحاد" کے خیال کو چمکانے اور برادرانِ وطن کی دلنوازی کے لئے کن کن طریقوں سے آج سنتِ ابراہیمی کو مٹانے کے لئے کمربستہ ہو گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی تحریک اور حکیم اجمل خاں صاحب کی سعی سے یہ رزولیشن پاس کر دیا کہ "ہمیں ہندوؤں کے جذبات کا خیال کر کے گائے کی قربانی یک قلم موقوف کر دینا چاہئے"۔

امر واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی کسی ایک کتاب میں بھی شاۃ کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔ اس لئے "الارشاد" میں مولانا سید سلیمان اشرف نے مسلم شریف، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، جامع ترمذی، سنن، مسند احمد بن حنبل میں قربانی سے متعلق روایات کو یکجا کر دیا ہے۔ چنانچہ اس جانب اشارہ کرتے ہوئے "مقامِ تحریف" کے زیر عنوان فرماتے ہیں:

"مسلم شریف کی ساری روایتیں نقل کر دی گئیں اس میں ہر شخص تلاش کرے کہ بکری کہاں ہے۔" [۲]

آگے چل کر سلیمان اشرف رقمطراز ہیں:

"کتب احادیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جس قدر روایتیں بیان

---

[۱] تحریک خلافت و ترک موالات پر کام کرنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ لازمی ہے۔ تاریخ کے اس باب کو محفوظ کرنے کے لیے یہ نایاب رسالہ مکتبہ رضویہ، لاہور نے ۱۹۸۱ء میں سید نور محمد قادری کے پیش لفظ کے ساتھ شائع کر دیا تھا۔ علامہ حکیم محمد حسین عرشی امرتسری (۱۸۹۳ء - ۱۹۸۵ء) نے ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی، نومبر ۱۹۸۱ء میں الارشاد پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا کہ "مولف (سلیمان اشرف صاحب) اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ ہندو ذہن آج بھی وہی ہے جو ۲۱-۱۹۲۰ء میں تھا۔ آج بھی مسلمانوں پر وہی (بلکہ زیادہ) مظالم جاری ہیں اور جاری رہیں گے جب تک کہ مسلمانانِ عالم صحیح معنی میں مسلمان بن کر اپنے حقوق اقوامِ عالم سے نہ منوالیں۔ اس رسالے کی اشاعت پورے برصغیر میں ہونی چاہئے، لیکن ہندو اس کلمۂ حق کو برداشت نہیں کر سکیں گے"۔

ہمارے موجودہ حکمرانوں نے کانگرسی مُلاؤں کی ریت زندہ کرتے ہوئے، بھارتی نیتاؤں کی خوشنودی کے لیے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے؟ ...... کشمیر کے معاملہ میں اپنے دیرینہ جائز موقف سے مسلسل پسپائی اور اقوام متحدہ کی قراردادوں تک سے دست برداری کے باوجود کیا حاصل ہوا۔ اب یہ بات کوئی راز نہیں رہی کہ ہماری سرحدوں کے اندر خلفشار اور مغربی سرحدی علاقہ میں شورش برپا کرنے کے لیے "را" سرگرم عمل ہے اور دہشت گردی کے لیے اسلحہ بھارت سے براستہ افغانستان فراہم ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر مرحوم نے سچ ہی کہا تھا "ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ آج مشرکینِ ہند سے روابط قائم کر کے ہم کہاں کھڑے ہیں؟ (ظہور)

[۲] الارشاد۔ از محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۰ء، ص ۲۶

فَاتَّبِعُوْنِیْ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ

فقیر محمد سلیمان اشرف

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء طبع ہوا

(آدم جی پیر بھائی منزل کالج سے شائع ہوا)

سرورق: رسالہ "الرشاد" از پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۳۰ء

مذہب کو چھوڑنا اور غیر مفتیٰ بہ قول کو اس اطمینان وسکون سے بیان کرنا کیا حمایت دین ہے جبکہ اس سے قربانی کی اہمیت کم کر کے دکھانا مقصود نہیں ہے حیرت افزا ستم تو یہ ہے کہ ایک حدیث حضرت ام سلمہ سے روایت کی جاتی ہے اور اس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ عرب میں بکری کی قربانی کا رواج تھا حدیث پوری نقل نہیں کی گئی اس لئے کہ پھر مدعا کا ثابت ہونا مشکل تھا عوام الناس بھی کھٹک جاتے کہ یہ الفاظ حدیث نہیں خطبہ صدارت کی عبارت یہ ہے کہ:-

نقل کردہ حدیث کی حیثیت

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رایتم هلال ذی الحجة و اراد احدکم ان یضحی بالشاة انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یار شاد فرمایا کہ جب تم عید الضحیٰ کا چاند دیکھو اور تم میں کوئی بکری کی قربانی کرنا چاہے

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں علی العموم بکری کی قربانی کا رواج تھا۔

یہ حدیث جلیل بجز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک جماعت کثیر محدثین کی مروی ہے لیکن کسی روایت میں لفظ بالشاة یعنی بکری کا نہیں پایا جاتا۔

(۱) روایت صحیح مسلم

امام مسلم صحیح مسلم شریف میں اسی حدیث جلیل کے لئے ایک باب منعقد کرتے ہیں۔

باب نهی۔ مَنْ دَخَلَ عَلَيْهِ عَشْرُ ذِی الْحِجَّةِ وَهُوَ مُرِيْدُ التَّضْحِيَةِ اَنْ يَّاْخُذَ مِنْ شَعْرِهٖ اَوْ اَظْفَارِهٖ شَيْئًا یعنی اس باب میں اس مسئلہ کا بیان ہے کہ عشرہ ذی الحجہ جبکہ ایسے شخص کو ملے جو قربانی دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے قربانی دینے سے قبل ناخن تراشنا اور اصلاح بنانا نہ چاہئے۔

اس میں کوئی تخصیص گائے اونٹ اور بھیڑ بکری کی نہیں صاحب قربانی یعنی

کی گئی ہیں اُن سب کو میں نے جمع کر دیا...... لیکن لفظ "باشاۃ" یعنی بکری جو (حکیم صاحب کے خطبہ صدارت میں) مایۂ دلیل اور دار و مدار برہان ہے اُس کا کہیں نام نہیں۔" [1]

مذکورہ رسالہ میں ستر (۷۰) سے زائد ذیلی عنوانات قائم کر کے مولانا سلیمان اشرف نے عقلی اور نقلی دلائل سے حلال جانوروں (گائے سمیت) کے ذبح و قربانی کو نہایت خوش اسلوبی سے ثابت کر دکھایا ہے اور ذبح گاؤ کے خلاف ہندوؤں کے مسلمانوں پر مظالم بھی کھول کھول کر بیان کیے ہیں اور خود ہنود کی مقدس کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ اِن میں ذبح گاؤ کے خلاف کوئی حکم نہیں بلکہ عہد قدیم میں خود ہندو ذبح گاؤ کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ "الرشاد" ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ اور مطبع خادم التعلیم لاہور سے یکے بعد دیگرے طبع ہوا۔ مولانا سید سلیمان اشرف نے مسلمانانِ ہند کی راہنمائی کے لئے "الرشاد" کے کم و بیش تین ہزار نسخے اپنی جیب خاص سے لیڈرانِ قوم کے علاوہ مختلف شہروں اور قصبات تک میں مفت تقسیم کئے۔ یہ تالیف جہاں مولانا کی ایک اعلیٰ علمی کاوش ہے وہیں اس نازک اور پُر آشوب دور میں ہندو کے دام تزویر کے اسیر علماء کی جانب سے شعائرِ اسلام سے روگردانی کی مہم کے تار و پود بکھیرنے کے لئے اور اسلامی احکام واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوئی۔ ان مساعی سے اِس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ دینی رکن اور عظیم شعار ذبح و قربانی گاؤ جسے اہل ہنود نے گاؤ کشی کا نام دے دیا تھا، مصون و محفوظ ہو گیا اور پھر تقسیم برعظیم پاک و ہند کے زمانہ تک یہ فتنہ نہ ابھرا۔

---

[1] الرشاد۔ از محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۰ء، ص ۲۱

تکمیلِ مقدمہ

ظہور الدین خاں امرتسری

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف علیہ الرحمہ (۱۸۷۸ء-۱۹۳۹ء) کا رسالہ "الرشاد" جو ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ اور لاہور سے شائع ہوا تھا، پاکستان میں پہلی بار ۱۹۸۱ء میں سید نور محمد قادری مرحوم (۱۳ر مئی ۱۹۲۵ء تا ۱۵ر نومبر ۱۹۹۶ء) کے گرانقدر "دیباچہ" کے ساتھ طبع ہوا تو قادری صاحب موصوف نے "دیباچہ" کے آخر میں یہ نوید سُنائی کہ مکتبۂ رضویہ، لاہور جناب سید سلیمان اشرف کی ایک اور تالیف النور بہت جلد شائع کر رہا ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ ۱۹۶۸ء کے لگ بھگ قاضی عبدالنبی کوکب مرحوم (م-۱۹ر جنوری ۱۹۷۸ء) بھی "النور" کو تحریکِ پاکستان کی گم شدہ کڑیاں (یا تحریکِ پاکستان کا ایک فراموش شدہ باب) کے عنوان سے شائع کرنے کا عزم کر چکے تھے۔ "الرشاد" چھپنے کے بعد قادری صاحب مرحوم نے "النور" کا مقدمہ لکھنا شروع کر دیا، اس سلسلہ میں راقم حروف ۱۹۸۲ء میں ان کے دولت کدہ پر بھی حاضر ہوا جو ضلع منڈی بہاءُ الدین کے ایک دور افتادہ گاؤں چک ۱۵ شمالی میں واقع ہے، یہاں پر آپ کا کتب خانہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ برعظیم کی تحریکوں پر قادری صاحب کی گہری نظر تھی۔ النور کے "مقدمہ" کے زیرِ نظر صفحات قادری صاحب کی موضوع پر گرفت اور نظریہ پاکستان کے ساتھ ان کی اٹوٹ وابستگی پر دلیل ہیں۔ مگر افسوس خالق حقیقی کے بلاوے نے انہیں تکمیل کار کی مہلت نہ دی۔

"النور" کی اشاعت کی مزید تاخیر سے بچنے کے لئے حضرت مولانا حکیم محمد موسیٰ صاحب

ل جناب شفیق صدیقی مرحوم کی کتاب حیات علامہ شبیر احمد عثمانی کا دوسرا ایڈیشن احقر کے بسیط مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا جس میں "النور" کے بعض حوالہ جات درج تھے تو مختلف اطراف سے "النور" کا تقاضا ہونے لگا۔ چنانچہ کھلابٹ، ہری پور سے جناب ذوالحج قادری، راقم کے نام اپنے مراسلہ مورخہ ۲۲ر جولائی ۲۰۰۳ء میں لکھتے ہیں:-

"حیات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی" کتاب پر آپ کا تحریر کردہ مقدمہ پڑھا لاجواب و بے مثال ہے ماشاءاللہ...... آپ نے علامہ سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "النور" کے حوالہ جات سے کتاب کے مقدمہ کو مزید چار چاند لگا دیے ہیں۔ خط لکھنے کی ضرورت بھی اس لئے محسوس ہوئی ایک تو آتی اچھی معلومات دینے پر اور دوسرے علامہ مذکور صاحب کی کتاب "النور" کے لئے......"

امرتسری مرحوم و مغفور (م-۱۹۹۹ء) نے یہ رائے دی تھی کہ "مقدمہ" کے انھی صفحات کو قادری صاحب کا تبرک جانیں اور کتاب شائع کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلۂ قربانی کے علاوہ ۲۱-۱۹۲۰ء میں پیش آنے والے دیگر مسائل جیسے تعلیم، ہجرت اور ہندو مسلم یگانگت کی خاطر اسلامی احکام اور اصولوں کی خلاف ورزیوں کا ذکر قادری صاحب کے "مقدمہ" میں نہ آ سکا۔

کاش! قادری صاحب اس مقدمہ کی تکمیل کر پاتے اور جملہ امور کا احاطہ انھی کے قلم سے ہو جاتا، لیکن یہ تو اب ممکن نہیں رہا۔ اب یہی راہِ عمل باقی رہ جاتی ہے کہ ضروری عنوانات مثلاً تعلیم، ہجرت وغیرہ پر دستیاب مواد کی روشنی میں کچھ عرض کیا جائے۔ قادری صاحب مرحوم کے مقدمہ میں کوئی پیوند لگا کر اُس کے حُسن کو گہنانے کی بجائے "تکمیلِ مقدمہ" کے عنوان سے راقم الحروف اپنی سی کوشش کر رہا ہے۔ اُمید ہے قارئین محترم میری کم مائیگی اور کمزوریوں سے درگزر فرمائیں گے۔

گزشتہ صفحات میں قادری صاحب مرحوم کے قلم سے اگرچہ مسئلۂ قربانی (جسے ہندو گاؤکشی کا نام دیتا ہے) کا ذکر آ چکا۔ اس دور کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (م-۲۰۰۷ء) نے بھی اپنی تالیف "مولانا ظفر علی خاں، حیات، خدمات و آثار" میں مسٹر گاندھی کی کتاب "تلاشِ حق" کے حوالہ سے "گئو رکھشا" کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ خلافت کمیٹی کے اجلاس دہلی منعقدہ ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کی ایک نشست کی صدارت گاندھی جی نے کی تھی۔ اِس اجلاس میں سوامی شردھانند اور کچھ اور ہندو رہنما بھی شریک تھے۔ متذکرہ اجلاس میں مسلمان لیڈروں اور علما کی "فراخدلی" کا ذکر کرتے ہوئے گاندھی جی "تلاشِ حق" میں لکھتے ہیں۔ "مولانا عبدالباری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا: "خواہ ہندو ہماری مدد کریں خواہ نہ کریں، مسلمانوں کو اپنے برادرانِ وطن کے جذبات کا لحاظ کر کے گاؤکشی ترک کر دینا چاہیے" اور ایک زمانے میں واقعی یہ حالت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان گاؤکشی بالکل موقوف کر دیں گے۔[1]" اس دور کے عینی شاہد اور تحریکِ پاکستان کے ممتاز راہنما مولانا عبدالحامد بدایونی (م-۱۹۷۰ء) فرماتے ہیں:

"علی برادران اور مسلم زعماء نے ابنائے وطن کے اتحاد کی خاطر اس زمانہ میں جو رواداریاں برتیں وہ اپنی حدود سے بھی متجاوز ہو گئی تھیں۔ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے گاندھی جی کی لیڈری چمکائی گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے یہاں کے پوسٹروں کے

---

[1] "مولانا ظفر علی خاں، حیات، خدمات و آثار" از پروفیسر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر - سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور - طبع اوّل ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۳، بحوالہ "تلاشِ حق" جلد دوم (اردو ترجمہ) ڈاکٹر سید عابد حسین، مطبوعہ جامعہ ملیہ دہلی، ص ۳۰۹

عنوانات اس وقت یہ تھے:

''مولانا عبدالباری کا فتویٰ اور گاندھی جی کا حکم''[1]

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں۔ ''۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے نازک دور میں مسٹر گاندھی نے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ مسلم علماء کی بھی قیادت کی، سب نے آنکھیں بند کر کے ان کی متابعت کی اور اس طرف سے غافل ہو گئے کہ جن مقاصد کے لئے مسٹر گاندھی کوشاں تھے وہ مسلمانوں کے مقاصد سے مختلف تھے، مگر یہ بات جوش وجذبے کے ماحول میں سمجھ میں آنے والی نہ تھی اس لئے مسٹر گاندھی نے بڑی دانائی اور حکمت سے جذبات کے دھارے کو اس سمت موڑ دیا، جو ان کی منزل کا پتا دیتی تھی، انہوں نے حصول مقاصد کے لئے جو ذرائع اختیار کئے وہ مسلمانوں نے نہایت تشکر وامتنان کے ساتھ قبول کئے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ ذرائع جہاں مسٹر گاندھی کو ان کے مقاصد سے قریب تر لے جا رہے ہیں وہاں مسلمانوں کو ان کے مفادات سے دور تر لے جا رہے ہیں''۔[2] چنانچہ مسٹر گاندھی کے مقاصد میں سے ایک منشا ومقصد، اسلامی اسکولوں، کالجوں کے تعلیمی بائیکاٹ (Boycott، ترک موالات) کی تعمیل بھی تھی۔ اس لئے پہلے ہم مسئلہ تعلیم پر بات کریں گے اور از اں بعد مسئلہ ہجرت پر۔

مسئلہ تعلیم

بیسویں صدی کے آغاز میں جب مختلف حقوق کے نام پر آزادی اور تحریک خلافت وغیرہ کے نام سے تحریکیں چلنے لگیں تو مسلمانوں کی اجتماعی اور دینی زندگی سے متعلق کئی طرح کے مسائل پیدا ہوئے، اس وقت بعض لیڈر نما مولوی وقت کے دھارے میں بہ گئے اور انہوں نے محض سیاسی مصلحتوں کے تابع ہو کر مختلف توجیہیں کیں۔ ان مسائل میں (۱۹۲۰ء میں) مسئلہ ترک موالات سر فہرست تھا۔ فتوے جاری ہوئے کہ مسلمان اپنے بچوں کو اسلامیہ کالجوں وغیرہ میں پڑھانا چھوڑ دیں۔ زیر نظر کتاب اسی دور کی یادگار ہے، جس نے صحیح سمت میں مسلمانوں کی رہنمائی کا کام دیا۔ مذکورہ تحریک کے جذباتی اور ہنگامی دور[3] میں جمعیت العلماء ہند کے راہنما اور بعض دوسرے لیڈر

---

[1] خطبہ صدارت پاکستان کانفرنس، منعقدہ ۳۰ راگست ۱۹۴۱ء (بمقام رائے کوٹ ضلع لدھیانہ) از مولانا عبدالحامد قادری بدایونی، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں، ص ۱۴

[2] مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد۔ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور، طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۱۱۱

[3] حاشیہ کے لیے دیکھئے صفحہ ۳۹

تحریکِ ترکِ موالات کو کامیاب بنانے کی غرض سے اسلامیہ کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو بند کرانا چاہتے تھے، لیکن صرف مسلمانوں کے نظمِ تعلیم کو تہ و بالا کرنے اور سلسلۂ تعلیم کو ملیامیٹ کروانے میں کیا راز پوشیدہ تھا۔ یہ آپ مشتاق حسین فاروقی کی زبانی سنیے۔

"ہندو لیڈران کو یہ بات نہ بھاتی تھی کہ اِکا دُکا مسلمان بھی کسی سرکاری عہدہ پر نظر آئے۔ مگر کچھ بس نہیں چلتا تھا، کہ جس یونیورسٹی کی بدولت مسلمان تعلیم پا کر کچھ اسامیاں پُر کر لیتے تھے، اس کو بند کرا سکیں۔ تحریک ہٰذا میں ان کو یہ موقع مل گیا اور انہوں نے انگریزی تعلیم کے بائیکاٹ پر زور دیا۔ اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کو تعلیم پانے سے روکنے کی تجویز منظور کی۔ لیکن اس میں کیا راز مضمر تھا، صرف یہی کہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کو توڑ دیا جائے تا کہ ہندوستان میں کوئی واحد مسلم درس گاہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور باوجود یکہ تعلیمی بائیکاٹ کا حکم عام تھا۔ ہندو یونیورسٹی پر آنچ نہ آنے دی گئی"۔ [1]

(حاشیہ صفحہ ۳۸)

[3] "روزانہ پیسہ اخبار" (لاہور) مجریہ ۳ ردسمبر ۱۹۲۰ء میں صفحہ اول پر "اہالیانِ ترکِ موالات کے معتقدات و عملیات" کے عنوان سے ایک طویل نظم شائع ہوئی جو اسی دور کی یاد دلاتی ہے۔ چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں:-

پوچھا جو تارکینِ موالات سے کہ آپ — کیوں کر بنائے ترکِ موالات اٹھائیں گے
کہنے لگے کہ یہ کوئی مشکل عمل نہیں — باتوں ہی باتوں میں ہم اسے کر دکھائیں گے
دو چار ہندوؤں کو بنائیں گے رہنما — گاندھی کو ساتھ لے کے پھر آندھی اٹھائیں گے
مسجد میں ہندوؤں کو بلا کر سنیں گے پند — منبر پہ دیو بیتا کو ہم چڑھائیں گے
چھیڑیں گے ابتدا میں خلافت کا مسئلہ — دیکھیں گے مشکلیں تو اسے بھول جائیں گے
چندہ وصول کر کے خلافت کے نام سے — یوروپ کی سیر کر کے مزے ہم اڑائیں گے
آ کر وہاں سے ڈالیں گے ہجرت کا غلغلہ — ہر طرح پٹیاں جہلا کو پڑھائیں گے
پابندیاں طریقۂ تعلیم میں جو ہیں — آزاد اس سے قوم کو اپنی بنائیں گے
ہے عام کالجوں میں جو تعلیم کا رواج — چھوڑیں گے اس کو نفع نہ کچھ اس سے پائیں گے
ڈالیں گے ترکِ درس کی اس طرح داغ بیل — شاہی مدد سے پہلے پہل ہاتھ اٹھائیں گے
مشقِ عمل کی ہو گی علی گڈھ سے ابتدا — لے کر خدا کا نام گھر اپنا جلائیں گے
پنجاہ سالہ سعی جو ہے "پیر قوم" کی — ہم نوجوان خاک میں اس کو ملائیں گے

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[1] "مسلمان اور کانگریس۔ اتحادِ مسلم و مشرک پر شریعت اسلام کا حکم مبین" (مرتب) مشتاق حسین فاروقی، مجمہ۔ مطبوعہ مراد آباد سنہ ندارد ص ۳

مسلمانانِ ہند کی تعلیمی پس ماندگی کا پس منظر جاننے کے لیے بعض کانگریسی علما کے فتاویٰ پر ایک نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ابوالکلام آزاد کا کلام دیکھیے:

"احکامِ شرعیہ کی رُو سے کسی مسلمان طالب علم کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی سرکاری یا ایسے کالج میں تعلیم حاصل کرے جو سرکار سے امداد قبول کرتا ہو اور سرکاری یونیورسٹی سے ملحق ہو"۔[1]

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی نے فرمایا:

"تمام مسلمان عاقل بالغ طلبہ پر خواہ وہ قومی مدرسوں کے طالب علم ہوں یا سرکاری مدرسوں کے، فرض ہے کہ وہ ایسے مدارس سے جن کا تعلق گورنمنٹ کے ساتھ ہے علٰحدہ ہو جائیں اور اس علٰحدگی میں ان کو اپنے والدین کی اجازت لینی ضروری نہیں۔ بلکہ والدین کی ممانعت پر عمل کرنا جائز نہیں۔" [2]

مولوی احمد سعید، ناظم جمیعۃ علمائے ہند نے فتویٰ ترکِ موالات کی رو سے سرکاری ملازمت کو حرام قرار دیا اور اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم کے بائیکاٹ پر زور دیتے ہوئے یوں ارشاد کیا:

"...... تعلیم کو موالات سے مستثنیٰ کرنا سخت ترین حماقت ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی معاونت دشمنانِ دین کی ملازمت ہے اور ملازمت سرکار کا اصلی سبب سکولوں اور کالجوں کی تعلیم اور یونیورسٹی کی ڈگریاں ہیں...... مسلمان سرکاری ملازمت سے جب ہی محفوظ رہ سکتے ہیں کہ ان کو اس تعلیم سے بچا لیا جائے کہ جس کی وجہ سے ملازمت کرنے کے قابل ہوں...... میری رائے میں مسلمانوں پر ترکِ موالات فرض ہے۔ اور ان کو اس فریضہ پر عمل کرنے کے لیے فوراً سرکاری تعلیم سے علٰحدہ ہونا قطعاً فرض ہے۔" [3]

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلامیہ کالج علی گڑھ تو شروع ہی سے (تحریک کے ابتدائی

---

[1] "ترکِ موالات پر علمائے کرام دیوبند، سہارنپور، فرنگی محل لکھنؤ، دہلی و بدایوں وغیرہ کے فتاوٰے" شائع کردہ شعبہ تبلیغ، پراونشل خلافت کمیٹی، صوبۂ آگرہ، میرٹھ ۱۹۲۰ء، ص ۱۱، مشمولہ اخبار خلافت، یکم نومبر ۱۹۲۰ء
"تحریک عدم تعاون اور احکام دین مبین" (فتاویٰ علماء کرام)، مطبوعہ مجلس خلافت پنجاب لاہور ۱۹۲۰ء، ص ۱۲

[2] ترکِ موالات پر علمائے کرام دیوبند، سہارنپور، فرنگی محل لکھنؤ، دہلی و بدایوں وغیرہ کے فتاوٰے، مطبوعہ سیّد المطابع، میرٹھ ۱۹۲۰ء، ص ۱۱

[3] تحریک عدم تعاون اور احکام دین مبین (علماء کرام کے فتاویٰ) شائع کردہ مجلس خلافت پنجاب لاہور ۱۹۲۰ء، ص ۱۱-۱۲

دنوں میں مسلم یونیورسٹی محض کالج تھی لیکن دسمبر ۱۹۲۰ء میں مکمل یونیورسٹی بن گئی) مولوی محمود حسن صاحب اور ان کے ہم نوا علما کی نظر میں بری طرح سے کھٹکتا تھا اور ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس تعلیمی مرکز کو ڈھا دیا جائے۔ آخر تحریک ترک موالات کے دوران انہیں یہ موقع میسر آ گیا تو اُنہوں نے اسلامیہ کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنی دیرینہ خواہش کا یوں اظہار فرمایا:

''علی گڑھ کی ابتدائی حالت میں علماء متدینین نے علی العموم اس قسم کی تعلیم سے (جو از سرتاپا گورنمنٹ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے) روکا مگر بدقسمتی کہ وہ رُک نہ سکی۔ اب جب کہ اس کے ثمرات و نتائج آنکھوں سے دیکھ لئے تو قوم کو اُس سے بچانا بالبداہت ایک ضروری امر ہے طلبہ کے والدین دیکھ بھال کر اور سمجھانے پر بھی اُسی تعلیم پر زور دیں اور مذہبی تعلیم سے مانع ہوں تو طلبہ کو ضروری ہے کہ لوجہ اللہ تعلیم مذہبی اور اسلام کی خدمت گزاری کے لیے سعی کریں۔''[1]

نیز مولانا محمود حسن نے صفر ۱۳۳۹ھ / اکتوبر ۱۹۲۰ء میں مسلم کالج علی گڑھ کے طلبہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''...... امید ہے کہ میری معروضات سے آپ کو اپنے سوالات کا جواب مل جائے گا۔ اور علی گڑھ کالج کی عمارتوں اور کتب خانہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کے دل کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کی قیمت کو کیا نسبت ہے۔''[2]

چنانچہ پروفیسر انوار الحسن صاحب شیرکوٹی کے بقول ...... ''طلبہ میں حضرت شیخ الہند کے فتوئ سے بہت جوش پیدا ہوا اور اکثر لڑکوں نے یونیورسٹی کا بائیکاٹ کر دیا''[3] گویا گاندھی جی کے مرتب کردہ پروگرام ترک موالات پر عمل درآمد شروع ہو چکا تھا۔ مولانا حسین احمد ''نقش حیات'' میں

---

[1] ترک موالات پر علمائے کرام دیوبند، سہارنپور، فرنگی محل لکھنؤ، دہلی و بدایوں وغیرہ کے فتاوے، مطبوعہ میرٹھ ۱۹۲۰ء، ص ۲۴، مشمولہ ''تحریکات ملی تحریکات کے آئینے میں مسلمانان پاک و ہند کی سیاسی جدوجہد کی سرگزشت''۔ مجلہ علم و آگہی (خصوصی شمارہ ۸۳-۱۹۸۲ء) کراچی، گورنمنٹ نیشنل کالج، ص ۴۳۶

[2] شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی۔ ایک سیاسی مطالعہ مولفہ ابوسلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر۔ مجلس یادگار شیخ الاسلام، کراچی طبع دوم۔ ۱۹۹۳ء، ص ۹۰، مشمولہ ''حضرت شیخ الہند کے فتوے''

[3] انوار الحسن شیرکوٹی، پروفیسر محمد۔ ''خطبات عثمانی'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء۔ حاشیہ ص ۳۸

لکھتے ہیں: ''مہاتما گاندھی کی رائے قبولیت عامہ حاصل کر چکی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترکِ موالات کے متعلق طلباء (طلبہ) یونیورسٹی نے فتویٰ حاصل کر لیا تھا جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترکِ موالات کی تمام دفعات میں کانگریس کی موافقت کی تھی اور تمام مسلمانوں اور طلباء مسلم یونیورسٹی کو زوردار مشورہ دیا تھا کہ وہ اس پر عمل کریں۔'' [1]

یاد رہے کہ ''ڈاکٹر ضیاء الدین جو اس زمانے کے وائس چانسلر تھے انہوں نے کچھ عرصے کے لئے یونیورسٹی بند کر دی۔ اس اثناء میں طلبہ کے والدین کو وائس چانسلر کی طرف سے خطوط موصول ہوئے کہ اگر آپ کا لڑکا یونیورسٹی میں آ کر تعلیم حاصل کرنا چاہے اور اسٹرائک میں حصہ نہ لے تو آ جائے ورنہ نہیں۔ چنانچہ پھر دوبارہ یونیورسٹی کھل گئی۔'' [2]

سید نور محمد قادری مرحوم رقمطراز ہیں:

''مولانا محمود حسن کے فتاوے، ابوالکلام اور مولانا محمد علی کی تقریریں اور خطبات آخر میں رنگ لائے۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی جوہر کی زیر سرکردگی ''مجاہدین'' کی ایک عظیم فوج نے علی گڑھ کالج پر ہلّہ بول دیا۔ خدا بھلا کرے مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی، مولانا سید سلیمان اشرف اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم کا کہ ان کی بلند ہمتی اور مساعی عظیم سے کالج مکمل شکست و ریخت سے بچ گیا۔'' [3]

اس پس منظر اور تناظر میں جناب محمد علی چراغ لکھتے ہیں:

''تحریک ترکِ موالات کے دور میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ اس تحریک کے حوالے سے مولانا محمد علی جوہر نے ڈاکٹر ضیاءُ الدین احمد سے ملاقات کی اور اساتذہ اور طلبہ علی گڑھ یونیورسٹی کو ترکِ موالات اور کانگرس میں شامل ہونے کا مشورہ دیا اور حکومت کی امداد بند کرانے کی رائے دی۔ ''لیکن اس موقع پر ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد نے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء کو حضرت مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کی ایک کاپی دکھائی اور کہا کہ اس فتوے کی موجودگی میں ہم یونیورسٹی اور طلبہ و اساتذہ کے بارے میں یہ اقدام کیسے کر سکتے

---

[1] حسین احمد مدنی، مولانا۔ ''نقشِ حیات'' جلد دوم۔ بیت التوحید، کراچی، س۔ن، ص ۶۷۳

[2] محمد انوار الحسن شیرکوٹی (مرتب) خطباتِ عثمانی۔ نذر سنز، لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۲ء۔ حاشیہ ص ۳۸

[3] نور محمد قادری، سید۔ ''اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۲۲

ہیں۔ اگر آپ اس فتوے کے جواب میں کوئی مدلل بیان پیش کر دیں تو ہم آپ کے اشارہ (ارشاد) کی تعمیل کے لئے تیار ہیں ورنہ معذور ہیں"۔ لیکن اس فتوے کا جواب ممکن نہ ہو سکا (ممکن نہ ہوا)۔ اس طرح ایک مختصر عرصہ کے لئے مسلمانوں کی جذباتی رَو کے باعث علی گڑھ یونیورسٹی مقفل رہی لیکن مجموعی طور علی گڑھ یونیورسٹی متحدہ قومیت اور ترکِ موالات کے سیلاب کی زد میں آنے سے محفوظ رہی اور ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد ایک مردِ آہن کی طرح اپنے راست موقف پر ڈٹے رہے۔"[2]

آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ مذکورہ دور کے ہندو اور مسلم تعلیمی تناسب کا ذکر کر دیا جائے۔ سید سلیمان اشرف رقمطراز ہیں:

"ہندوستان میں جس قدر کالج یا اسکول سرکاری ہیں اگرچہ نام و تنخواہ کا اُن کا تعلق سرکار سے ہے لیکن دراصل اُن کا فیض ہندوؤں کے لئے مخصوص ہو گیا ہے، اختیارات وغیرہ کہیں بلاواسطہ اور کہیں بواسطہ چوں کہ ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں ہیں اس لئے تصحات بھی اسی قوم کے حصے میں ہیں۔ سارے ہندوستان میں مسلمانوں کے صرف تین کالج ہیں علی گڑھ، لاہور اور پشاور۔

اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس (۱۲۵) ہے تین مسلمانوں کے اور ایک سو بائیس (۱۲۲) ہندوؤں کے ان میں سے اگر سرکاری کالجوں کو جن کی تعداد کل چونتیس (۳۴) ہے الگ کر لیجئے جب بھی اٹھاسی (۸۸) کالج خاص ہندوؤں کے رہ جاتے ہیں ان میں بائیس (۲۲) کالج ایسے ہیں جس (جن) میں گورنمنٹ کی امداد قطعاً شامل نہیں اور چھیاسٹھ (۶۶) ایسے کالج ہیں جن

---

[1] یہاں یہ بات سامنے رہنا چاہئے کہ پروفیسر انوار الحسن صاحب نے "خطباتِ عثمانی" میں جہاں شیخ الہند کے مذکورہ بالا فتوے کی ناکامی کا اقرار دبے لفظوں میں کیا ہے وہاں پروفیسر موصوف پر یہ حقیقت بھی آشکارا ہوئی جو اس وقت جمیعت العلماء ہند کے لیڈروں پر منکشف نہ ہو پائی تھی۔ چنانچہ پروفیسر صاحب خطبات کے صفحہ ۲۱، ۲۲ پر رقمطراز ہیں کہ

"مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو بند کرنے اس کا بائیکاٹ کرنے کے لئے مولانا محمد علی جوہر نے زور لگایا، لیکن خدا بھلا کرے ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم کا کہ انہوں نے مسلم یونیورسٹی کو سنبھالے رکھا۔ بنارس یونیورسٹی جس کے کرتا دھرتا پنڈت مدن موہن مالوی (مالویہ) تھے انہوں نے کسی کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ ان میں ہندو ذہنیت کام کر رہی تھی۔"

[2] محمد علی چراغ۔ "اکابرینِ تحریکِ پاکستان"۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ طبع اوّل ۱۹۹۰ء، ص ۳۶۱

میں گورنمنٹ کی امداد جاری ہے تین اور اٹھاسی کی نسبت ذرا (زرا) غور سے ملاحظہ کیجئے۔ پھر تعلیم کے ملیامیٹ کردینے کا فیصلہ کیجئے۔ سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی چھیالیس ہزار چار سو سینتیس (۴۶۴۳۷) ہے جن میں سے مسلمان طلبہ چار ہزار آٹھ سو پچھتر (۴۸۷۵) ہیں، ہندو طلبہ کی تعداد اکتالیس ہزار پانچ سو باسٹھ (۴۱۵۶۲) ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو چوبیس (۲۴) کروڑ اور مسلمان سات کروڑ ہیں اس تناسب سے جب کہ مسلمانوں کے تین کالج تھے ہندوؤں کے بارہ ہوتے۔

مسلمان طلبہ کی تعداد کالجوں میں چار ہزار تھی۔ تو ہندو سولہ ہزار ہوتے لیکن جب کہ واقعہ نمونۂ عبرت پیش کر رہا ہو تو سلسلہ تعلیم کو تہ و بالا کرنے میں کس کا نقصان ہے۔

جس قوم کی تعلیمی حالت یہ ہو کہ سات کروڑ میں سے صرف چار ہزار مشغول تعلیم ہوں اُس قوم کا یہ ادّعا اور ہنگامہ کہ اب ہمیں تعلیم کی حاجت نہیں اگر خبط و سودا نہیں تو اور کیا ہے۔"[1]

"اشور" کے مصنف نے مندرجہ بالا اقتباسات میں اُس دور کے مسلمانانِ ہند کا تعلیمی میدان میں پس ماندگی کا نقشہ جن الفاظ میں کھینچا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان جو خود تعلیمی لحاظ سے اس قدر پس ماندہ تھے تو ایسے میں انہیں تعلیم کی مشعل سے اپنے راستے کو منور کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟ لیکن علی گڑھ سے ناکامی کے بعد تحریک ترکِ موالات کے قائدین نے اب لاہور کا رخ کیا۔ یہاں نشانہ 'اسلامیہ کالج' تھا۔ پروفیسر محمد صدیق تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دور اسلامیہ کالج کی تاریخ کا نہایت نازک اور آزمائش کا دور تھا۔ کیونکہ اس تحریک کے پروگرام میں (جیسا کہ ابتدا میں ذکر آچکا) نہ صرف انگریزی ملازمتوں سے علٰحدگی بلکہ یونیورسٹی سے ملحق تعلیمی درس گاہوں سے بھی مقاطعہ پر زور دیا گیا تھا اور سرکاری امداد قبول نہ کرنا بھی اس کی ایک شق تھی۔

چنانچہ ۱۹ راکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور میں بصدارت مولانا عبدالقادر قصوری، صدر خلافت کمیٹی پنجاب ایک بہت بڑا جلسہ ہوا، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، گاندھی جی، سوامی ست دیو، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، آغا صفدر، پنڈت رام بھیجدت، لالہ دُونی

---

[1] سلیمان اشرف، سید محمد۔ "اشور"، مطبوعہ مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، ص ۱۹۶-۱۹۷

چند، شریمتی سرلا دیوی، مولانا سید داؤد غزنوی، ڈاکٹر محمد عالم، ملک لعل خاں اور مولوی غلام محی الدین قصوری نے شرکت کی اور تحریک ترکِ موالات کے حق میں تقریریں کیں۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں اس بات پر زور دیا کہ تمام طلبہ کو اسلامیہ کالج سے تعلق توڑ لینا چاہیے یا پھر کالج کو یونیورسٹی سے الحاق توڑ کر گورنمنٹ کی تیس ہزار روپیہ سالانہ گرانٹ سے دست کش ہو جانا چاہیے۔[1]

مذکورہ اجلاس میں جو تقاریر ہوئیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

سوامی ست دیو ایم۔اے نے اپنی طویل تقریر کو ان الفاظ پر ختم کیا:

"پنجاب کے لوگو میں تم سے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ ترکِ موالات کا کام پنجاب سے شروع کرو۔"[2]

مولانا محمد علی جوہر نے اپنے پُر جوش خطاب میں کہا:

"...... کبھی وقت تھا کہ تم تعلیم کی طرف آتے بھی نہ تھے اور آج ایسے محبِ تعلیم بن رہے ہو کہ خدا اور رسول کو بھی اس کی خاطر قربان کرنے کو تیار ہو۔ یہ وہ شرک ہے جس کے بدلے میں تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔"[3]

تقریر کے آخر میں مولانا نے یوں اپیل کی:

"ہم بیرسٹروں، وکیلوں، کونسل کے نو رماؤں، کالج کے ٹرسٹیوں کو کہتے ہیں کہ وہ تمام اپنی اپنی مصروفیتیں چھوڑ دیں۔ مؤکلین، وکیلوں کو چھوڑ دیں۔ رائے دہندگان کونسلوں کے امیدواروں کو چھوڑ دیں، طلبہ کالج و سکول چھوڑ دیں۔"[4]

مولانا ابوالکلام آزاد نے جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

"میں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے جسے خدا کے فضل سے شریعتِ اسلامی کی کچھ بصیرت دی گئی ہے، کہتا ہوں کہ ایک مسلمان پر حُبِ وطن کے لحاظ سے،

---

[1] پروفیسر مولوی حاکم علی رحمہ اللہ۔ از پروفیسر محمد صدیق۔ مکتبہ رضویہ، لاہور۔ طبع اول ۱۹۸۳ء، ص ۹۷

[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۳، کالم ۱

[3] تحریکاتِ ملی۔ "مجلہ علم و آگہی" (۸۳-۱۹۸۲ء) کراچی، گورنمنٹ نیشنل کالج، مشمولہ مضمون "تعلیم اور ترکِ موالات" از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری، ص ۳۷ بحوالہ تقاریر مولانا محمد علی، حصہ اول، میرٹھ، قومی دارالاشاعت، ۱۹۲۱ء، ص ۴۳

[4] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۲، کالم ۲

مذہب کے اعتبار سے، اخلاق کے لحاظ سے فرض ہے کہ ترکِ موالات کرے۔" [1]

گاندھی جی نے اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے کہا:

"آپ میں سے بہت سے آدمی ہوں گے، جن کے کالجوں اور مدرسوں میں لڑکے پڑھتے ہیں۔ مولانا (آزاد) نے کہا ہے کہ ان کی تعلیم حرام ہے۔ اگر آپ چاہیں تو صبح ہی سے لڑکوں کو مدرسوں میں نہ بھیجو۔" [2]

ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ایک طویل تقریر کا اختتام ان الفاظ پر کیا:

"اسلامیہ کالج کے طلبہ سے میری یہ التجا ہے کہ اس وقت پنجاب کی عزت ان کے ہاتھ میں ہے۔ انہیں چاہئے کہ اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔ اپنے حکامِ کالج سے کہہ دیں کہ یا (تو) اس کالج کو عدم تعاون کے ماتحت یونیورسٹی سے الگ کر لیجئے اور سرکاری امداد بند کر دیجئے یا ہم کالج چھوڑے دیتے ہیں۔ کالج کو سرکاری نہیں قومی بناؤ۔" [3]

پنڈت رام بھجدت نے بھی اس جلسے سے خطاب کیا اور کہا:

"اسلامیہ کالج والو! اگر آج تمہارے کوئی راہنما تمہارے سرگروہ ہو کر تلوار چلاتے اور جہاد کرتے تو کیا تم مسٹر ہنری مارٹن پرنسپل کے پاس سبق لینے جاتے۔" [4]

ان کے علاوہ مولوی غلام محی الدین، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالقادر، بھائی سنت سنگھ اور سردار جسونت سنگھ نے بھی حاضرین جلسہ سے خطاب کیا اور اسلامیہ کالج پر زور دیا کہ وہ تحریک ترکِ موالات کی حمایت کرے۔

اسلامیہ کالج کے طلبہ نے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور مطالبہ کیا کہ یونیورسٹی سے کالج کا الحاق ختم کر دیا جائے اور گورنمنٹ سے ملنے والی سالانہ تیس ہزار روپے کی گرانٹ بند کر دی جائے۔ ہنگامے ہوئے اور کالج بند کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں نواب ذوالفقار علی خاں، انجمن حمایت اسلام کے صدر تھے۔ کالج کے پرنسپل ہنری مارٹن نے سول اینڈ ملٹری گزٹ کی اشاعت مورخہ ۳۰ راکتوبر ۱۹۲۰ء میں ایک مراسلہ شائع کروایا اور اس میں کہا کہ "طلبہ سیاسی شورش پسند عناصر کے

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء۔ ص ۴، کالم ۲

[2] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء۔ ص ۳، کالم ۱

[3] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء۔ ص ۳، کالم ۳

[4] روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء۔ ص ۴، کالم ۱

زیر اثر اس ہنگامے اور ہیجان میں حصہ لے رہے ہیں۔ اگر شورش پسند ایسا نہ کریں تو ہمارا کالج ان ہنگاموں سے محفوظ رہے۔" پرنسپل کے اس بیان کے ساتھ ہی پروفیسر مولوی حاکم علی بی۔اے نے ایک اہم فتویٰ دیا کہ

"میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق جاری رکھنا اور سرکاری امداد لینا جائز ہے۔"

روزنامہ پیسہ اخبار (لاہور) نے مورخہ ۲ رنومبر ۱۹۲۰ء کو "ترک موالات فتوے جواز الحاق اسلامیہ کالج بہ یونیورسٹی وحصول امداد وسرکار!" کے عنوان سے اسے نمایاں طور پر شائع کیا۔

مذکورہ کشمکش میں کالج دس روز کے لئے بند رہا۔ کالج کے ارباب حل وعقد، جو نہ صرف یونیورسٹی سے الحاق کے خواہاں تھے بلکہ سرکاری امداد بھی وصول کرنا چاہتے تھے، انہوں نے اس حساس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے، نیز اس خیال سے کہ مسلمان طلبہ کا تعلیمی زیاں نہ ہو، انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل (جس کے جنرل سیکریٹری اس وقت علامہ اقبال تھے) نے یہ فیصلہ کیا کہ ایسے علما سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقۂ اثر سے باہر ہوں اور اعلاءِ کلمۃ الحق جن کی زندگی کا وظیفہ ہو۔ چنانچہ یہ کام مولوی حاکم علی صاحب، پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور (جو ۱۸۹۸ء تا ۱۹۰۴ء کالج کے پرنسپل بھی رہ چکے تھے) کے سپرد کیا گیا، انہوں نے مندرجہ ذیل فتویٰ ترتیب دیا جو ۲۵ راکتوبر کو امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی خدمت میں ارسال کیا جس میں یہ سوال کیا گیا کہ

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ تولّی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام زبردستی تولّی کے معنی 'معاملت' اور 'ترک موالات' کو 'ترک معاملت' "نان کوآپریشن" قرار دیتے ہیں اور یہ صریح زبردستی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۲ رنومبر ۱۹۲۰ء، ص ۲، کالم ۱

[2] تحریکِ ترک موالات کے لیڈروں کے برعکس جن حضرات نے مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی پس ماندگی کے پیش نظر اپنی دردمندی، دلسوزی، علمی اور دینی لیاقت اور سیاسی بصیرت سے اسلامیہ کالج لاہور کو بچانے میں کردار ادا کیا ان میں پروفیسر مولوی حاکم علی (۱۸۶۹ء-۱۹۲۵ء) کا نام نمایاں ہے۔ حال ہی میں "اسلامیہ کالج لاہور کی صد سالہ تاریخ" کی دوسری جلد شائع ہوئی ہے، جس میں "اسلامیہ کالج تحریکِ ترک موالات کی زد میں" کے زیر عنوان (صفحہ ۷۵ تا ۱۰۱) جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب یک طرفہ ہے، دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنے پسندیدہ افراد کو ہیرو بنا کر پیش کرنے کے بجائے پروفیسر مولوی حاکم علی کے کارنامہ پر مناسب خراج تحسین پیش کیا جاتا۔ (ظہور)

کے ساتھ کی جارہی ہے۔ مذکور نے ۲۰ راکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر اطلاق یہ کر دیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جاوے (جائے) تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتوی دے دیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو، لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلا دی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہو گیا۔ علامہ مذکور کا یہ فتوی غلط ہے، یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جس کے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے، جو کہ معاملت کے معنی ہیں۔ مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہو رہے ہیں (رہا ہے)۔ مذکور، مولوی محمود الحسن صاحب (اصلی نام محمود حسن ہے)، مولوی عبدالحی صاحب تو دیو بندی خیالات کے ہیں زبردستی فتوے اپنے مدعا کے مطابق دیتے ہیں لہٰذا میں فتوے دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے۔ میرے فتوے کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیو بندی نہیں مثلاً مؤید ملت طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں قادری صاحب بریلوی علاقہ روہیلکھنڈ اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ممالک مغربی وشمالی۔"[1]

اس فتویٰ کو مع ایک خط کے جو درج ذیل ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تصدیق وتصحیح کے لئے روانہ کیا:

"... مؤید ملت طاہرہ مولانا وبالفضل اولنا جناب شاہ احمد رضا خاں صاحب دام ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پشت ہذا پر کا فتویٰ مطالعہ گرامی کے لیے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہو سکے (ممکن ہو) یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں۔ انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا

---

[1] احمد رضا خاں، امام۔ المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ: (۱۳۳۹ھ) شائع کردہ جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی۔ بار اول ۱۹۲۰ء، ص ۲

[illegible]

بحمدہ تعالیٰ

حالات دائرہ پر دو ضروری گفتگو

پہلی گفتگو دربارۂ معاملت [illegible]

دوسری گفتگو جس کے نام تاریخی

المحجة المؤتمنة في آية الممتحنة ١٣٣٩ھ

[illegible]

از افادات

مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام اہلسنت [illegible]

(باہتمام مولوی حسنین رضا خاں صاحب)

مطبع حسنی بریلی میں چھپا اور جماعت مبارکہ رضائے مصطفیٰ نے اپنے صرف سے

شائع کیا

سرورق: رسالہ المحجۃ المؤتمنۃ مصنفہ امام احمد رضا مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلہ مرسلہ مولوی حاکم علی صاحب بی۔ اے حنفی نقشبندی

مجددی پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور ۱۴ صفر ۱۳۳۹ھ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کیساتھ تولی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام زبردستی تولی کے معنی معاملت اور ترک موالات کو ترک معاملت بتا کر نان کوآپریشن قرار دیتے ہیں اور یہ صریح زبردستی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کے ساتھ کی جارہی ہے مذکور نے ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر اطلاق یہ کر دیا کہ جبتک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کیجائے اور یونیورسٹی سے اسکا قطع الحاق نہ کیا جاوے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتوی دیدیا کہ اگر ایسا نہو تو کالج چھوڑ دو لہذا اسطرح سے کالج میں ایک بے چینی پھیلادی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہو گیا علاوہ مذکور کا یہ فتویٰ غلط ہے یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جسکے معنی محبت ہیں مذکور کلام کے جو کہ معاملت کے معنی ہیں مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہو رہے ہیں مذکور مولوی محمود الحسن صاحب۔ مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی دیوبندی خیالات کے ہیں زبردستی فتوے اپنے مدعا کے مطابق دیتے ہیں لہذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے میرے فتوے کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی نہیں مثلاً مؤید ملت طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں قادری صاحب بریلوی علاقہ روہیلکھنڈ۔ اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ممالک مغربی و شمالی۔

رسالہ الحجۃ المؤتمنہ ۱۳۳۹ صفحہ ۲ (مولوی حاکم علی کے تاریخی مرسلہ کا متن)

اجلاس بروز اتوار بتاریخ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوتا ہے۔ اُس میں یہ پیش کرتا ہے (کہ) دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے، ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کر لی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روڑھا (روڑا) اٹکانے کی ٹھان لی ہے۔ لہٰذا عالمِ حنفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں اور عنداللہ ماجور ہوویں (ہوں)۔"

نیاز مند دعا گوے

حاکم علی، بی۔اے، موتی بازار لاہور

۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۰ء" [1]

امام احمد رضا نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ایسی امداد جو مشروط نہ ہو جائز ہے۔ نیز آپ نے مستند دینی حوالوں سے فتویٰ دیا اور مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے اسلامیہ کالج میں تعلیم جاری رکھیں اور سرکاری ملازمتیں بھی کرتے رہیں، اس فتویٰ کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں پیش کیا گیا۔ مولانا احمد رضا کے فتویٰ سے یہ عظیم درس گاہ اغیار کے دست بُرد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی اور سرکاری ملازمتوں پر مامور مسلمان بے روزگار ہونے سے محفوظ رہے اور مسلمانوں کے تعلیمی ادارے تباہ ہونے سے بچ گئے۔ بعد میں مسلم یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج کے نونہالوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ کیونکہ بقول محمد علی چراغ ...... "ڈاکٹر ضیاء الدین احمد نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی قیادت میں قائداعظم کے موقف کی تائید کرتے ہوئے مسلم یونیورسٹی کو ندوۃ العلماء، دیوبند اور جامعہ ملیہ کی طرح متحدہ قومیت کی سازش سے بچا کر مسلم لیگ اور قائداعظم کی حمایت کے لئے یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کا رجحان جداگانہ مسلم قومیت (دوقومی نظریہ) کی طرف کر کے تحریک پاکستان پر مرکوز کیا۔" [2]

مسئلۂ تعلیم کے بعد مسئلۂ ہجرت پر اظہار خیال سے پہلے ہم اس امر کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض قلم کار تحریک ترک موالات کے مضر اثرات پر کھل کر کچھ کہنے سے کتراتے ہیں۔ شاید ان کے پیش نظر، یہ مصلحت رہتی ہو کہ کچھ "بڑے لوگ" اس تحریک کی حمایت کی غلطی میں

---

[1] المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ۔ از امام احمد رضا، مطبوعہ مطبع حسنی بریلی ۱۹۲۰ء، ص ۴

[2] اکابرین تحریک پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۳۶۱، ۳۶۲

نمایاں نظر آتے ہیں۔

تحریکِ خلافت اور ہندو کانگریس میں بیک وقت شامل رکن رکین، چودھری خلیق الزماں مرحوم (۱۸۸۹ء-۱۹۷۳ء) نے اپنی ضخیم تصنیف "شاہراہِ پاکستان" میں ان کوششوں کا ذکر تو کہیں نہیں کیا، جن سے مسلم قومیت کو فروغ ملا (جس کا ذکر اوپر آ چکا) البتہ فاضل مصنف نے خاص سوچ کے زیرِ اثر جہاں حامیانِ دینِ متین کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے وہیں تحریکِ خلافت کے خاتمہ کے دس بارہ برس بعد (یعنی ۳۲-۱۹۳۱ء) تک کے عرصہ کو انہوں نے بھیانک دور سے تشبیہ دیتے ہوئے اس دوران میں کسی تنظیم کی بصیرت تلاش کرنے کو "بے معنی" قرار دیا ہے۔ ایسا بودا استدلال کم از کم ایک وقائع نویس کو زیب نہیں دیتا۔

ظاہر ہے ایسی تحریروں سے عام قاری کوئی واضح نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا اور نہ ہی کما حقہ، ان مساعی سے باخبر ہو سکتا ہے جن کی بدولت اِس پُرفتن دور میں مسٹر گاندھی اور ان کے رفقاء کی فریب کاری سے مسلمانانِ ہند کو آگاہی ہوئی اور بعد ازاں یہی شعور تحریکِ پاکستان کے جذبہ صادقہ میں ڈھل کر نتیجہ خیز بنا۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ بعض وقائع نگار محض ذاتی وجوہ کی بنا پر تاریخ (تحریکِ خلافت و ترکِ موالات کے اس پُر آشوب دور) کو صحیح رنگ میں پیش نہیں کرتے۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء) نے "یادِ رفتگاں" میں مولانا سید سلیمان اشرف کی تصانیف شمار کراتے وقت عمداً "النور" اور "الرشاد" کا ذکر تک نہیں کیا ہے[1] کیونکہ مولانا ندوی مرحوم کا تب اپنا رجحان اغلباً ان تحریکوں کی جانب تھا۔ ندوہ کے فاضل بزرگ محمد فضل قدیر ظفر ندوی (۱۸۹۸ء-۱۹۸۱ء) جو خود بھی مذکورہ تحریکوں میں شامل رہے ہیں، نے اپنے ایک انٹرویو میں جہاں مسلمانوں کی جانب سے ترکِ موالات کے دوران گاندھی جی کو دیے جانے والے متعدد خطاب و القاب کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ دیوبند کی طرح ندوہ (اس وقت اگرچہ سید سلیمان ندوی ندوۃ العلماء کے ناظم تھے) نے بھی گاندھی گردی روکنے اور اس پُر آشوب دور میں ملی تشخص اجاگر کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ چنانچہ ظفر ندوی مرحوم نے مذکورہ انٹرویو میں تحریک کے دنوں میں دارالعلوم (ندوۃ العلماء لکھنؤ) میں مسٹر گاندھی کی آمد کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ترکِ موالات کے زمانہ میں "عوام کا بھولا پن تو تھا ہی، لیکن تعجب ہے کہ خواص، جو اندر سے باہر سے قطعی مجسم کھدر بن

[1] دیکھئے۔ سلیمان ندوی، سید: "یادِ رفتگاں"، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۱۹۱

گئے، وہ بھی قومی تشخص سے تہی دامن ہو گئے۔" [1] انا للہ......

بہرکیف مسئلہ ترکِ موالات کی ماہیت سمجھنے اور تحریک کے اس باب پر کام کرنے والوں کے لئے پیشِ نظر کتاب کے علاوہ تاریخی رسالہ الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ) کا مطالعہ لازمی ہے۔ یہ پورا رسالہ محقق سید رئیس احمد جعفری ندوی نے اپنی کتاب "اوراقِ گم گشتہ" مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء میں شامل کر دیا ہے۔

مسئلہ ہجرت

سنہ ۱۹۲۰ء میں ہندوستانی مسلمانوں کی ہجرت افغانستان کے حوالہ سے پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنے مضمون (تحریک ہجرت) میں لکھا ہے کہ

> "ہندوستان میں اسلام کے محفوظ رہنے یا نہ رہنے کا مسئلہ ہمیشہ علماء کے پیشِ نظر اس وقت سے اہمیت کا حامل رہا ہے جب سے کہ شاہ عبد العزیز (۱۷۴۶ء-۱۸۲۳ء) نے انگریزوں کے ماتحت ہندوستان کے دار الحرب ہونے کے بارے میں اپنا مشہور فتویٰ جاری کیا تھا۔ ان کے خیال میں جب کافر کسی اسلامی ملک پر قابض ہو جائیں اور اس ملک کے مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہ رہے کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کی کوئی امید نہ رہے اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہو جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اسلامی قوانین کو جائز یا ناجائز قرار دیں اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مال گزاری پر قبضہ کر سکے اور مسلمان باشندے اس امن و امان سے زندگی بسر نہ کر سکیں جیسا کہ وہ پہلے کرتے تھے تو یہ ملک سیاسی اعتبار سے دار الحرب ہو جائے گا...... یہ اس دور کے حالات میں ایک عالمانہ نقطۂ نظر تھا جس نے ان لوگوں کے شعور کو بیدار کیا تھا جو غیر اسلامی قوانین کو رائج کرنے والے غیر

---

[1] انٹرویو، فضل قدیر ندوی، محمد۔ از مقبول جہانگیر، مشمولہ ماہنامہ "سیارہ ڈائجسٹ" لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء

نوٹ: محولہ انٹرویو میں فضل قدیر ندوی نے جمعیۃ العلماء ہند کے جلسۂ عام بتاریخ ۱۳ رجب ۱۳۳۹ھ/۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء منعقدہ بریلی کا ذکر کیا ہے جو ابو الکلام آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں پروفیسر سید سلیمان اشرف نے ابو الکلام آزاد سے مسئلہ ترکِ موالات، ذبیحہ گاؤ پر پابندی اور کانگریس سے الحاق و اتحاد کے موضوع پر کھل کر اپنے موقف کا اظہار فرمایا۔ اجلاس کی کارروائی اور سید صاحب کی جلسۂ عام میں کی جانے والی تقریر کا متن اسی دور میں "روداد مناظرہ" کے نام سے قادری پریس بریلی میں چھپ کر جماعت رضائے مصطفےٰ کی جانب سے شائع ہو گیا تھا، یہ اہم دستاویز ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۶ء میں مکتبۂ رضویہ لاہور نے "ابو الکلام آزاد کی تاریخی شکست" کے عنوان سے شائع کر دی۔ (ظہور)

مسلموں کے ماتحت رہنے پر مجبور کردیئے گئے تھے۔"[1]

یہاں اس بات کا بھی دھیان رہے کہ جس کی جانب ڈاکٹر عقیل صاحب نے (محولہ مضمون میں) آگے چل کر قارئین کی توجہ مبذول کروائی ہے۔ جیسا کہ موصوف لکھتے ہیں:

"انگریزی عہد میں ہندوستان کے دارالحرب یا دارالاسلام ہونے کا مسئلہ علماء میں اختلاف رائے کا مظہر رہا ہے۔ دارالحرب کے مسئلہ کا حل زیادہ تر جہاد یا ہجرت میں تلاش کیا گیا ہے...... شاہ عبدالعزیز نے اگر انگریزوں کے ماتحت ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں اپنا فیصلہ دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندو مرہٹوں کے ماتحت ہندوستان کو دارالاسلام ہی کی حیثیت حاصل تھی۔"[2]

ہندوستانی مسلمانوں نے ۱۹۲۰ء میں ہجرت کی تحریک عین اس وقت شروع کی جب تحریک خلافت اپنے عروج پر تھی۔ یہ تحریک ان کے شدید جذباتی ہیجان کا نتیجہ تھی اور اس کے پس پشت یہ احساس موجزن تھا کہ برطانیہ کے ماتحت ہندوستان میں اسلام محفوظ نہیں ہے۔ چنانچہ اس جذباتی کیفیت کے پیش نظر بعض مسلمان علما کے ساتھ ہندوؤں نے بھی یہ کہنا شروع کردیا کہ ہندوستان چونکہ ایک طرح کے دارالحرب کا درجہ اختیار کرچکا (حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں تھا) ہے، اس لئے موجودہ حالات میں مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ انہیں اب ہندوستان چھوڑ کر اسلامی ملک افغانستان چلے جانا چاہئے۔ اس ضمن میں علما نے فتوے جاری کئے۔ تحریک ترک موالات کے

---

[1] تحریکات ملی، مجلہ علم و آگہی، کراچی (۸۳-۱۹۸۲ء) مرتبین ابو سلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر۔ انصار زاہد، پروفیسر ڈاکٹر۔ فصیح الدین، ڈاکٹر مشمولہ مضمون بعنوان "تحریک ہجرت" از معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ ص ۱۹۸، ۱۹۹

[2] "بعض علمائے محققین کی اس میں یہ تحقیق ہے کہ ہندوستان من کل الوجوہ نہ دارالحرب ہے نہ دارالاسلام بلکہ بین بین ہے...... " (اشرف علی تھانوی، مولانا۔ "تحذیر الاخوان عن الربوٰا فی الہندوستان"۔ اشرف المطابع تھانہ بھون، سنہ ندارد، حاشیہ ص ۹) و نیز شیخ الہند محمود حسن صاحب سے مسٹر برن نامی ایک انگریز نے ہندوستان کی نسبت دریافت کیا "کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ مولانا نے فرمایا کہ علماء نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ مولانا نے فرمایا: میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں، اس نے تعجب سے کہا: یہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، اور حقیقت میں یہ دونوں اس کے درجات ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں۔ ایک معنی کی حیثیت سے اس کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے۔" (مدنی، مولوی حسین احمد۔ "سفرنامۂ شیخ الہند"، مطبوعہ مکتبہ محمودیہ، لاہور ۱۹۷۴ء، ص ۱۲۶)

[3] "تحریکات ملی، تحریکات کے آئینے میں مسلمانان پاک و ہند کی سیاسی جدوجہد کی سرگزشت"۔ مجلہ علم و آگہی کراچی (خصوصی شمارہ ۸۳-۱۹۸۲ء) ص ۱۹۹-۲۰۰، مشمولہ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ مضمون "تحریک ہجرت"

کارکن جناب ظہیر الاسلام فاروقی اپنی تصنیف ''مقصدِ پاکستان'' میں تحریک ہجرت کے باب میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک دینی، سیاسی تحریک تھی جو تحریک عدم تعاون یا تحریک ترک موالات ہی کی ایک شاخ تھی، فاروقی صاحب نے مسئلۂ ہجرت کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ''مشہور و معروف فتوی'' کا متن بھی نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے:

> ''تمام دلائل شرعیہ، حالات حاضرہ، مصالح امت اور مقتضیات پر نظر ڈالنے کے بعد میں پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمانانِ ہند کے لئے بجز ہجرت اور کوئی چارۂ شرعی نہیں۔ اُن تمام مسلمانوں کے لئے جو (اس وقت) ہندوستان میں سب سے زیادہ (بڑا) اسلامی عمل انجام دینا چاہیں ضروری ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔ اور جو لوگ یکایک ہجرت نہیں کر سکتے وہ مستعد مہاجرین کی خدمت و اعانت اس طرح انجام دیں گویا وہ خود ہجرت کر رہے ہیں۔ یعنی اصل عمل جواب (شرعاً) در پیش ہے، ہجرت ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔'' [۱]

مزید لکھتے ہیں:

> ''اس قسم کا فتوی مولانا عبدالباری فرنگی محل کی طرف سے بھی شائع ہوا اور علی برادران نے پورے جوش و خروش سے اس کی تائید کی۔'' [۲]

مسٹر ایم۔ کے گاندھی، جو تحریک خلافت کے آغاز ہی میں اس میں شامل ہو گئے تھے تحریک ہجرت کے حامی تھے اور انہوں نے کبھی منظر عام پر اس کی مخالفت نہیں کی۔ ہندوؤں کے لئے ترک موالات کی طرح تحریک ہجرت مفید اور سیاسی طور پر اہم تھی، لیکن مسلمانوں کے لئے نہایت

---

[۱] ظہیر الاسلام فاروقی۔ ''مقصدِ پاکستان'' مجلس اخوۃ اسلامیہ پاکستان، لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۹ بحوالہ مہر، غلام رسول۔ ''تبرکات آزاد'' ص ۲۰۳-۲۰۴

[۲] ظہیر الاسلام فاروقی۔ ''مقصدِ پاکستان'' لاہور، طبع اول ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۹ بحوالہ خلیق الزماں، چودھری۔ ''ٹوئیشن تیموری'' ص ۵۶۸

[۳] ''بعض مصنفین، جیسے راجپوت، اے بی ".Muslim League, Yesterday and to day" (لاہور، ۱۹۴۸ء) ص ۳۲ اور برگس، ایف ایس "(Briggs, "The Indian hijrat of 1920 .F.S.) مشمولہ "The muslim world" اپریل ۱۹۳۰ء ص ۱۶۴، یہ سمجھتے تھے کہ تحریک ہجرت کے محرک دراصل مسٹر گاندھی تھے۔ ''اس تحریک میں گاندھی صاحب نے مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکی تھی۔ اگر مسلمان جا کر واپس نہ آتے تو کم از کم اتنا فائدہ تو ہوتا کہ ان کی آبادی کم ہو جاتی۔'' مولوی فیروز الدین ''داستانِ پاکستان'' (لاہور، ۱۹۴۵ء) ص ۳۰۰'' بحوالہ تحریکات ملی۔ مجلہ علم و آگہی، کراچی (۸۳-۱۹۸۲ء) مشمولہ ڈاکٹر معین الدین عقیل بعنوان ''تحریک ہجرت'' حاشیہ ص ۲۱۸

معترض تھی، کیونکہ اس تحریک کی اسلامی جذباتی تاویل کے باعث سادہ لوگ مسلمان ہجرت کر کے افغانستان جانے لگے۔ ایسے مسلمان مہاجرین نے اونے پونے اپنی املاک ہندو بنیوں کے ہاتھ فروخت کیں اور وہ دشوار گزار راہوں سے ہوتے ہوئے افغانستان پہنچنے لگے۔ کئی مسلمان اپنی نوکریاں، ملازمتیں اور کاروبار بھی چھوڑ گئے، جن پر بالآخر ہندو قوم قابض ہو گئی۔ تحریک ہجرت، جسے اپنے حالات کے تقاضوں میں بہرحال ناکام ہونا تھا، صرف چند ماہ کے عرصہ میں اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ چنانچہ روزنامہ پیسہ اخبار (لاہور مورخہ ۸؍اپریل ۱۹۲۱ء) نے "معاملہ ہجرت میں صریح ناکامی" کے عنوان سے اداریہ میں لکھا، جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

"خلافت کمیٹی کے علم برداروں نے سب سے پہلے ہجرت کا ڈنکہ بجایا۔ ہزاروں سادہ لوح لیکن ایمان کے پکے مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں (جائدادیں) فروخت کیں، عورتوں کو طلاق دیئے (دیں)، چھوٹے چھوٹے بال بچوں کو بلکتا چھوڑا، بہتوں کی جانیں پشاور اور کابل کے (کی) سڑک پر تلف ہو گئیں۔* بعض منزل مقصود پر پہنچ کر جاں بحق ہوئے۔ بعض واپسی پر راہ میں تباہ ہوئے۔ اکثر کا روپیہ پیسہ لوٹا گیا، جو بچ کر واپس آئے ان میں سے اکثر گداگری کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح خلافت کمیٹی نے ہزاروں کلمہ گو مسلمانوں کی شہادت اور بربادی کا ثواب وصول کیا۔

لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انہوں نے
کیا دین برحق کو بدنام انہوں نے"

پروفیسر سید سلیمان اشرف نے بھی پیش نظر کتاب میں "علمائے سیاسی کا ہجرت کے متعلق تباہ کن فتویٰ" کے زیر عنوان انہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقم کیا:

"ایک نفیر عام ہجرت کی پکار دی گئی اس بانگ بے ہنگام نے سرحدی علاقے اور خطۂ سندھ میں بہت زیادہ اثر کیا، ہزاروں گھر تباہ ہو گئے، ہزاروں عورتیں بے

---

* "ان میں سے ایک خاصی تعداد راستہ ہی میں مختلف امراض اور دیگر وجوہات کے نتیجہ میں جاں بحق بھی ہوئی۔ صوبۂ سرحد سے کابل تک جانے والے راستہ کے اطراف مہاجرین کی قبریں بن گئی تھیں — "The Times" ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء بحوالہ ایضاً۔ ایک عینی شاہد کے مطابق درۂ خیبر قبروں سے اٹا پڑا تھا — رشبروک ولیم، تصنیف مذکور، ص ۶۹ (بحوالہ ابو سلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر و دیگر (مرتبین) تحریکات ملی۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ "علم و آگہی" کی ۸۳-۱۹۸۲ء کی خصوصی اشاعت (مقالہ "تحریک ہجرت" از ڈاکٹر معین الدین عقیل) ص ۲۲۶ و حاشیہ ص ایضاً

سرپرست رہ گئیں، ہزاروں بچے سایۂ پدری سے محروم کردیے گئے، گاؤں کے گاؤں مسلمانوں نے آگ لگا کر خاکستر کردیے لاکھوں کی جائدادیں کوڑیوں کے مول ہندوؤں کے ہاتھوں بیچ دی گئیں۔ تقریباً ایک لاکھ مسلمان اپنے دیار و وطن املاک و جائداد سے دست بردار ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔" [2]

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے سید صاحب فرماتے ہیں:

"جہاد اور ہجرت ان دونوں اہم و اعظم مسئلوں کو جس طرح اس دور کے علماءِ سیاسی نے تباہ کیا ہے، تاریخ اسلام اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، مسلمانانِ ہند کا جو نقصان اس مدلّس و کاذب فتوے نویسی سے ہوا دیکھئے اُس کی اصلاح کیوں کر ہوتی ہے اور کتنا زمانہ چاہتی ہے۔" [3]

مندرجہ بالا اقتباس میں پروفیسر سید سلیمان اشرف مرحوم نے جہاں مذکورہ ہولناک صورتِ حال کی جانب توجہ مبذول کروائی تھی وہاں ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب نے تحریکِ ہجرت میں مسلمانوں کی ہجرتِ افغانستان کے اثرات کے بارے میں لکھا کہ "اس تحریک کے داعیوں نے غیر شعوری طور پر ہندوستانی مسلمانوں کو مزید ابتلا میں ڈال دیا۔ اس تحریک سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد متاثر ہوئی۔" [4]

مذکورہ بالا خطرات کے پیشِ نظر اور برِ عظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچانے کے لئے حضرت احمد رضا خاں بریلوی نے اسلامیانِ ہند کو بروقت آگاہ کیا۔ جناب محمد علی چراغ لکھتے ہیں۔ "اس نازک صورتِ حال میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مسلمانوں کی کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور انہیں صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے کسی ملک کے دارالحرب ہونے کے بارے میں وقیع اور اہم معلومات فراہم کیں۔" ان کے خیال میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کا پورا پورا حق تھا۔ انہوں

---

[1] تاریخ کی بعض کتب میں افغانستان ہجرت کرنے والوں کی تعداد اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) رقم ہے جو درست نہیں۔ ضیاء الدین احمد برنی "حیاتِ مولانا محمد علی جوہر" مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ کراچی (صفحہ ۱۸۸) میں لکھتے ہیں۔ "صحیح تعداد ہجرت کرنے والوں کی معلوم نہیں ہو سکی لیکن ۵۰ ہزار اور ۱۲ لاکھ کے درمیان ضرور تھی۔ اس پر علٰحدہ باب میں بحث کی گئی ہے"

[2] محمد سلیمان اشرف، پروفیسر۔ "النور" مطبوعہ مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، ص ۴۴

[3] محمد سلیمان اشرف، پروفیسر۔ "النور" علی گڑھ۔ اشاعت اول ۱۹۲۱ء، ص ۴۵

[4] ابوسلمان شاہجہاںپوری، ڈاکٹر ...... (مرتبین) تحریکاتِ ملی۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ "علم و آگہی" کا ۸۳-۱۹۸۲ء کا خصوصی شمارہ، (مقالہ "تحریکِ ہجرت" از ڈاکٹر معین الدین عقیل) ص ۲۲۵

نے ایک ہزار سال سے زیادہ کامیاب حکومت کی تھی۔" مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مسلمانوں کے اس حق سے دستبردار ہونے کے حق میں نہیں تھے۔اپنے اس موقف کی تائید کے لئے مولانا احمد رضا خاں نے ایک رسالہ "اعلام الاعلام" (اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام: ۱۳۰۶ھ) بھی لکھا تھا اور یہ واضح کیا تھا کہ ہندوستان "دارالحرب" نہیں ہے بلکہ "دارالسلام" (دارالاسلام) کا درجہ رکھتا ہے۔اس رسالہ کی جو روح ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کو غاصبانہ سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو یہ حق دیتے تھے کہ وہ بقدر استطاعت ملک کی آزادی کے لئے کوشش کریں۔ ملک کو دراصل دارالحرب قرار دے کر ترکِ موالات (ترکِ وطن) کر جانا ایک طرح کا کمزور احتجاجی عمل تھا اور اس طرح ترکِ موالات کر جانے سے مسلمان عملاً اپنے حق سے دست بردار ہو جاتے تھے۔ایسی صورت احوال ہندو لیڈروں اور کانگرس کے لئے زیادہ سودمند تھی۔وہ اس طرح حکمران انگریزوں سے کسی طرح کی سودے بازی کر سکتے تھے۔"[1]

پیشِ نظر کتاب "اثور" کے مطالعہ سے یقیناً اس دور کی تمام تحریکوں...... خلافت و ترکِ موالات اور ہجرت کا خاکہ سامنے آ جاتا ہے۔ان تحاریک پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ خصوصاً ہجرتِ افغانستان کے حوالہ سے تاریخ کی عام کتب میں چند سطور ہی ملتی ہیں۔تاہم ۱۹۸۶ء میں "تحریکِ ہجرت (۱۹۲۰ء) ایک تاریخ-ایک تجزیہ" شرح و بسط کے ساتھ اغلباً پہلی کتاب شائع ہوئی جو جناب راجا رشید محمود کی تالیف ہے، جس کے مطالعہ سے جہاں ہجرت کے مقدس نام پر ترکِ وطن کی ترغیب دینے والے سارے کردار سامنے آ جاتے ہیں وہاں ان تحریکوں پر جذبات کی شدت اور مذہبی غلو نے جو پردے اب تک ڈال رکھے تھے، بھی سرکتے دکھائی دیتے ہیں۔آج کا بیدار مورخ تو یقیناً جادۂ مستقیم پر گامزن رہنے والی بلند پایہ ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کرے گا اور ان کوششوں کی تحسین کرے گا، جن کی بدولت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اسلام کو ہند بدر کرنے کی سازشیں ناکام ہوئیں۔ پروفیسر محمد اسلم، سابق صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور لکھتے ہیں:

> "تحریکِ ہجرت کے دوران میں ہجرت کا فتویٰ بڑا نامعقول تھا۔ ہندو تو یہی چاہتے تھے کہ مسلمان اس ملک کو ہندوؤں کے حوالے کر کے عرب چلے جائیں۔
> میں سچا پکا دیوبندی ہونے کے باوجود کھلے دل کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس موقع پر مولانا احمد رضا خاں نے بڑی سمجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو ہجرت اور عدم تعاون سے باز رکھا۔انہوں نے حاکم علی پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور

---

[1] محمد علی چراغ۔ اکابرین تحریک پاکستان۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۲۹۰-۲۹۱

کے استفسار پر بڑے واشگاف الفاظ میں ان کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ
ترک موالات اور عدم تعاون کے باوجود انگریزوں سے مدارس کے لئے سرکاری گرانٹ لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ انگریز یہ رقم انگلستان سے لاکر ہمارے سکولوں اور کالجوں کو نہیں دیتے۔ بلکہ ہم سے ہی وصول کردہ ٹیکسوں میں سے گرانٹ دیتے ہیں لہٰذا یہ ہماری ہی رقم ہے، جو ہمیں دی جارہی ہے۔ یہ ان کا ہم پر کوئی احسان نہیں ہے۔ یہ ہمارا حق ہے جو ہمیں مل رہا ہے۔"[1]

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی طرح قائداعظم نے بھی مذکورہ تحریکوں کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ میاں عبدالرشید نے جو غیر جانبدار مورخ ہیں (روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۸رمئی ۱۹۷۵ء میں) "برطانوی دور میں برعظیم پاک و بھارت کی مسلم سیاست" کے زیر عنوان تبصرہ کرتے ہوئے علمائے اہلسنت کی دوراندیشی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"...... قائداعظم کی طرح انہوں نے بھی ترک موالات اور تحریک ہجرت کی مخالفت کی۔ یہ ملک ہمارے بزرگوں نے اپنا خون دے کر حاصل کیا تھا۔ ہم کیوں یہاں سے ہجرت کریں"۔ ان میں سے ایک نے کہا اور بعد میں حالات نے ثابت کیا کہ ان کا موقف درست تھا۔ تحریک ترک موالات اور ہجرت سے مسلمانوں کو

---

[1] محمد اسلم، پروفیسر۔ "تحریک پاکستان"۔ ریاض برادرز، لاہور۔ طبع اول ۱۹۹۵، ص ۲۰۵-۲۰۶

[2] اس سلسلہ میں عصر حاضر سے مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ دارالحرب کا تصور کس قدر غیر اسلامی اور سیاسی بصیرت سے عاری تھا۔ فلسطین پر صیہونیوں کے قبضہ کے بعد فلسطینیوں سے ان کے گھربار بھی چھینے گئے اور فلسطین سے انہیں دھکیلا گیا، لیکن انہوں نے ہجرت کا سہارا لینے کی بجائے بندوق بدست ہو کر فلسطین کی مقدس زمین کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد جاری کررکھی ہے۔

افغانستان پر جس طرح امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے جارحیت کرکے افغانیوں کو مقہور و مجبور کرکے غلام بنانے کی کوشش کی ہے مگر انہوں نے ہجرت کرنے کی بجائے جہاد کا رستہ اختیار کیا ہے۔ اور اب ہمارے سامنے مقدس عراق کی مثال ہے کہ جس بہیمیت اور جارحیت سے سرزمین عراق پر قبضہ کیا گیا اور جس قدر ان کی تذلیل ہو سکتی تھی وہ بھی کی جارہی ہے، لیکن انہوں نے ہجرت کرکے، ترک موالات کرنے کی بجائے جہاد اور فدائین کا رستہ اختیار کیا ہے اور نتیجہ ظاہر ہے کہ ویت نام سے امریکہ کو فرار اختیار کرنے کے لئے راستہ مل گیا تھا، مگر عراق کی سرزمین سے ہزیمت کے ساتھ بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور فلسطین پر قابض یہودیوں اور امریکیوں کا مقدر اہل عراق نے مخدوش کرکے رکھ دیا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں ترک موالات کے تجھیز علماء اور عراقی فدائین کے تقابل سے علامہ اقبال کے اس شعر سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ وہ (موالاتی علماء) مسلمان کی موت سے کس قدر خائف تھے۔

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر!

سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی گرفت مضبوط ہوئی۔"

الغرض یہ تحریک ہجرت ہماری ملی تاریخ کے ایک ہنگامی اور جذباتی دور کا ایک سبق آموز واقعہ ہے جس کی تہ تک پہنچے بغیر ہم اس دور کی صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب کا خیال ہے کہ تحریک ہجرت کے بارے میں اکثر مصنفین کے ہاں ابھی تک کچھ کنفیوژن پایا جاتا ہے اس لئے موصوف فرماتے ہیں۔ "اس ہجرت کے آغاز و انجام پر روشنی ڈالنا اور اس کی حقیقت تک پہنچنا از بس ضروری ہے۔" [1]

اسلامی احکام اور اصولوں کی خلاف ورزی

مولانا سید سلیمان اشرف نے اپنی تصانیف خصوصاً زیر نظر کتاب میں خلافت کی اہمیت کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مسئلہ خلافت کے ساتھ تمام مسلمانوں کو ہمدردی تھی۔ مولانا موصوف اسی موقف پر گامزن تھے، انہوں نے خلافت کی تائید وحمایت صراحت کے ساتھ کی تھی، لیکن ان کو تشویش اس بات پر تھی کہ تحریک خلافت کے دوران کانگریس، ہندو مسلم اتحاد کی تخم ریزی نہایت خطرناک طریقے سے کر رہی تھی۔ تحریک خلافت میں شامل کانگریسی عناصر یہ منصوبے رکھتے تھے کہ خلافت کے ادارہ کو قائم رکھنے کے جوش میں بپھرے ہوئے مسلمانوں کو ہلاکت کی ایسی وادیوں میں پھینک دیا جائے کہ ان کی قوت اور شکت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ ترک موالات کی اگلی صفوں میں بھی مسلمانوں کو لانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ بقول ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری، ترک موالات ۱۹۲۰ء کا سب سے اہم ملی مسئلہ تھا۔ نان کوآپریشن کے عنوان سے مولانا سید سلیمان اشرف نے ترک موالات پر پیش نظر کتاب میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جس سے مسئلہ ترک موالات کی ماہیت سمجھ میں آ جاتی ہے۔ بقول سید محمد فاروق القادری:

> "برصغیر کی تاریخ میں تحریک خلافت اور ترک موالات کو اچھی طرح جاننا اور سمجھنا اس دور میں اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ بعد میں قیام پاکستان اس کے اسباب اور عوامل کی ساری عمارت انہی تحریکوں کے فہم وادراک پر استوار ہوئی ہے۔" [2]

تحریک خلافت مسلمانوں کے لئے خالصتاً مذہبی تحریک تھی، کیونکہ وہ ترکی "خلافتِ عثمانیہ"

---

[1] دیکھئے۔ "تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء، پس منظر و پیش منظر" مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ بزم اقبال، لاہور۔ طبع اول ۱۹۹۷ء، ص ۳-۴

[2] ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۳ء تحریک خلافت و ترک موالات نمبر، ص ۱۶

کو قائم و دائم دیکھنا چاہتے تھے۔ تحریک خلافت بڑے نیک اور پاکیزہ مقاصد لے کر اٹھی، ان مقاصد میں سلطنت ترکی کی بحالی کے علاوہ مقامات مقدسہ و مآثر شریف کی حفاظت بھی شامل تھے۔ ان مقاصد کا تعلق براہ راست مسلمانوں سے تھا۔ برعظیم کی دوسری اقوام کو مذکورہ مقاصد سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس طرح مسٹر گاندھی کو ترکی خلافت اور ترکی سلطنت سے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی۔ تحریک خلافت، تحریک ترک موالات کی اساس تھی تحریک ترک موالات کے دوران میں گاندھی جی کی جانب سے تحریک خلافت کی جس انداز میں حمایت کی گئی، مسلمانوں نے سمجھا کہ گاندھی جی اسلام کے اس ستون کی حمایت کر رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا، جو شخص اسلام ہی کا مخالف ہو وہ خلافت تحریک کی حمایت کیسے کرے گا؟ خلافت کے تحفظ اور عدم تحفظ سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر ہم یہاں ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی صاحب کی کتاب ''مولانا محمد علیؒ اور جنگ آزادی'' سے ایک اقتباس نقل کرتے چلیں تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ تحریک ترک موالات کو ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت شروع کیا تھا۔ چنانچہ جناب صدیقی رقم طراز ہیں:

''۱۹۲۰ء میں ناگپور میں کانگریس کا اجلاس ہوا۔ اس کے لئے مولانا شوکت علی کے کہنے پر مسودہ گاندھی جی نے ریل میں مرتب کیا تھا۔ لیکن خلافت کانفرنس میں ترک موالات کی تجویز منظور ہو چکی تھی۔ جواہر لال نہرو نے لکھا ہے:

''۱۹۲۰ء میں سیاسی تحریک اور خلافت کی تحریک نے ساتھ ساتھ قوت پکڑی۔ دونوں ایک ہی راستے پر چلنے لگیں۔ آخر جب کانگریس نے گاندھی جی کا ترک موالات کا پُر امن اصول تسلیم کر لیا، تو دونوں بالکل مل گئیں۔ خلافت کمیٹی پہلے ہی یہ اصول تسلیم کر چکی تھی۔'' [1]

آگے جانے سے پہلے میاں عبدالرشید کی رائے ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

''پاک و ہند کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کو پوری طرح سمجھنے کے لئے مسٹر گاندھی کو سمجھنا ضروری ہے۔ شروع میں مسٹر گاندھی، کانگریس میں صف دوم کے لیڈر شمار ہوتے تھے، مگر انہوں نے مسلمانوں کی خالص اسلامی تحریک خلافت میں شامل ہو کر اسے اس طرح استعمال کیا کہ یہاں کے صف اوّل کے لیڈر بن گئے

---

[1] ظہیر علی صدیقی، ڈاکٹر۔ مولانا محمد علیؒ اور جنگ آزادی، سندھ ساگر اکادمی، لاہور ۱۹۹۹ء، ص ۹۸-۹۹

اور جب تک زندہ رہے یہاں کی سیاست پر چھائے رہے ...... تحریک خلافت بنیادی لحاظ سے پان اسلامزم کے حق میں تھی اس لئے اصولاً نیشنلزم کے خلاف تھی، مگر گاندھی جی نے بڑی چابکدستی سے اسے یہاں کے مسلمانوں میں نیشنلزم پھیلانے کے لئے استعمال کیا۔ دوسرے انہوں نے اس تحریک کے ذریعہ اگرچہ بظاہر ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگایا، لیکن بباطن اس اتحاد کو پارہ پارہ کیا کیونکہ اس تحریک سے پہلے اگرچہ کانگریس میں مسلمان بھی شامل تھے مگر وہ اپنے آپ کو ہندوؤں ہی کی نمائندہ جماعت کہتی تھی۔"[1]

ہندوستان کی تاریخ میں ہندو ہمیشہ مسلمانوں اور اسلام کا دشمن رہا ہے اور اس نے مسلمانوں کو مٹانے کے لیے کوئی دقیقہ کبھی فروگزاشت نہیں کیا۔ "بالخصوص غیر ملکی غلامی کے تاریک دور میں جب مسلمانوں کی تمام تر سرگرمیاں تقریباً مسجدوں کی چار دیواریوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں اور مسلمان توحید و رسالت کی اس امانت کو اپنے سینوں سے لگائے حکمران قوم کے لرزہ خیز مظالم برداشت کر رہے تھے، ہندو کی اسلام دشمنی کا جذبہ اور زیادہ قوی ہو چکا تھا۔ وہ اجتماعی سطح پر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اسلام کو ہند بدر کرنے کے لئے صبح و شام طرح طرح کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے، سیاسی سطح پر انہوں نے متحدہ قومیت کا ڈھونگ، کانگرس کی مدد سے اپنے تمام وسائل سے شروع کیا اور مسلمانوں میں یہ تأثر پھیلانا شروع کیا کہ درحقیقت مسلمان اور ہندو ایک ہی قوم ہیں اور ہندوستان میں صرف ایک قوم آباد ہے جسے ہندوستانی کہتے ہیں۔ یہ ہندو سامراجیت کی نہایت گہری سازش تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بحیثیت قوم ختم ہو جائیں اور ہندو اکثریت کا ایک بے اثر ضمیمہ بن کر رہ جائیں۔"[2] مولانا سید سلیمان اشرف نے النور کے ابتدائی صفحات میں جہاں ۱۸۵۷ء سے اپنے دور تک کی، ہندو لیڈروں کی شاطرانہ سیاست کا سرسری جائزہ لیا ہے وہیں اہل ہنود کی بعض اسلام دشمن کارروائیوں اور مسلمانوں پر ان کے مظالم اور جفاکاریوں کی جانب بھی اشارہ کیا ہے، لیکن اہل ہنود کی ان ناپاک کوششوں کا کس حد تک اسلامیانِ ہند پر اثر مرتب ہوا، مولانا موصوف نے لکھا:

"اشاراتِ صدر سے صرف اس قدر ثابت کرتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے شعارِ دین

---

[1] روزنامہ نوائے وقت، کالم نور بصیرت

[2] ماہنامہ "مسلم" (مجلۃ المکتبۃ العلمیہ لاہور) نظریۂ پاکستان نمبر (خصوصی شمارہ جون تا اگست ۱۹۷۰ء) ص ۶، مشمولہ مضمون از عنایت عارف بعنوان "نظریۂ پاکستان کے تاریخی پس منظر پر ایک نظر"

کی توہین اور ارکانِ مذہبی کے نیست و نابود کرنے میں اپنی پوری جسمانی، مالی اور دماغی قوت گوناگوں طور پر صرف کرنے میں پچاس برس سے مسلسل ساعی وکوشاں ہیں، لیکن علمائے کرام اور عامۂ مسلمین آج تک اُن کے دامنوں میں پناہ لینے سے اظہار بیزاری کرتے رہے۔''[1]

نیز بقول عنایت عارف...... ''مسلمان سوادِ اعظم نے اسلام کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا کیونکہ یہ حقیقت کسی تشریح کی محتاج نہیں تھی کہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں اسلام ہی مسلمانوں کی بقاء و سلامتی کا ضامن ہو سکتا تھا۔ اسلام کی عظمت عظمیٰ سے محروم ہو کر ان کے لئے پورے ہندوستان میں کہیں کوئی جائے پناہ باقی نہ رہتی۔'' لیکن تاریخ آزادیٔ ہند کا یہ دردناک پہلو ہے کہ ۱۹۱۹ء میں متذکرہ صورت حال یکسر بدل چکی تھی جب تحریکِ خلافت کے دوران ہندو مسلم اتفاق کے جوش میں اسلامی خصائص کو مٹایا جانے لگا، اسلام کی بنیادی تعلیمات سے انحراف شروع ہو گیا اور کفر کی بیباکی سے حمایت کی جانے لگی، اس دور میں مسلمانوں کی عصبیت اس طرح فنا کر دی گئی کہ معاشرتی وتمدنی امور کا کیا ذکر دینی امور میں کفار کی تقلید کمال ارادت وعقیدت سے ہونے لگی یہاں تک کہ ہندوؤں کے متعلق احادیث وآیاتِ قرآنیہ پیش کی جانے لگیں جن سے مسلمانوں کے کان کبھی آشنا نہ ہوئے تھے۔ اسلامی اصولوں اور احکام کی خلاف ورزی کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں آپ دیکھیں گے کہ ایسی ہندو پرستی کا سُراغ تو اکبری دور میں بھی نہیں ملتا۔

۱۔ کفارِ ہند کو اہلِ کتاب قرار دیا گیا۔

۲۔ اپنے ناموں کے ساتھ پنڈت لکھوایا، مجمعوں میں اپنے مسلمان ہونے کا انکار کیا اور یہ دعا کی گئی کہ اگر میں کوئی مذہب تبدیل کروں تو سکھوں کے مذہب میں داخل ہوں۔

۳۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی ٹکٹیاں کاندھوں پر اُٹھائیں، ارتھیوں کو کندھا دیا اور ان کے ساتھ ''رام رام ست'' کہتے ہوئے مرگھٹ تک گئے۔

۴۔ ہنود سے یک رنگی کے لئے پیشانیوں پر قشقے لگائے۔

ع قشقہ بھی کیا ترکِ مُسلمانی کی

۵۔ سیو اسمتی کے پرتلے گلوں میں ڈالے۔

۶۔ دسہرے میں شریک ہوئے، سنکھ (ناقوس) بجائے۔

---

[1] محمد سلیمان اشرف، سید۔ النور، اشاعت اول علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۳

۷- ہندوؤں کی جانب سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ مسلمان، رام چندر جی کی لیلا رچائیں اور ہندو محرم منائیں، مسلمان رضا کاروں نے رام لیلا کا بندوبست کیا۔

۸- گنگا و جمنا (عبادت گاہ مشرکین) کی زمین کو مقدس زمین کہا گیا اور

۹- اس سرزمین پر ترک چڑھ آئیں تو ہم اُن پر بھی تلوار اُٹھالیں۔

ع "گر ترک آیند تیغ گیریم بدست"۔

۱۰- دینِ الٰہی کی طرح ایسا نیا دین نکالنے کی فکر کی گئی جو مسلم اور ہندو کا امتیاز اُٹھادے اور جس میں سنگم[1] و پریاگ (معابد مشرکین) ایک مقدس علامت قرار پائے۔

۱۱- مشرکین کی موت پر سوگ منایا گیا۔

۱۲- مشرک میت کے لئے مسجدوں میں دعائے مغفرت[2] کی گئی۔

۱۳- مسجدوں میں مشرکوں کی تعزیت کے لئے جلسوں کا انعقاد کیا گیا۔

۱۴- مسلمان مقرر ویدوں کے منتروں سے تقریر کا آغاز کرتے اور ہندو بزرگوں کی تعریف کرتے۔

۱۵- تین نعرے بیک زبان پکارے جاتے، نعرۂ تکبیر ہندوؤں کی زبان پر جاری ہوتا، بندے ماترم مسلمان پکارتے، ست سری اکال کی طویل اور گمبھیر گونج میں تینوں قوموں (ہندو، مسلمان اور سکھ) کی آوازیں شامل ہوتیں۔

۱۶- نیز مسلمان اور ہندو یہ نعرہ بلند کرتے

مندر میں اذاں دلوا دیں گے مسجد میں ناقوس بجا دیں گے

۱۷- مسلمانوں نے مندروں میں دعائیں مانگیں۔ مسلمان خود مندروں میں گئے، مساجد چھوڑ کر وہاں نمازیں پڑھیں۔

---

[1] الہ آباد کے نزدیک وہ مقام جہاں دریائے گنگا و جمنا ملتے ہیں، تیسرے دریائے سرسوتی کا سنگم زمین کے نیچے مخفی طور پر ہے اور ہندو اس جگہ کو متبرک و مقدس سمجھتے ہیں۔ ہر بارہ سال کے بعد وہاں زبردست میلہ لگتا ہے جس کو کمبھ کا میلہ کہا جاتا ہے (حاشیہ "تنقیدات و تعاقبات" ص ۱۱۰؛ "ہندی اُردو لغت" ص ۱۱۷۸ اور ۲۰۵)

[2] بال گنگا دھر تلک کی موت کے غم میں بروز دسواں جامع مسجد میں ننگے سر جمع ہو کر اس کے لئے دعاء و فاتحہ اور مغفرت کے لئے اشتہار تقسیم کیا گیا۔ مدیر معارف سید سلیمان ندوی نے مسٹر تلک کے انتقال پر شذرات میں تعزیت کی ہے اور اس کو افسوس ناک قرار دیا ہے (دیکھئے۔ تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء ص ۱۳۰ بحوالہ معارف (اعظم گڑھ) ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۱۶۳ اور محمد جمیل الرحمن: پاسبان مذہب و ملت (تحقیقات ثلاثہ) مطبوعہ بریلی ۱۹۲۰ء، ص ۳۱)

۱۸- ہندوؤں نے مسلمانوں کو چندن کا ٹیکہ لگایا۔

۱۹- ہندو اور مسلمان ایک ہی مٹکے سے پانی پیتے کہ بعض جگہ ایک دوسرے کا جھوٹا پانی پیا۔

۲۰- ستیہ گرہ کے دن مسلمانوں نے مہاتما گاندھی کے حکم سے روزہ رکھا۔

۲۱- قرآن کریم کی توہین کی گئی، وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا۔

۲۲- قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جا کر دونوں کی پوجا کرائی گئی۔

۲۳- اللہ عزوجل کو رام اور خدا کی قسم کی جگہ رام دوہائی کہنا جائز بتایا گیا۔

۲۴- ایک ڈولہ (جسے "سنگاسن" کہتے ہیں) میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے، جس میں بھجن گاتے، ڈھول وجھانجھ بجاتے مسلمان شریک ہوئے۔

۲۵- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا گیا۔

۲۶- مسلمانوں نے ہولی کھیلی۔

۲۷- ہولی کے سوانگ میں، ہندوؤں سے اتحاد بنائے رکھنے کی خاطر، معظمانِ اسلام کی توہین و تحقیر سُنی گئی۔ گنگا پر پھول اور بتاشے چڑھائے گئے۔ رام لچھمن پر پھولوں کا تاج رکھا گیا، بتوں پر ریوڑیاں چڑھائی گئیں، ہار پھولوں سے انہیں آراستہ کیا گیا۔

۲۸- ہندو لیڈروں کو مختلف مساجد میں لے گئے، منبروں پر بٹھایا۔[۱]

۲۹- دہلی کی جامع مسجد میں سوامی شردھانند[۲] جیسے دشمنِ اسلام کو منبرِ رسول پر بٹھا کر تقریر کرائی گئی[۳]

---

[۱] "خاص خانہ اور توحید کے مکان (یعنی مساجد) میں مبلغ کی حیثیت سے ہندو کو سربلندی بخشنا اس صدی (گزشتہ صدی) کے مدعیانِ اسلام کا خاصہ ہے۔" (محمد سلیمان اشرف، سید۔ "الارشاد" مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۰ء، ص ۱۶)

[۲] یہ وہی شخص ہے جس نے ارتداد کی مہم چلائی اور بالآخر دہلی میں ایک مسلمان عبدالرشید نے اس کو قتل کر دیا۔

[۳] "یہ اپنی نوعیت کا غیر معمولی اور نادر واقع تھا۔ جامع مسجد میں بھگوے کپڑوں میں ملبوس کسی (غیر مسلم) سنیاسی کا مسلمانوں سے خطاب کرنا...... ایسا نہ کبھی اس سے قبل دیکھنے سننے میں آیا تھا، نہ اس کے بعد کبھی ایسا ہوا"۔ (مالک رام۔ "کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۳)

کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ بھارت کے مشہور صحافی اور کالم نگار جناب خوشونت سنگھ لکھتے ہیں۔ "اس وقت کی یاد تو ابھی (اب) بھی تازہ ہی ہے۔ جب مسلمانوں نے سوامی شردھانند جیسے ہندوؤں کو جامع مسجد (دہلی) کے اندر سے اپنی تقریبات کو خطاب کرنے کے لئے مدعو کیا تھا۔ ایک وقت تھا۔ جب مسجدوں کے پاس سے ہندو اور سکھوں کا جلوس نکلتا تھا تو سدبھاؤنا کا اظہار کرنے کے لئے مسلمان ان کو مالائیں پہناتے تھے۔ میں نے گورو نانک کے جنم دن پر ایک ایسا جلوس بھی دیکھا ہے۔ جس کی قیادت سب کی سب مسلمان لڑکیوں کے ایک جتھے نے کی تھی"۔ (روزنامہ "ہند سماچار" جالندھر، ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۳، کالم ۱-۲)

وہاں اس کی تصویریں کھنچوائیں جس کے فوٹو لے کر ہندو مبلغ یو۔ پی کے طول و عرض میں پھیل گئے اور دور افتادہ علاقوں میں جا کر ہزاروں مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ دیکھو سوامی جی مسجد کے منبر پر اس لئے بیٹھے ہیں کہ تمام مسلمان ہندو ہو گئے ہیں۔ ان تصاویر کو دیکھ کر بہت سے مسلمان اسلام سے منحرف ہو گئے۔

۳۰- گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھر پر آویزاں کیا گیا۔

۳۱- ہنود کو خوش کرنے کی خاطر گائے کی بجائے بکری کی قربانی کا فتوی دیا گیا۔

۳۲- گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہرایا گیا اور کھانے والوں کو کمینہ بتایا گیا۔

۳۳- گائے کی قربانی کو مثل سؤر کہا گیا۔

۳۴- قربانی نہ چھوڑنے والے مسلمانوں کی ناحق تکفیر کی گئی اور ان کے ذبیحہ کو ممنوع قرار دیا گیا۔

۳۵- گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاوے اونٹوں کی پشت پر سے تقسیم کئے گئے۔

۳۶- ہزاروں مسلمانوں نے قربانی گاؤ سے احتراز کیا۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے گائیں چھین کر ہندوؤں کو دے دیں۔ قصابوں کو ذبیحہ گاؤ سے روکا گیا۔ رضا کاروں نے چھری کے نیچے سے قربانی کی گایوں کو چھڑایا اور اگر ہو چکی تو اس کو بے کار کر دیا۔

۳۷- نیز قربانی کی گایوں کو زبردستی چھین کر ان کو گئوشالہ پہنچایا گیا۔

۳۸- ہندوؤں کی خوشنودی کو (معاذ اللہ) رضاءِ الٰہی سے تعبیر کیا گیا۔

۳۹- جن مشرکوں نے گائے کے پیچھے مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا جلایا، اتحاد ہنود منانے کے لئے ان کی رہائی کے لئے درخواستیں دی گئیں، ان کی رہائی کے لئے رزولیشن پاس کئے گئے۔

۴۰- مسلمانوں کو ناحق قتل کرنے والوں کو مسلمان لیڈروں نے سزا سے بچایا۔

۴۱- مہاتما گاندھی کی جے پکاری گئی، گئو ماتا کی جے بلند کی گئی۔

۴۲- یہ بھی کہا گیا کہ "زبانی جے پکارنے" سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ ہندو بھائیوں کی رضا میں خدا کی رضا بتایا گیا۔

۴۳- گاندھی کو حقیقی بھائی بتایا گیا اور اس عمل کو نیکی میں شمار کیا گیا۔

۴۴- جہاں قرآن و حدیث میں بسر کی ہوئی عمر کو بت پرستی پر نثار کیا گیا وہیں مسٹر گاندھی کو پیش رو تسلیم کر کے اپنے کو ایک کافر کا پس رو بتایا گیا۔ چنانچہ ایک جلیل القدر عالم نے کہا۔

عمر یکہ بآیات واحادیث گزشت رفتے وشار بت پرستی کردی

۴۵- مسٹر گاندھی کو "مہاتما"[1] کا خطاب دیا گیا۔ خدمتِ دین کی بدولت گاندھی کے مرتبہ کو تسلیم کیا گیا۔

وہ مرتبہ گاندھی کو ملا خدمتِ دیں سے مُسلم کو بھی ہے رشک کہ کافر نہ ہوا تھا[2]

۴۶- گاندھی کو روحانی فرشتہ قرار دیا گیا۔

۴۷- بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، گاندھی جی ہی کے احکام کی متابعت کو ضروری سمجھا گیا۔

ع "بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر"

۴۸- جہاں تحریکِ ترکِ موالات کو سیاسی مفتیوں کی جانب سے ایمانیات کا درجہ دیا گیا وہاں جمعیت العلما کی جانب سے ان کی بات نہ سُننے والوں کو کافر، منکر و منافق، یزیدی، ملعون اور جہنمی تک کے خطابات سے نوازا گیا۔

۴۹- اسلامی درس گاہوں کی بندش کا مقابلہ کرنے والوں کو بدنام کرنے کی غرض سے بعض مسلم راہنماؤں پر قادیانی ہونے کی تہمت لگائی گئی۔

۵۰- ترکِ موالات کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے اخبار و رسائل میں جھوٹی خبروں کی اشاعت کرائی گئی تھی کہ ملتِ اسلامیہ کے بہی خواہ رہنماؤں کی جانب سے من گھڑت مراسلے شائع کروائے۔

۵۱- فتویٰ ترکِ موالات کی ضبطی پر علمانے مہاتما گاندھی سے مشورہ و استصواب کیا کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟

ع آگے تمہارے رنگ کسی کا نہیں جما

۵۲- بار بار اس بات کا اعلان کیا گیا کہ "گاندھی مستحقِ نبوت تھا" اور

۵۳- یہ کہا گیا کہ "اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا۔"

۵۴- یہ بھی کہا گیا کہ امام مہدی کی جگہ امام آخر الزماں امام گاندھی کا ظہور ہوا ہے۔

---

[1] مہاتما کے معنی ہیں "روحِ اعظم" جو خاص لقب سیدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہے۔ مشرک کو اس سے تعبیر کرنا صریح مخالفت خدا اور رسول ہے۔

[2] روزنامہ زمیندار، لاہور ۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء

گاندھی سے عقیدت نے آنکھ پر ایسی ٹھیکری رکھی کہ اسلام اور کفر کا امتیاز تک نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اور اخبارات کے صفحاتِ اوّل پر ایسے شرمناک اشعار چھپنے لگے۔ (ظہور)

۵۵- مزید کہا گیا کہ خدا نے مسٹر گاندھی کو مسلمانوں کے لئے مذکر بنا کر بھیجا، قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا مدبر کر کے بھیجا ہے۔
۵۶- گاندھی کو مسیحا، دلوں کا حاکم اور مردہ قوم کو جلانے والا، آبِ حیواں (آبِ حیات) پلانے والا، بے کسوں کا حامی اور یاور، گمراہوں کا رہبر، محبت دار اور پاک دل کہہ کر اس کی مدح کی گئی۔
۵۷- نیز انہیں مرد پختہ کار، حق اندیش، باصفا، مرد میداں اور درویش خُو کے القاب دیے گئے۔
۵۸- جمعہ کے خطبہ اردو میں خلفاءِ راشدین اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بجائے گاندھی کو ''مقدس ذات''، ''پاکیزہ خیالات''، ''ستودہ صفات'' قرار دے کر اس کی تعریف کی گئی۔
۵۹- حتیٰ اُس کی تعریف کو مثل ثناءِ الٰہی ٹھہرایا گیا کہ ''خاموشی از ثناءِ تو حدِ ثناءِ تُست''۔
۶۰- خلافت ترک کے منکر کو کافر و خارج از اسلام کہا گیا، لیکن خلافتِ صدیق و فاروق کے منکروں کو مسلمان جانا۔
۶۱- یہ بھی کہا گیا کہ حبل اللہ (خدا کی رسی) کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے سے اگر دین نہیں تو دنیا ہمیں ضرور مل جائے گی۔ [1]

بات تحریکِ خلافت سے چلی اور کہاں تک پہنچی؟ ___ مسٹر گاندھی کی سیاست کی ساحری نے مسلمانوں کو کس حد تک مسحور کر دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی سوچنے کی قوت ہمیشہ کے لئے سلب ہو چکی ہے اور اس وقت مسلمانوں میں ایک قسم کا جنوں سا پھیل گیا تھا، اس نے خود ہندوؤں کو بھی حیرت واستعجاب میں ڈال دیا کیونکہ بقول موہن لعل بھٹناگر، ایڈیٹر درپن (لاہور) ''مسلمانوں نے مہاتما جی پر وہ اعتبار اور یقین دکھلایا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ مہاتما جی خلافت کے لیڈر اور خلافت کمیٹی کے رہبر بن گئے۔'' [2] چودھری سردار محمد خاں لکھتے ہیں۔ ''اگر گاندھی جی تحریکِ خلافت کی قیادت نہ کرتے تو کانگریس مضبوط کیسے ہوتی۔ مسلم لیگ کی ساکھ کیسے بگڑتی۔ ان کے سامنے تو یہ پروگرام تھا جس میں انہیں پوری کامیابی ہوئی۔ مسلمان کے سامنے اب کوئی سیاسی نصب العین نہ تھا اس کے سامنے کوئی منزل نہ تھی۔ وہ منتشر لوگوں کا ایک آوارہ گروہ تھا، جو اپنی قومی وحدت کھو چکا تھا۔ وہ صرف ہندوؤں کے رحم و کرم پر تھا۔ درحقیقت گاندھی جی نے ہندوؤں کے لئے وہ کام کیا جو

---

[1] فہم اسلام کی ''شان'' ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے قول پر شک وشبہ کا اظہار کر رہے ہیں اور ''ایمان'' پھر بھی قائم ہے۔ (ظہور)

[2] ماہنامہ ''درپن'' لاہور۔ کانگریس نمبر دسمبر ۱۹۲۲ء، جلد ا شمارہ ۷، ص ۲۲۶

ان کے ہزاروں رہنما بھی نہ کر سکے، نہ صرف یہ بلکہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی مرکزیت کو فنا کروایا، مسلمان کی قومی وحدت اور ملی تشخص پارہ پارہ ہوا، یہ وہ زمانہ ہے جہاں سے ہمارے لاتعداد بھائی کعبہ سے منہ موڑ کر سمائے وارد ھا کے الہامات پر یقین کر کے اسلام اور کفر کے غیر فطری امتزاج سے رسوائے عالم متحدہ قومیت کا خمیر تیار کرتے نظر آتے ہیں۔ مسلمانانِ ہند کے سب سے بڑے دانا دشمن مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی نے ان کے جسد قومی میں ایسا زہر بھرا جس کا اثر ابھی تک (آج تک) مکمل طور پر زائل نہیں ہو سکا۔" کیوں کہ ڈاکٹر معین الدین کے بقول...... ہندوستانی مسلمانوں میں اپنی قومیت کے تعلق سے شکوک و شبہات اسی وقت کی یادگار ہیں اور بقول چودھری خلیق الزمان...... تحریکِ خلافت کے خاتمہ کے بعد کچھ لوگ کانگریس کی طرف اس عقیدہ کے ساتھ ڈھل آئے کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں تحفظ صرف نیشنلزم میں ہے، نیز ڈاکٹر وحید قریشی کے بقول...... بعض کانگریس کے تصورِ وطنیت کو اپنا کر نیشنلسٹ مسلمان کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے...... معاشرتی زندگی کا یہ تضاد مسلمانوں کو عجیب و غریب صورت حال سے دوچار کر چکا تھا، تعلیم یافتہ مسلمان دو حصوں میں بٹ چکے تھے۔

تحریکِ خلافت جس نہج پر چل نکلی تھی اس کا نتیجہ یقینی طور پر مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت نقصان کا باعث تھا۔ مسلمانوں نے ہندوستان پر سات سو (۷۰۰) سے زائد سال تک حکمرانی کی تھی۔ ہزاروں علماء اس خاکِ ہند سے پیدا ہوئے، لیکن ان طویل مدوسال میں ایسی کوئی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی کہ علماء نے ہندوؤں کو مسلمانوں کا رہبر بنا دیا ہو۔ کوئی بتائے کہ کس صدی کے علماء نے کفارِ ہند کو اہلِ کتاب قرار دیا؟ یہ ہندو پرستی تو انہی مدعیانِ علم کے لیے مخصوص تھی جنھوں نے مذکورہ دور میں مشرکینِ ہند سے یگانگت کی خاطر، اسلامی خصوصیات و امتیازات کو مٹا ڈالا، طرح طرح کی خرافات اپنائیں اور اسلامی شعائر کو بند کرنے کی کوششیں کیں، جمعیۃ العلماء کے جری فاضلوں نے ہندوؤں سے وداد و اتحاد کے جواز پر آیات چسپاں کرنا شروع کر دیں، خلافتِ اسلامیہ قائم کرنے کے لیے کانگرس سے امیدیں وابستہ کیں اور ہندو کی حمایت کو اپنا شعار بنا لیا، اور اس طرح مسلمانوں کو بحیثیت قوم برباد کر کے رکھ دیا۔ مسلمان، انھیں بطور مسلم راہنما، اپنا خیر خواہ سمجھتے تھے۔ اگر ہندو ان کا واسطہ اختیار نہ کرتے تو مسلمان ہرگز ان کے جال میں نہ پھنستے۔ ان پر اعتماد اور بھروسا ہی مسلمانوں کو لے ڈوبا۔ ترکی کی حمایت اور حرمین طیبین کی اعانت

لے سردار محمد خاں، چودھری۔ حیاتِ قائدِ اعظمؒ، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۹ء ص ۱۶۸-۱۸۱ (ملخصاً)

کے نمائشی مرثیے پڑھ پڑھ کر یہ لوگ خیر خواہی اسلام اور درد ملت کا یقین دلاتے اور اُن کے اعتبار کا خون کر کے ہندوؤں کی خواہشیں پوری کرتے رہے۔[1]

الغرض ہندو مسلم اتحاد کے پردے میں، گاندھی کی نقاب پوش سیاست نے جو گل کھلائے اس کے نتیجے میں مسلم لیڈروں کا 'کفر و کافر میں ادغام' عمل میں آیا، یہ تھا گاندھی جی کے اتحاد کا نتیجہ جس کے متعلق وہ کہتے تھے کہ ایسا موقع شاید ایک صدی میں بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ گاندھی نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ وہ اتحاد کو ادغام میں بدل کر متحدہ قومیت کا خمیر تیار کر چکے تھے۔ بعض مسلمان زعما، عملاً ہندو تہذیب کی غلامی کے راستے پر گامزن ہو چکے تھے اور مسلم عوام اس سیلاب میں بہ نکلے ـــــ ''گاندھی بھگت ہو کر تقویٰ و دیانت، حیا و غیرت، عقل و انسانیت سب گنگا بُرد ہو گئے''۔ مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو سیاسی، دینی اور تہذیبی اعتبار سے قلاش کر کے رکھ دینے کے جو منصوبے تیار کیے، اس میں نام تو خلافت کا تھا اور کام سوراج کا تھا۔ گاندھی نے کس دور اندیشی سے مسلمانوں کو اپنا اور اپنے مذہب کا گرویدہ بنالیا۔ بہت کم زعما، اس دور میں چلائی جانے والی تحریکات کے مضمرات اور ہندو قیادت کے اصل ارادوں سے بروقت آگاہ ہو سکے۔

مولانا سلیمان اشرف نے نہ صرف تحریراً بلکہ تقریراً بھی مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کا فریضہ بطریق احسن سرانجام دیا اور مذکورہ طوفانی اور ہیجانی دور میں اس انجام سے بچانے کی پوری سعی کی، جس سے گاندھی کی گہری سیاست انہیں دوچار کرنا چاہتی تھی۔ دریں حالات خصوص مسلمانوں پر یہ واضح کیا جانا ضروری تھا کہ ''متحدہ قومیت'' کا تصور محض سیدھا سادہ تصور نہ تھا، اس کی جڑیں بہت گہری تھیں ـــــ دراصل دو فلسفوں کا کھلا تصادم تھا ـــــ ''شرار بولہبی''، ''چراغ مصطفوی'' سے آمادۂ پیکار تھا ـــــ ایک طرف ''فلسفہ گاندھی'' تھا تو دوسری طرف ''فلسفہ محمدی'' (علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام)ـــــ

ایسے میں مولانا سید سلیمان اشرف نے مسٹر گاندھی کی ''مہاتمائیت'' کا طلسم توڑ کر، مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچایا، ان کے ایمانوں کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھا۔ وہ زیر نظر کتاب میں اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر ماتم فرماتے ہیں، جس سے ان کے قلبی کرب کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز جمعیۃ العلما کے سیاسی مفتیوں، اکابر اور لیڈران، جو ہندوؤں سے

---

[1] دیکھئے۔ حامد رضا خاں قادری، مفتی الشاہ محمد۔ خطبۂ صدارت جمعیت عالیہ آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ مطبع اہلسنت بریلی۔ بار اول ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء

محبت اور دوستی کا دم بھرتے تھے، کے بیسیوں اقوال و افعال (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) پر طنز کے بھرپور وار کرتے ہیں۔ ذیل میں "النور" سے کچھ اقتباسات دیکھئے:

"اے سرمستان بادۂ لیڈری ذرہ (ذرا) ہوش میں آ کر ہمیں بتاؤ کہ تم سوراج[1] کے لئے اٹھائے گئے تھے یا خلافت کے لئے تم نے ہنداؤں (ہندوؤں) کو آمادہ کیا تھا، تم اسلام کے نشر و تبلیغ کا علم لے کر بڑھے تھے یا کفر و شرک کی حکومت قائم کرنے کی غرض سے یہ لشکر آرائی کی گئی تھی، اسلام کی حقانیت اور ارکان اسلام کا غیر مسلم کو گرویدہ بنانا تمہارا نصب العین تھا یا خود کفر و شرک کے جال میں پھنس کر، آزادیٔ ہند کا ترانہ سنانا مقصود و مطلوب تھا۔"[2]

آگے چل کر، مسٹر گاندھی کی مکر آمیز پالیسی اور تحریک خلافت کے مسلم لیڈروں کی اپنی منزل مقصود سے بے خبری پر مولانا سلیمان اشرف یوں نوحہ کناں ہیں:

"لا الٰہ الا اللہ، گاندھی نے کس حسن تدبیر سے مسلمانوں کو اپنا اور اپنے مذہب کا غلام بنالیا۔ ایک برس بھی گزرنے نہ پایا، جو حمایت خلافت سے نہ صرف ہندو دست کش ہو گئے بلکہ اُس عیارانہ چال سے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں نے مسئلہ خلافت کو دھکے دے کر پس پشت ڈال دیا۔ خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کی جگہ گاندھی کو دی گئی، اب یہ مدعیان اسلام اسی کی کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے گاندھی کی محبت و عظمت سے کوئی قلب مومن خالی نہ رہنے پائے۔

کوئی امام مہدی علیہ السلام کا مثیل کہتا ہے، کوئی یہ کہتا ہے کہ نبوت اگر ختم نہ ہو گئی ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا، یعنی نبوت کے ماتحت جو سب سے بڑا رتبہ و منصب ہو سکتا ہے وہ گاندھی کا ہے، کوئی اپنے کو پسرو گاندھی کا کہتا ہے اور اسلام کی نجات کا اسی کے ہاتھوں سے یقین رکھتا ہے۔

مسلمان اپنی (اپنے) کانوں سے سنتے ہیں، آنکھوں سے اخبارات میں یہ مضامین دیکھتے ہیں، پڑھتے ہیں، پھر بھی عالم وجد و تواجد میں آ کر واہ ہمارے

---

[1] "سوراج" یا "سو تراجیہ"۔ اپنا راج۔ حکومت خود اختیار۔ ہوم رول۔ (قائد اللغات، ص ۵۹۵)
گاندھی جی کو اس اصطلاح پر بے حد اصرار تھا۔ (ظہور)

[2] محمد سلیمان اشرف۔ النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، ص ۳۶

لیڈرو، شاباش ہمارے لیڈروں کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔" [1]

اس کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف، مسلمانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے، ان کی توجہ اس جانب مبذول کرواتے ہیں کہ ان کے لیڈروں نے کس طرح اپنے طرزِ عمل سے، کانگریس جو پہلے ایک بے جان جسم کی مانند تھی، ہنود کو تحریکِ خلافت میں شامل کر کے، کانگریس میں جان ڈال دی کیونکہ مسلمانوں کے مذہبی ولولے نے کانگرس کی عدم تعاون کی تحریک کو اتنی قوت دی کہ "کانگرس نے ایک سال میں وہ کچھ کر دکھایا، جو ہندو کانگرس چالیس سال میں بھی نہیں کر سکی تھی۔" چنانچہ آپ مذکورہ صورتِ حال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فرزندانِ اسلام!...... ہندوؤں نے تمہارے لیڈروں کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا کر کس سہولت و نرمی سے آہستہ آہستہ اُنہیں اپنے نقطۂ خیال پر اُتار لیا، لفظ سوراج جس سے لاکھوں کان آج تک ناآشنا تھے، خلافت کے عوض کس جوش سے وہ ہر ایک زبان پر جاری ہے۔ گاندھی جس کا نام تک پانچ برس قبل ہندوستان کے کسی مسلمان کے علم میں بھی نہ تھا، خلیفۃ المسلمین کی جگہ آج اُس کے تقدس و عظمت کے فسانے کس کمال عقیدت سے مستورات تک میں کہے جاتے ہیں۔" [2]

مولانا سلیمان اشرف نے زیرِ نظر کتاب میں جہاں خلافت کمیٹی کے زعماء اور اس دور میں چلنے والی تحریکوں (خلافت و ترکِ موالات) کے سربرآوردہ حضرات کے منفی کردار کا ذکر کیا ہے۔ وہیں جمعیۃ العلماء (مسلمانوں کے علماء کی جمعیت) کے فضلائے یگانہ، جنہیں اپنی مجالس کو کفار و مشرکین سے پاک کر کے اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو کر اصولِ اسلام کی پاسداری کرنی تھی اور مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا تھا، انہوں نے بوجوہ مذکورہ محرمات و کفریات کے ارتکاب پر سکوت اختیار کیا اور اس جانب توجہ مبذول کروانے کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوئے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ ہندو پریس نے اپنی مطلب برآری اور "متحدہ ہندی قومیت" کے پرچار کے لئے جمعیۃ العلماء کے سرکردہ حضرات کو بھاری بھرکم خطابات سے نواز کر اندھا کر دیا جبکہ وہ سیاسی بصیرت اور فراستِ مومنانہ سے تو وہ پہلے ہی یکسر خالی تھے۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان اشرف "علمائے سوء کی ہندو پرستی" کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں کہ

---

[1] النور، ص ۳۶-۳۷

[2] النور، ص ۳۷-۳۸

"ان علماء کا کیا ذکر خود اس عالم کو لیجئے جسے لیڈروں نے شیخ الہند کا لقب دے کر ایک عجیب وغریب ہستی ثابت کیا ہے۔ اُس کے قلم میں بھی یہ قوت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اُن افعال خبیثہ کی شناعت ومعصیت بتا سکے...... قشقہ لگایا گیا، علماءِ سیاسی خاموش رہے، کافر کی ٹکٹکی اُٹھائی گئی، علماءِ سیاسی خاموش رہے۔ کافر کا ماتم سروپا برہنہ ہو کر کیا گیا، علماءِ سیاسی خاموش رہے۔ رام لچھمن پر پھولوں کا تاج رکھا گیا، علماءِ سیاسی خاموش رہے۔ گاندھی کی جے پکاری گئی، گئو ماتا کی جے بلند کی گئی، علماءِ سیاسی خاموش رہے۔ حد یہ کہ گاندھی کو کہا گیا کہ 'اگر نبوۃ ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا' ، علماءِ سیاسی اب بھی خاموش رہے۔ اس خاموشی سے شیخ الہند بھی مستثنیٰ نہ ہو سکے۔ اگرچہ خادمانِ اسلام تقریراً و تحریراً انہیں اعمال کفریہ پر بیدار بھی کرتے رہے، لیکن پھر بھی کسی عالم سیاسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی، جو وہ چالیس اعمال واقوال کفریہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی اپنے قلم کو جنبش دیتا، تا آنکہ بماہ نومبر (۱۹ رتا ۲۱ رنومبر) ۱۹۲۰ء دہلی میں جلسہ جمعیۃ العلماء منعقد ہوا، وہاں یہ مسائل کسی نے پیش بھی کیے، لیکن یہ کہہ کر کہ مصلحت وقت اس کی مقتضی نہیں بات ٹال دی گئی، حالاں کہ اُس اجلاس کی کرسیِ صدارت ایک عالم ہی کی نشست کا فخر رکھتی تھی۔"[1]

الغرض مولانا سید سلیمان اشرف نے مسلمانوں کے دلوں میں گاندھی کی عظمت ومحبت پیدا کرنے والے لیڈروں کا بھرپور تعاقب کیا ہے اور یہ جتایا ہے کہ مذہب کی حقیقت اور وقعت ان کے نزدیک کس قدر تھی، دین ومذہب کا نام کیوں لیا جاتا تھا، ہنود کے ساتھ انہیں کیسی عقیدت و ارادت تھی۔ چونکہ علما کا یہ انبوہ حقیقت پسندی کی جانب مائل نہ ہوا اور شریعت اسلام کا حکم سنانے اور جادۂ مستقیم پر گامزن رہنے والوں پر نوع نوع کی الزام تراشی پر اتر آیا، جب اس سے بھی نہ بن آئی، تو پھر اپنی حرکات وسکنات پر گرفت کرنے والوں پر 'تکفیر' کا حربہ آزمایا۔ چنانچہ درج ذیل اقتباس میں مولانا موصوف نے "النور" میں جہاں واقعات وکیفیات کی تصویر کشی کر کے مستقبل کی تاریخ سے سوال کیا ہے وہیں مسلمانوں کو ناحق کافر ٹھہرانے والوں کی خبر لی ہے۔ ایک ایک لفظ سے مولانا کی دردمندی اور ملی حمیت جھلکتی نظر آتی ہے۔

"......ایمان سے کہئے یہ جمعیۃ العلماء ہے یا اُمتِ گاندھی کا حلقہ، یہ اسلام اور

---

[1] سلیمان اشرف، سید محمد۔ النور، ص ۱۵۱-۱۵۲

شارع علیہ السلام کی طرف اللہ کے بندوں کو دعوت دے رہی ہے یا گاندھی کی نبوت تسلیم کرا رہی ہے۔ یہ حضرات اسلام کی دردمندی میں انگریزوں سے لڑنا چاہتے ہیں یا دین گاندھی کے (کی) حمایت میں۔ پھر اگر کسی نے ان کی بات نہ سُنی تو کافر، منافق، یزیدی، ملعون اور جہنمی کیوں کر ہوا۔

لیڈرانِ قوم آج اخبار و جرائد تمہارے ہاتھوں میں ہیں جسے چاہو گالیاں دو، کافر کہو، حق کو باطل اور باطل کو حق کہو اور چھاپ کر شائع کرو۔ اس وقت تو تمہاری بات بن آئی ہے، مخلوق اندھی ہوگئی ہے، لیکن ایک وقت آئے گا اور ساری حقیقت عریاں ہو جائے گی۔" [1]

سید سلیمان اشرف نے اپنی تحاریر و تقاریر سے جس نازک اور پُرفتن دور میں اسلامیانِ ہند کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا، ان کو بلا خوف لومۃ لائم مشرکینِ ہند (کانگریس) کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط و اتحاد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا اور علماء کو ان کی ملی ذمہ داریوں کا احساس دلایا، وہ ان کی بالغ نظری، علمی ثقاہت اور سیاسی بصیرت کا بیّن ثبوت ہے۔ قومیں محض حال مست یا مستقبل کے خوابوں میں زندہ نہیں رہتیں، ان کا ماضی ان کی پہچان اور راہ نمائی کا ایک مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ خوددار و بیدار قومیں اپنے ماضی کی سنہری روایات کو از بر رکھتی ہیں اور نسل جدید کی جانب منتقل کرتی رہتی ہیں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی (۱۸۹۶ء-۱۹۷۷ء) سابق صدر شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "گنجہائے گرانمایہ" میں تحریکِ ترکِ موالات میں مولانا سلیمان اشرف کے نُرتسم انمٹ نقوش کا ذکر بڑے دل نشیں پیرایہ میں کیا ہے، لکھتے ہیں۔

"۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے، نان کوآپریشن (Non-Cooperation) کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے، 'گائے کی قربانی'، اور 'موالات' پر بڑے بڑے جید اور مستند لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ اُس زمانہ کے اخبارات، تقاریر، تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہوگیا۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کہا جا رہا ہے، وہی سب کچھ ہے، یہی باتیں ٹھیک ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور بات ٹھیک ہو نہیں سکتی۔ کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ مرحوم مطعون ہو رہے تھے، لیکن نہ چہرہ پر کوئی اثر تھا اور

---

[1] سلیمان اشرف، سید محمد۔ النور، ص ۴۷

نہ معمولات میں کوئی فرق...... کہتے تھے: رشید! دیکھو، علما کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو کیسا کیسا گھر وندا بنا رکھا ہے۔ میری سمجھ میں اُس وقت ساری باتیں نہیں آتی تھیں......

بالآخر مولانا نے ان مباحث پر قلم اُٹھایا اور دن رات قلم برداشتہ لکھتے رہتے۔ اکثر مجھے بٹھا کر سناتے اور رائے طلب کرتے۔ میں کہتا۔ 'مولانا میری مذہبی معلومات اتنی نہیں ہیں کہ میں مُحاکمہ کر سکوں۔ آپ جو کہتے ہیں، ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔' کہتے۔ 'یہ بات نہیں ہے۔ تم پر اس ہڑبونگ کا اثر نہیں ہے اور سمجھتے ہو کہ یہ سیکڑوں علما جو کہتے ہیں، وہ ٹھیک ہے اور میں کالج کا مولوی یوں ہی کہتا ہوں۔ یہ بات نہیں ہے، ہم تم زندہ ہیں تو دیکھ لیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر!'

سیلاب گزر گیا، جو کچھ ہونے والا تھا، وہ بھی ہوا، لیکن مرحوم نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا۔ آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ سارے علما سیلاب کی زد میں آچکے تھے، صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔ اس کا اعتراف کسی نے نہ کیا اور نہ کبھی مولانا نے کہا کہ ہم نے، آپ نے مولانا کی اس خدمت اور قابلیت کا اعتراف کیوں نہیں کیا۔"[1]

ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد کے نتائج کے بارے میں جو کچھ مرحوم نے فرمایا تھا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔ سید صاحب کو حق تعالیٰ نے اس بصیرتِ قلبی سے نوازا تھا جس سے بہت سے رہبر محروم تھے۔

تحریکِ ترکِ موالات کو آج پون صدی سے زائد کا عرصہ بیت چکا، "الشور" اس اعتبار سے منفرد ہے کہ یہ تحریکِ خلافت و ترکِ موالات کے دور میں تصنیف ہوئی اور ایک طوفان بلا خیز کے مقابل بروقت کلمۂ حق کی زوردار صدا بلند ہوئی، اس کی بدولت ہمارا دینی تصلّب قائم رہا، اور اس نے مسلمانانِ برعظیم پاک و ہند کا اسلامی تشخص اجاگر کرنے میں مدد دی، اس طرح مولانا سلیمان اشرف نے "جو اسلامی اسپرٹ پیدا کی، اس نے آگے چل کر تحریکِ اسلامی کو قوت بخشی اور وہ اس قابل ہوئی کہ غیر اسلامی اور لادینی تحریکوں کا مقابلہ کر سکے"۔

---

[1] رشید احمد صدیقی، پروفیسر "گنج ہائے گراں مایہ" طبع دار النوادر، لاہور ۲۰۰۶ء، ص ۴۰ و ۴۱

محمد علی جناح اور علامہ اقبال اگرچہ ترکِ موالات اور تحریکِ ہجرت ایسی جذباتی تحریکوں کے مخالف تھے اور ان کو مسلمانوں کے لیے ہلاکت خیز اور تباہ کن سمجھتے تھے، لیکن اُس وقت گاندھی کے طوفان کے آگے بند باندھنا ہر کسی کے بس میں نہ تھا۔ پروفیسر غلام حسین ذوالفقار نے لکھا ہے کہ گاندھی کے سامنے اب کس کا چراغ جل سکتا تھا؟ لسان العصر اکبر تک کہہ اُٹھے۔

آگے تمہارے رنگ کسی کا نہیں جما ۔۔۔ ہے ہو تمہاری، اے مرے گاندھی مہاتما [1]

جذبات کے ایسے ہنگامہ خیز زمانہ میں کوئی شخص گاندھی جی اور علی برادران کے خلاف ایک حرف بھی کہنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۲۰ء کو آل انڈیا نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور (جس میں خلافت کمیٹی کے ارکان کے علاوہ محمد علی جناح اور کانگریسی مسلمان بھی شریک تھے) میں جناح کی جانب سے شوکت علی کو 'مولانا' نہ کہنے اور گاندھی کو 'مسٹر' کہنے اور 'مہاتما' نہ کہنے پر شیم شیم اور غیرت غیرت کے آوازے سُننے پڑے۔ ہندو اور مسلمانوں کے اس "بے معنی اور پُر جوش مجمع" نے مسٹر جناح کو اس بات پر ناچار کر دیا کہ وہ 'مسٹر' کے الفاظ واپس لے کر گاندھی کو 'مہاتما' کے لقب سے پکاریں۔ اِن ایّام میں حالات کو ناسازگار (کہ یہ دور نہایت پُرخطر اور آتش فشاں سے کم نہ تھا) دیکھ کر مدبّرین پس منظر میں چلے گئے، علامہ اقبال بھی اُس وقت خاموش رہتے ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں: "اس نہایت اور مؤثر تحریک میں مُسلم ہندوستان کے دو بڑے نام قائداعظم محمد علی جناح اور اقبال اور ان کی جدوجُہد کا پہلو نمایاں نہیں ہے۔" [3] نیز بقول خواجہ رضی حیدر — "محمد علی جناح نے اِس عرصہ میں کوئی بیان نہیں دیا، بلکہ وہ اپنی بیوی اور تو مولود بچی کے ہمراہ سیر و تفریح کی نیّت سے لندن چلے گئے جہاں انہوں نے بڑی پُرسکون زندگی گزاری۔ ایک اندازہ کے مطابق خلافت تحریک کا وفد جب انگلستان گیا تو محمد علی جناح بھی لندن میں موجود تھے، لیکن انہوں نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔" [4]

قطع نظر ان تمام باتوں کے ۲۰-۱۹۱۹ء سے ۲۶-۱۹۲۵ء تک کا زمانہ تحریکِ خلافت، ترکِ موالات، ہجرت اور فتنۂ ارتداد جیسے طوفانوں کا زمانہ تھا اور یہی وہ دور تھا جس میں ملّتِ مسلمہ اور

---

[1] غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر ڈاکٹر۔ "جدوجُہد آزادی میں پنجاب کا کردار" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۲۳۲
[2] مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد۔ "تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم" ۔ طبع اوّل ۱۹۷۷ء، ص ۱۳۷
[3] معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ "اقبال اور جدید دُنیائے اسلام" ۔ مکتبۂ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۸
[4] رضی حیدر، خواجہ۔ "قائداعظم کے ۷۲ سال" ۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۱۵۸

ہندوؤں کے درمیان مسلم قومیت اور ہندوستانی قومیت کی نظریاتی جنگ لڑی گئی، مولانا سلیمان اشرف اور علمائے احناف نے اس جنگ میں اپنا وزن دو قومی نظریئے کے پلڑے میں ڈالا اور اس طرح انہوں نے کمال بصیرت سے کام لیتے ہوئے تحریک پاکستان کے لیے راستہ صاف کیا۔[1]

ملتِ مُسلمہ کی سربلندی کے لیے ۱۹۲۰ء میں کی جانے والی مساعی جمیلہ کی بازگشت آج بھی سُنی جا سکتی ہے۔۔۔ ایک حقیقت پسند مورخ اس دور کا تذکرہ کن الفاظ میں کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال ممتاز قانون دان کے۔ایل۔گابا کی کتاب "مجبور آوازیں" کے اس اقتباس میں دیکھیے۔

> "دو قومی نظریہ" جس پر بڑے بحث مباحثے ہوتے رہتے ہیں، آل انڈیا مُسلم لیگ یا آل انڈیا مُسلم کانفرنس یا دیوبند یا جامعہ ملّیہ کی تخلیق نہیں تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس نظریئے کے مصنف نہ تو محمد علی جناح تھے اور نہ علامہ اقبال۔
>
> دو قومی نظریہ تو ۱۹۲۰ء میں ایک مشہور اور مُسلمہ نظریہ بن چکا تھا۔ اس وقت جناح صاحب کانگریس کے رہنما اور بقول سروجنی نائیڈو "ہندو مسلم اتحاد" کے سفیر تھے۔"

("مجبور آوازیں" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۱۰)

حرفِ آخر

زیر نظر کتاب یقیناً اپنے عہد کی صحیح تصویر کشی اور حقائق کو محفوظ کرنے کا ذریعہ بنی۔ فاضل مؤلف نے ایک دردمند مسلمان صاحب علم ہونے کا حق ادا کر دیا۔ دو قومی نظریہ کو اسلامیانِ ہند کی زبردست پذیرائی نے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا اور پاکستان اللہ کے فضل و کرم سے ایک شاعر کے خواب سے حقیقت ثابتہ کے طور پر منصۂ شہود پر آیا۔

آگ اور خون کا دریا عبور کرنے اور بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل ہونے والی اس مملکت خداداد کی ہم نے کیسی قدر و منزلت کی؟ اس نعمت غیر مترقبہ کی کیسی پاسبانی کی؟ اللہ اور اُس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باندھے گئے عہد کی کتنی شرم رکھی؟۔۔۔ اس کا ایک ثبوت تو وہ المناک سانحہ ہے، جس کی بدولت ملک دولخت ہوا اور اندرا گاندھی کو نظریہ پاکستان کے خلاف دریدہ دہنی کا موقع ملا۔

بدقسمتی سے مسلمان، تحریک پاکستان کے معاملہ میں متحد و متفق نہ تھے اور کانگریسی مُلّاؤں کی

---

[1] کوکب، قاضی عبدالنبی۔ "تحریک پاکستان اور علمائے اہلسنت"۔ مطبوعہ خانیوال ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ص ۱۱

زیر قیادت ایک بڑا گروہ ہندو کا ہمنوا اور ہمدم تھا۔ یہ لوگ قیام پاکستان کے بعد بھی اپنے نظریہ پر اٹل رہے اور پاکستانی سیاست میں سرگرم رہنے اور مفادات کی بندر بانٹ میں حصہ وافر بٹورنے کے باوجود یہ دعویٰ دہرانے پر کبھی نہیں شرمائے کہ "خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے"۔

یہ لوگ آج بھی بھارتی نیتاؤں کے ساتھ اپنے روابط کی آبیاری کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی آئے دن کی بھارتی یاترا، وہاں کے ہندو راہنماؤں کے ساتھ پیار کی پینگیں اور اپنے دینی مدارس میں ان مہاشوں کو بطور مہمان خصوصی بلانے کے واقعات تو تازہ ترین اخبارات میں موجود ہیں۔ سونیا گاندھی اور دوسرے بھارتی راہنما دار العلوم دیو بند کی ایک قومی نظریہ کے لیے خدمات کو آج بھی سراہتے اور دھنواد کرتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ سواد اعظم کے علماء و مشائخ کی اس عظیم تحریک کے وارث کہاں ہیں، جن کی بے مثال جدوجہد نے تحریکِ پاکستان کے چراغ کو روشن کرنے کے لیے اپنے لہو کا تیل فراہم کیا تھا؟ ــــ عامۃ الناس اس لیے مورد الزام نہیں ٹھہرائے جا سکتے کہ راہنمائی اور راہبری کا فریضہ بہر حال انہی کا کام ہے، جو اس منصب پر فائز ہیں، یہ ایک تلخ اور انتہائی تکلیف دہ حقیقت ہے کہ بلند و بالا شخصیات کی عظیم مسندوں پر بونے اور کوتاہ بین فروکش ہیں جو اپنے مفادات اور جاہ و جلال سے آگے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بقول حکیم الامت علامہ اقبال ؒ

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

متاعِ کارواں لٹ رہی ہے اور وہ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں اور شکوہ یہ ہے کہ لوگ بے راہ ہو رہے ہیں۔ اوراد و وظائف، تسبیح و جاپ اپنی جگہ لیکن عمل سے کنارہ کش قوم کسی مثبت نتیجہ کی توقع کیوں کر سکتی ہے۔ ہمارے اہل قلم نے تاریخ کے ساتھ ہونے والی اجتماعی زیادتی کا بھی کماحقہٗ ادراک نہیں کیا۔ جعفر و صادق کو بڑی بے شرمی کے ساتھ سراج الدولہ اور ٹیپو ثابت کیا جا رہا ہے، مگر ہمارے لکھنے والے، اس چوری اور سینہ زوری پر صدائے احتجاج بھی بلند نہیں کرتے۔ اشور اور اس کے فاضل مؤلف آج بھی زبان حال سے تقاضا کرتے ہیں کہ عافیت اور مصلحت کے حجروں سے نکل کر رسم شبیری ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى

النّور

یعنی

حالاتِ حاضرہ پر ایک مصلحانہ نظر

نوشتہ

فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ

خدا داند کہ حافظ را غرض چیست

وعلم اللہ حسبی عن سؤالی

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

در مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ علی گڈھ میں ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء طبع ہوا

(اور وہیں سے شائع ہوا)

بار اوّل

قیمت عمر

فہرست مضامین

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

ھُوَ الحق

انسدادِ گاؤ کُشی کی سابقہ کوششیں

سن ستاون کا ہنگامہ اور ستارۂ صلاح و فلاح مسلمانانِ ہند کا غروب باہم مرادف تھے۔ مسلمانوں کے اس تنزل سے اُن کی ہمسایہ قوم نے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کی اور بہت جلد مسلمانوں کے املاک اور دیگر جاہ و عزت کے سامان اہلِ ہنود کے دستِ تصرف میں آ گئے۔

ہندوؤں کو جب اس طرف سے ایک گونہ اطمینان پیدا ہو گیا تب اُنھوں نے مسلمانوں کے مذہب پر حملہ آوری شروع کی۔ مظالم و جفاکاری کا ایک کوہِ آتش فشاں تھا جس سے انواع و اقسام کے شعلے پھٹ کر نکلتے اور جا بجا مسلمانوں کی غیرت و حمیت کو اُن کے حقوق کے ساتھ خاک سیاہ کرنا چاہتے تھے۔

یوں تو مسلمانوں کا ہر رکنِ مذہبی اہلِ ہنود کو چراغ پا کر دینے کا کافی بہانہ تھا لیکن بقرعید کے
موقع پر گائے کی قربانی سے جو تلاطم اور ہیجان ان میں پیدا ہوتا اُس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ لیکن
غیرت مند مسلمان اپنے اس دینی وقار اور مذہبی استحقاق کے قایم رکھنے میں ہمیشہ استقلال و ہمت سے
اُن کی ستمگاریوں کی مدافعت کرتے رہے۔

محض سفاکی و بے رحمی کو چند سال کے تجربہ نے جب کہ ناکافی ثابت کیا تو اہلِ ہنود تدابیر و حیل
کی آمیزش اپنی جفاکاری میں ضروری سمجھ کر تدلیس و تلبیس سے بھی کام لینے لگے۔ چنانچہ سنہ ۱۲۹۸ ہجری
میں اہلِ ہنود نے ایک عبارت استفتا مرتب کر کے بنام زید و عمر مختلف شہروں سے متعدد علمائے کرام
کی خدمت میں روانہ کی۔

استفتا میں اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ موقع بقرعید پر گائے کی قربانی جب کہ موجب فتنہ و فساد ہے
اور امن عامہ میں اس کی وجہ سے خلل آتا ہے اگر مسلمان گائے کی قربانی موقوف کر دیں تو کیا مضائقہ ہے۔

حضرات علما نے نہایت مدلل طریقہ پر اس کا یہی جواب تحریر فرمایا کہ شریعت نے جو اختیار عطا
فرمایا ہے اُس سے فائدہ اُٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہے خوفِ فتنہ ہو تو حکومت کی قوت کو متوجہ کرنا چاہیے
بہ پاسِ خاطر ہنود یا خوفِ ہنود اپنے دینی حق سے باز رہنا ہرگز روا نہیں۔

دو تین برس بعد پھر اسی قسم کا استفتا جاری ہوا اور پھر دربارِ شریعت سے یہی فتویٰ صادر
ہوا۔ مولنا المفتی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا رسالہ انفس الفکر فی قربان البقر سنہ ۱۲۹۸ ہجری کا
تصنیف ہے اُسے ملاحظہ فرمائیے اور مجموعۂ فتاویٰ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم مطالعہ کیجیے۔ ساری
حقیقت واضح ہو جائیگی۔ اس کے بعد سنہ ۱۳۱۲ ہجری اور سنہ ۱۳۲۹ ہجری میں پھر اسی سوال کا اعادہ کیا گیا اور
دارالافتا سے اُسی اگلے جواب کا افاضہ فرمایا گیا۔

گوپا او رمئو میں جب کہ ہندؤں نے ایک حشر عظیم بپا کیا اور بعد قتل و غارت گری اور بے حرمتی

مساجد اس کوشش میں سرگرم ہوئے کہ حکام کچہری پر یہ ثابت کریں کہ قربانی گاؤ سے ہندوؤں کی دل آزاری
ہوتی ہے اور گائے کی قربانی حسب اجازت مذہب اسلام نہیں۔ اُس وقت علامہ چڑیا کوٹی مولٰنا محمد فاروق صاحب
عباسی نے ایک رسالہ چھپوا کر شایع فرمایا جس میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے اچھی طرح ثابت فرما دیا کہ اہل ہنود
کا دعوائے باطل محض بے بنیاد ہے۔ نیز واقعۂ مئو کی مستند تاریخ ایک مسدس میں نظم فرمائی جو ہندوؤں کے
مظالم اور مسلمانوں کی مظلومیت و استقامت کی ہو بہو تصویر ہے۔ یہ دونوں رسالے چھپ کر ملک
میں شایع ہو چکے ہیں۔

اشارات صدر سے صرف اس قدر ثابت کرنا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے شعار دین کی توہین اور
ارکان مذہبی کے نیست و نابود کرنے میں اپنی پوری جسمانی مالی اور دماغی قوت ہر طرح پر صرف کرنے
میں پچاس برس سے مسلسل ساعی و کوشاں ہیں لیکن علمائے کرام اور عامۂ مسلمین آج تک اُن کے دامِ ہنود
میں پناہ لینے سے اظہار بیزاری کرتے رہے۔

قرآن و مساجد کی بے حرمتی

ہندوؤں نے جوشِ وحشت میں آکر قرآن مجید کے ساتھ بارہا بے ادبی کی ہے
مساجد کی بے حرمتی میں ہمیشہ اُنھوں نے ظالمانہ ہاتھ بڑھایا ہے مسلمانوں کی جانوں
اور عصمتوں کو نہایت بیباکی سے اُنھوں نے تباہ و برباد کیا ہے۔ غرض اُن کے اختیار و قوت میں جس قدر
مسلمانوں کے دین پر حملہ کرنا ممکن تھا اُس سے یہ کبھی باز نہ رہے۔ اہل ہنود کے وہ مناظر خونیں جو
مواقع محرم الحرام یا اذان وغیرہ پر ہوا کیے ہیں اُن کی فہرست مظالم بقرعید سے علاوہ ہے۔
کیا یہ واقعہ اور حقیقت نہیں کیا یہ امر محتاج دلیل ہے کہ ہندوؤں میں اس کی طاقت کہاں تھی جو وہ
قسطنطنیہ پر حملہ کرتے اس کی قوت ان میں کب تھی جو عراق و شام پر یہ فوج کشی کرتے۔ ایسے سامان
انھیں میسر کہاں تھے جس سے مسلمانوں کے مقامات مقدسہ پر یہ اپنا تصرف کرتے یا جزیرۃ العرب کو
اپنے دائرہ حکومت میں داخل کرتے۔ ان کی انتہائی قوت بس اسی قدر تھی کہ مسلمانانِ ہند پر بزدلانہ

عملوں سے اپنی اُس سپاس گذاری اور منت پذیری کا ثبوت دیں جو تمام احسان مسلمانوں نے اپنے ایام سلطنت میں ان کے ساتھ مری رکھے۔

کانگریس اور مسلم لیگ کا مفاہمہ و مابعد

سنہ ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ نے بعد مفاہمہ اتحاد کا آوازہ بلند کیا اُس وقت مسلمانوں کی خلافت مقدسہ دول یورپ کے نرغہ میں پھنسی ہوئی تھی اس لیئے مناسب یہی تھا کہ مسلمانان ہند مقامی اور وطنی نزاعات کو صلح اور آشتی کے ساتھ طے کرلیں اور پوری توجہ سے خلافت اور مقامات مقدسہ کی حفاظت پر تدابیر سوچ کر عمل آرا ہوں۔ لیکن ہندو مسلمانوں کے اس عالم پریشانی سے بغیر فائدہ حاصل کیئے کیونکر رہ سکتے تھے۔ایک دو بڑے ہندو لیڈرس نے تو سحر آمیز افسوں خوانی لیڈران مسلم کے کانوں میں بصیغہ راز شروع کی اور مابقیہ نے ملکر ایک قیامت آرہ اور شاہ آباد میں بپا کی دوسرے سال کرتار پور میں اپنی عداوت کا نہ مٹنے والا ثبوت پیش کیا۔

عین ایسے موقع پر جب کہ مسلمان انتہائے اضطرار و بے چینی کے عالم میں مبتلا تھے۔ان دونوں مقامات پر یکے بعد دیگرے آتش فساد مشتعل کرنے سے ہندوؤں کا یہی مقصد تھا کہ مسلمانان ہند اپنے مصائب میں پھنس کر خدمت خلافت سے محروم رہ جاویں اور یورپ کی وہ سلطنتیں جو اسلامی مرکز پر حملہ آور ہیں ہندوؤں کے اس فتنہ و فساد سے مظاہرہ و اعانت کا فائدہ حاصل کریں۔الہ آباد و بریلی وغیرہ میں عشرۂ محرم الحرام کے موقع پر جو فساد ہندوؤں نے کیا وہ اس کے علاوہ ہے۔

اتحادیوں اور ہندوؤں کا اتحاد

اتحادیوں میں فوج کشی اور ملک گیری کی قوت تھی اس لیئے وہ اپنی اس قوت سے کام لے رہے تھے اور ہندوؤں میں یہ طاقت تھی کہ ایسی نازک حالت میں مسلمانان ہند کو مقامی آفات میں اُلجھا کر ارض مقدس کی خدمت سے باز رکھیں اس لیئے وہ اپنی اسی طاقت کو عمل میں لا رہے تھے۔غرض اس انتہائی ایام مصیبت میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں اتحادی

سلطنتیں اور اُن کے ملکی بھائی دونوں برابر کے شریک وسہیم تھے۔ ملکی بھائیوں نے بعد اتفاق و اتحاد ذرہ برابر بھی غارت گری اور درندگی میں کمی و کوتاہی روا نہ رکھی اور اپنے اُس ظلم کو جسے پچاس برس سے پرورش کر رہے تھے آرہ شاہ آباد اور کٹارپور کے مسلمانوں کے خون سے پھر ایک بار سینچا۔

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا طرزِ عمل

ہندوؤں کے اس برتاؤ اور برادرانہ سلوک کے مقابل میں اگر مسلمانوں کا طرزِ عمل دیکھا جائے تو اچھی طرح فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ حقِ ہمسائگی کی رعایت کس نے ہمیشہ ملحوظ رکھی ہے۔

بہت سے رسوم شرک و کفر ہندو اس طرح انجام دیتے ہیں کہ اُن کے طرز ادا پر مسلمانوں کو اُن کا مذہب اُس کے استیصال اور ممانعت کا حکم دیتا ہے لیکن کوئی واقعہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں دور دراز کے مسلمانوں نے اجتماعی حالت سے کہیں ہندوؤں پر حملہ آوری کی ہو۔

رام لیلا، گنیش اور ہولی وغیرہ ہندوؤں کے ایسے تہوار ہیں جن میں بارہا ہندوؤں کی جانب سے اشتعال انگیزی ہوا کی ہے۔ لیکن ناگزیر و مفرط حالتوں میں بھی بجز مقامی مسلمانوں کے کوئی قوت و جمعیت دیگر اضلاع سے پہنچ کر مدافعت کے لیے کبھی مجتمع نہ ہوئی۔

انتہائے برادر نوازی اور حقِ ہمسائگی کی تازہ ترین مثال واقعہ کٹارپور ہے۔ ہندوؤں نے تو مسلمانوں کو بند مکان میں آگ لگا کر جلایا اور اُن کی جان مال اور آبرو کو نہایت بیدردی و بے رحمی سے تباہ کیا لیکن جب مقدمہ حکومت کے ہاتھوں میں پہونچا تو باوجود اس کے کہ عمائد ہنود ان خونریز ہندوؤں کی حمایت میں ہر طرف سے ہر طرح کی امداد پر آمادہ ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے لیڈروں نے بجائے معاونت اور حقیقی غمگساری یہ تلقین شروع کی کہ مسلمانانِ کٹارپور درخواستیں دیں اور سفارشیں بھیجیں کہ ہم اپنا دعویٰ واپس لیتے ہیں۔ گورنمنٹ ان مجرموں کو رہا کردے۔ پھر جب کہ فیصلہ پھانسی کا

سنا گیا اُس وقت بھی مسلمانان کٹارپور کو دبا کر عفو کی خواستگاری میں انتہائی کوشش عمل میں لائی گئی اور آخرکار گورنمنٹ میں درخواست بھجوا ہی دی گئی۔ اس بذل و کرم کے اسباب موز و اسرار ہیں بجز لیڈروں کے اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ مسلمانان کٹارپور کا خون رائیگاں کیوں قرار دیا گیا۔ اُن کے ورثا کو اس سنگدلی کے فیصلہ پر راضی ہو جانے کے لیے کیوں مجبور کیا گیا۔ ہندوؤں نے کیا عوض اس احسان کا پیش کیا۔ اِن سوالوں کا جواب حضرات لیڈر ہی دے سکتے ہیں بشرطیکہ اِن سوالوں کا قابل جواب ہونا خیال بھی فرمائیں۔

ستم ظریفی ہنود نوازی میں مبالغہ و غلو اس سے سمجھنا چاہیے کہ دورانِ مقدمہ میں مسلمانان کٹارپور کے پاس لیڈروں کے صحایف پہونچنے لگے کہ گائے کی قربانی موقوف کرو ان صحائف میں مستغنی عن الالقاب حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب رئیس دہلی کے صحیفہ کو اتیاز خصوصی حاصل ہے۔ بعض حضرات خود تشریف لے گئے تاکہ مسلمانان کٹارپور کو گائے کی قربانی سے باز رکھا جائے حالانکہ انصاف کا یہ فیصلہ تھا کہ ہندو لیڈروں سے یہ اپیل کی جاتی کہ آپ کی قوم ہنود نے جب انتہائے وحشت و بربریت کے ساتھ مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا ہے تو اُن کی مظلومیت کی داد یہی ہو سکتی ہے کہ خود ہندو قربانی کے موقع پر گائے فراہم کریں تاکہ مسلمانوں کی کچھ اشک شوئی ہو جائے۔

بہرحال خلاصہ مدعا یہ ہے کہ اس طرز پر عمل اور حقوق مسلم کی حفاظت اور حمایت مسلمین کی لیڈری حضرات لیڈر اس وقت فرما رہے تھے جس وقت نہ تو خلافت کمیٹی کی بنیاد پڑی تھی نہ کوئی تحریک خلافت کے متعلق عام مسلمانوں کے سامنے پیش کی گئی تھی نہ ہندوؤں نے یوم خلافت میں مسلمانوں کے ساتھ اپنی دکانیں بند کی تھیں نہ کسی طرح کی ہمدردی کا اظہار خلافت کے متعلق ہندوؤں کے عوام یا خواص یا اخص الخواص نے کیا تھا پھر بھی لیڈرانِ مسلم اس کوشش میں سرگرم تھے کہ مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے باز رکھ کر ہنود کی رضا اور خوشنودی حاصل کی جائے۔ غالباً یہ اثر اسی

سحر و افسوں کا ہوگا جو اخص لیڈرانِ ہنود نے بصیغۂ راز لیڈرانِ مسلم کی کانوں میں پھونک دیا تھا۔

اگر قوم ہنود اور اُن کے فدائیانِ مسلم سے سوال کیا جائے کہ کوئی واقعہ ایسا ہی شکل کا ریور کے پیش کریں جس میں مسلمانوں نے ہندوؤں پر اِس طرح وحشیانہ ظلم کیا ہو پھر ہندو لیڈروں نے اپنے عوام کو اس طرح درگذر کرنے پر مجبور کیا ہو اور اِن سب مراحل کے بعد اپنی قوم سے اسی مذہبی عمل کے ترک کرنے کی اپیل بھی کی ہو اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر اس پرپیچ لیڈری اور ژولیدہ خیرخواہیِ قوم و مذہب کے سمجھنے میں اگر کچھ اُلجھن پیدا ہو جائے تو اس پر عتاب و خفگی کیوں نازل کی جائے۔

کچھ عرصے سے جو مسلمانوں نے پولیٹکل کروٹ بدلی ہے اُس کے منافع و مصالح تو ہنوز پردۂ غیب میں مستور ہیں ہاں جو کچھ بظاہر محسوس ہے اُس سے کسی طرح کی صلاح و فلاح کی اُمید ایک خیالِ باطل اور وہم فاسد ہے۔

موجودہ ہادیانِ قوم

ایک مدت سے قوم کی باگ چند ذی اثر اور ذی وجاہت اشخاص کے ہاتھوں میں رہنے کا معمول و دستور ہے قوم اِسی کی خوگر ہو رہی ہے کہ اعضا اس کے شل ہوں اور دماغ سے اِس کے جمود کا پردہ اُٹھنے نہ پائے۔ لیڈر جو کچھ ارشاد فرمائیں قوم بے سوچے سمجھے آمین کہہ دے۔

لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ غلامی اور ذلت کا طوق گراں سے گراں تر اور بوجھل سے بوجھل تیار کریں اور اپنی قوم کی گردنوں میں ڈال کر اُن کا گلا گھونٹتے رہیں۔ اور پھر اس طرح مٹانے اور فنا کر دینے کا خراجِ تحسین بھی قوم سے وصول کریں۔

لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند کا عہدِ حکومت جب ختم ہوا اور لارڈ چیمسفورڈ کا دور آیا تو بعض ذی وجاہت حضرات کی باریابی اس دورِ جدید میں چنداں شاندار نہ رہی توقعات بھی

مایوسیوں سے بدلنے لگے اور اُمید کا چہرہ بالکل ہی تاریک پڑگیا مجبور ہو کر قوم کی طرف اپنی عنایتوں کا رُخ اِن حضرات کو پھیرنا پڑا اسی کے ساتھ بعض نفس آرا خود نما ہنگامہ افزا اشخاص کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوئے۔ مذہب و ملت کے سچے ہمدرد اُسی وقت کھٹک گئے تھے کہ یہ عنایات اور یہ باہمی آمیزش مسلمانوں کے کسی وطنی و مذہبی حق کو بغیر سلب کئے نہ رہیگی۔ چنانچہ یہ نتیجہ آج اسی عنایت اور قران کا ہے جو گائے کی قربانی مسلمانوں سے چھوڑائی جاتی ہے موحدین کی پیشانیوں پر قشقہ جو شعار کفر ہے کھینچا جاتا ہے مساجد اہلِ ہنود کی تفریح گاہیں، مندر مسلمانوں کا ایک مقدس معبد ہے۔ ہولی شعار اسلام ہے جس میں رنگ پاشی اور وہ بھی خاص اہلِ ہنود کے ہاتھوں سے جب کہ وہ نشۂ شراب میں بدمست ہوں عجب دلکش عبادت ہے۔ بتوں پر پوریاں چڑھانا ہار پھولوں سے انھیں آراستہ کرنا پھولوں کا تاج اصنام کے سروں پر رکھنا خالص توحید ہے یہ سارے مسائل ان صورتوں میں اس لیے ڈھل گئے کہ ہندوؤں کی دلنوازی اور استرضا سے زیادہ اہم نہ توحید ہے نہ رسالت نہ معاد نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا پہلا دور

ہندوستان میں جب ہی سہی علامتیں اپنی سلطنت کی مٹ گئیں اور برٹش حکومت ہر پہلو سے مضبوط ہو گئی اس وقت مسلمانوں کے لیڈروں نے مرتبہ افزا میں آکر اس سلطنت کے برکات اور اس حکومت کے فیوضات کا خطبہ جو پڑھنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوا کہ تلاوت کلامِ پاک سے بھی زیادہ ثواب اس وقت اس میں ہے کہ حکومت کی حمد و ثنا سے زبان تر رکھی جائے انگریزوں کے حقوق اور مسلمانوں کی وفا شعاری اور اطاعت گزاری پر جو رسائل لکھے گئے اُن سے یہی سمجھا جاتا تھا کہ نزول قرآن اور تعلیم اسلام کا خلاصہ اور جوہر یہ ہے کہ انگریزوں میں اس طرح اپنے کو مل کر فنا کردو کہ نہ تو غیری نہ من غیرم کی شکل پیدا ہو جائے۔ پھر کوئی بڑے سے بڑا مبصر بھی یہ نہ بتا سکے کہ اصل کون ہے اور نقل کون۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے لیڈروں نے قوم کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔

تقلید جامد اور اتباع کورانہ

ایک عرصہ تک اس تقلید جامد اور کورانہ اتباع کے لطائف میں لیڈروں کو مدح خواں اور ثنا گستر بھی پایا گیا لیکن امتداد زمانہ نے جبکہ اس کیف وسُرور میں حالت مساوات پیدا کر دی تو اب یہ فیصلہ ہوا کہ غلامی سے کسی زندگی کا بہتر ہونا اور وہ بھی مسلمانوں کیلئے یہ تو ناممکن اور امر محال ہے لیکن حکومت اور سلطنت کی غلامی اپنے منسوب الیہ کے اعتبار سے ایک علو و بلندی رکھتی ہے اب تک مسلمان جو برکات غلامی سے محروم رہے وہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کی غلامی نسبت عالی رکھتی ہے وقت آگیا اور ضرورت اس کی عیاں ہو چکی کہ مسلمان اپنے اُس قوم ہمسایہ کی جس پر کسی عہد میں اُنھوں نے صدیوں تک حکومت کی تھی بکمال عقیدت غلامی اختیار کریں تاکہ ثمرات غلامی سے بدرجہ اتم واکمل بہرہ مند ہو سکیں اسی نصب العین کو پیش نظر رکھتے ہوئے لیڈروں نے قوم کی رفتار دوسرے جانب موڑنے کی کوشش کی۔

پہلی منزل

مسٹر مانٹیگو کے سامنے دہلی میں جس وقت اعیان ہند کے وفود پیش ہو رہے تھے جب آل انڈیا مسلم لیگ کی پیشی کی نوبت آئی تو اس جماعت کا جو ایڈریس تھا اُس میں یہ گزارش بھی پر زور الفاظ میں کی گئی تھی کہ ہندوستان سے گائے کا ذبح کرنا موقوف کیا جائے جدید آقا کے دربار میں جو نذور عبودیت و عقیدت کے ہاتھوں پیشکش ہونے والے تھے اُن میں سب سے زیادہ پسندیدہ یہی نذر تھی جس کا سامان اس طرح انجام دیا جانا قرار پایا تھا یہ وفد بوجوہ پیش نہ ہو سکا لہذا نہ سرکار میں اس ایثار کی کچھ نمایاں قدر دانی بھی نہ ہو سکی۔

قربانی کا مسئلہ چونکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں سے متعلق تھا اس لئے محض لیڈروں کے ہاتھوں کا نذرانہ قابل قبول سرکار ہنود ہرگز ہو نہیں سکتا تھا اس کیلئے لیڈر حضرات کو کوئی ایسا حیلہ ایجاد کرنا ضرور تھا جس کی وساطت سے قلوب عوام پر اس طرح قابض و متصرف ہو جائیں کہ عامیان

ملت و مذہب کے ہدایت کی گنجائش باقی نہ رہی۔

مسلمانوں کے لیڈر اسی خیال میں تھے کہ کانگریس کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا صدر مجلس کانگریس مسٹر مدن موہن مالویا بالقابہ اپنی آخر نشست میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "مسلمان ہندوؤں کی دل آزاری سے باز رہیں اور ان کی طرف برادرانہ محبت سے ہاتھ بڑھائیں"۔

اس دل آزاری اور محبت کی تفسیر بھی براہ مہربانی خود ہی صدر نے مابعد میں فرما دی کہ "اگر مسلمانوں کے مذہبی نقطۂ خیال سے گائے کی قربانی نہایت ضروری ہے تو باوجود اس تکلیف کے جو مجھے اس معاملہ میں ہوگی میں قربانی کو خود اپنی آنکھ سے دیکھنے کے لیے تیار ہوں"۔

قابل غور یہ نکتہ ہے کہ مسلمان لیڈر جبکہ جوش محبت ہنود میں خود ہی بغیر تحریک ظاہری ہوئے کٹارپور جیسے مقام پر جہاں اس شدت و بیرحمی سے ہندوؤں نے قربانی گاؤ پر ہجوم اور حملہ آوری کی تھی جس حملہ و ہجوم نے مسلمانان کٹارپور پر گائے کی قربانی واجب کر دی تحریک ترک کی باانواع گوناگوں کر رہے ہیں پھر گورنمنٹ سے بواسطہ مسٹر بانیگو اپنے ایڈریس میں یہ چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ ہند کوئی ایسا قانون وضع کرے جس سے ہندوستان میں گائے کا ذبح کرنا قانونًا جرم قرار پا جائے ایسی حالت میں مدن موہن مالویا جیسا خیر خواہ ہندوستان کانگریس جیسے ذیشان جلسہ میں خود اپنے منہ سے یہ کہے کہ مسلمان ہندوؤں کی دل آزاری سے باز آئیں یہ سمند شوق وآرزو پر ایسا تازیانہ ہے کہ ایک لمحہ کا سکون و قرار بھی تعجب سے خالی نہیں اس پر بھی لیڈروں نے کامل ایک سال تک انتہائے ضبط و خودداری سے کام لیا اور اس عرصہ میں وہ اجزاء و عناصر فراہم کئے گئے جس سے تحریک ترک قربانی گاؤ ہمہ گیر ہو جائے۔

تالیف قلوب کا سنگ بنیاد ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ کا جلسہ بھی دہلی میں ہی منعقد ہوا تھا

مجلس استقبالیہ کے صدر نے جو اپنا خطبہ اُس وقت پڑھا ہے اُس میں مسئلہ خلافت کے مختلف پہلوؤں سے بحث کرتے ہوئے ترکوں کی حمایت میں صدائے احتجاج بلند کی ہے برسوں کا بھولا ہوا سبق جو آج یاد آیا ہے یہی عامۂ مسلمین کے تالیف قلوب کا پہلا سنگ بنیاد ہے جسے ڈاکٹر انصاری صاحب نے بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ مسلم لیگ اپنے ہاتھوں سے رکھا۔

اس سال کی قومی و ملکی مجالس میں صرف اسی قدر کارروائی ہوئی کہ مدن موہن مالویہ صاحب نے مسلمانوں کو دل آزاری ہنود سے منع فرمایا اور ڈاکٹر انصاری صاحب نے حمایت خلافت کا علم بلند فرمایا۔

علمار سیاسی نے بھی وقت شناسی سے کام لے کر اس موقع پر اپنے فتوے کا اعلان ضروری سمجھا۔

خلافت کمیٹی کا سنگ بنیاد

اسی کے ساتھ یہ گزارش بھی سُن لیجئے کہ انھیں ایام میں مسٹر گاندھی نے اپنے دوران سفر میں بعض ایسے لیڈروں سے ملاقات کرتے ہیں جو قومی اور ملکی مجالس میں اپنی معذوریوں سے شریک نہیں ہو سکتے تھے پھر اسی کے ساتھ ستیاگرہ اور ہڑتال عام اور رفع امتیاز مسجد و مندر جس کے محرک مسٹر گاندھی ہیں اسے بھی منضم کر لیجئے جب یہ متفرق اعمال جن میں بظاہر کوئی سلسلہ معلوم نہیں ہوتا اپنے اپنے محل و موقع پر انجام پا چکے تو اب ۱۹۱۹ء میں بتاریخ ، ار نومبر بمقام دہلی خلافت کمیٹی کا سنگ بنیاد پڑتا ہے اس موقع پر ہندو بھی ایک کافی تعداد میں بحیثیت نمائندہ شریک ہوئے جن میں خصوصیت کے ساتھ مسٹر گاندھی کا نام قابل ذکر ہے جنھوں نے اس خالص مذہبی جلسہ کی ایک اجلاس میں صدارت بھی فرمائی تھی اور علمار سیاسی نے آپ کے تذکرہ داستان میں وہ سب کچھ ارشاد فرمایا جس کا جذبہ عقیدت اور جوش اتباع و تقلید مقتضی تھا۔

اظہار تشکر کے ذیل میں مولانا صاحب نے اس کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھا کہ مسٹر گاندھی صاحب کے اخلاق اور گفتگو سے میں یہاں تک متاثر ہو چکا ہوں کہ گائے کی قربانی میں نے ترک کر دی جلسہ خلافت کے مقاصد اور اصول عمل اسلامی و دینی سے ترک قربانی گاؤ کا تعلق کچھ ہو یا نہ ہو لیکن یہی جملہ جو بطور حکایت بیان ہوا اور جو الفاظ سرسری طور پر اثنائے تشکر و امتنان میں آگئے فی الحقیقت یہ ایک زبردست دیباچہ اور مقدمہ تھا اُس کتاب کا جو آیندہ ماہ دسمبر میں اسی سال عامہ مسلمین کے لئے تصنیف ہونے والی تھی اسی کے ساتھ خلافت کے نام سے جو ایک ہڑتال ہوئی اُسے تمہید کتاب سمجھ لیجئے۔

قومی مجالس کا انعقاد

اب دسمبر کا مہینہ آتا ہے اور قومی مجالس کا انعقاد امرتسر میں ہو رہا ہے مسلم لیگ کے صدر مستغنی عن الالقاب حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب رئیس دہلی اپنا خطبہ صدارت پڑھتے ہیں جس کی بیشمار کاپیاں ملک میں تقسیم ہو چکی ہیں تقریباً چار صفحوں میں صدر مسلم لیگ نے مسئلہ قربانی سے بحث فرمائی ہے ابتدائی جملہ یہ ہے۔

گاؤ کشی کا ذکر ہم لوگ ایک عرصہ سے اشاروں اور استعاروں میں کرتے رہے ہیں لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق زیادہ صفائی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا جائے" صفحہ ۳۰ میں نہایت سوز و گداز کے ساتھ ہندوؤں کی عنایت و کرم کا اظہار فرمایا گیا ہے اور صفحہ ۳۴ پر مذہبی نقطہ نظر سے اس مسئلہ سے بحث کرتے ہوئے یوں ارشاد ہوتا ہے "ہندوستان کو چھوڑ کر تمام عرب شام مصر طرابلس اور ایشیائے ترکی وغیرہ کے مسلمانوں کو دیکھئے جن میں کروڑوں کی تعداد نے زندگی بھر اس سنت کو بغیر گائے کی قربانی کے ادا کیا ہے" عوام بیچارے اس پر پیچ تاریخی جملہ سے یہ سمجھے کہ گائے کو قربانی کے لئے تمام بلاد اسلامیہ کے مسلمان چھوتے بھی نہیں لیکن خفیف سایہ شبہ عوام کو رہ جاتا تھا کہ شاید اس دور سے پیشتر عہد رسالت

صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں گائے قربانی ہوتی ہو یا ہوئی ہو اس شبہ کو مٹا دینے کے لئے حکیم صاحب نہایت شد و مد سے ایک حدیث میں کچھ اپنی طرف سے اضافہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں "اس حدیث سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں علی العموم بکری کی قربانی کا رواج تھا۔"

مسلم لیگ میں جب رزولیوشن پیش ہونے لگے تو ڈاکٹر انصاری صاحب نے ترک قربانی گاؤ کا رزولیوشن پیش فرمایا جو تھوڑی سی خوش بیانیوں کے بعد منظور ہو گیا۔ مولنا عبدالباری صاحب فرنگی محل نے قومی و ملکی مجالس سے مراجعت فرماتے ہوئے سہارنپور میں ایک تقریر فرمائی جس میں مسئلہ قربانی کے متعلق جو کارروائی مسلم لیگ نے انجام دی تھی اُس کی تائید و تحسین میں کافی زوردار الفاظ ارشاد فرمائے۔

مستغنی عن الالقاب حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب رئیس دہلی کا مسلمانان کرتارپور کے پاس صحیفہ متعلق ترک قربانی گاؤ بھیجنا۔ ڈاکٹر انصاری صاحب کا خلافت کی حمایت میں ایک مجلس صدائے احتجاج بلند فرمانا۔ پھر نومبر میں جلسہ خلافت کا انعقاد اور گاندھی صاحب کی ایک جلسہ میں صدارت اور مولانا عبدالباری صاحب کا اثنائے تشکر و امتنان میں ترک قربانی گاؤ کا سرسری تذکرہ پھر دوسرے ہی مہینے میں چند ہفتوں بعد مسلم لیگ کا جلسہ اور اُس میں انھیں ارکان ثلاثہ کا یکے بعد دیگرے اس مسئلہ کو اس طرح طے کر ڈالنا کہ مستغنی عن الالقاب عالی جناب حکیم صاحب خطبۂ صدارت میں ملکی سیاسی اور مذہبی پہلو سے ترک قربانی گاؤ پر زور دیتے ہیں ڈاکٹر انصاری صاحب رزولیوشن کی شکل میں پیش فرماتے ہیں جو منظور ہو جاتا ہے۔ مولنا عبدالباری صاحب سہارنپور پہونچکر تحسین و تائید فرماتے ہیں اب وہ نذرانہ اور گراں بہا تحفہ جو سرکار ہنود میں پیش ہونے والا تھا جس کے لئے سارے اہل دربار ہمہ تن چشم براہ تھے۔ جس کا ذکر مسٹر مانٹیگو کے

سامنے پیش ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے وفد نے اپنے ایڈریس میں کیا تھا نیز جس کے متعلق بوصہ سے اخباروں اور اشتہاروں میں ذکر ہوا کرتا تھا اب وہ اس قابل ہوگیا کہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا ہاتھ اس نذر و ہدیہ میں شامل ہو۔

واقعات اور نتیجہ واقعات صدر کو ذہن میں رکھکر ہر سمجھدار اور ذی فہم اپنے طور پر اس کا فیصلہ کرلے کہ ترک قربانی گاؤ کا فیصلہ لیڈروں نے کب سے کر لیا تھا۔

توقف کی ساعتیں محض اس تدبیر میں بسر ہوئیں کہ ایسے اسباب و وسائل مہیا ہو جائیں جن کی وساطت سے عوام لے حق تلفی نہ سمجھیں بلکہ مذہبی اعانت سمجھکر دفعتہً لبیک کہہ اٹھیں اگر واقعات کے تسلسل اور افعال کی کڑیوں کو یکجا ترتیب دینے سے کوئی نتیجہ صحیح پیدا ہو سکتا ہے تو پھر واقعات مذکورۂ بالا کے تسلسل سے اس صحیح نتیجہ پر پہونچے کہ یہ دلفریب اور لبھانے والی باتیں محض کہنے کے لئے ہیں کہ مقاصد خلافت کی اہمیت اور بقائے خلافت کی شرعی ضرورت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ گائے کی قربانی کو خلافت پر سے قربان کر دیا جائے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اگر ہندو ترک قربانی گاؤ کی تحریک کرتے تو عامۂ مسلمین ہرگز ہرگز اس کو تسلیم نہ کرتے۔ لیڈر صاحبان بھی اگر اس کی اپیل سیاسی اور ملکی پہلو سے پیش فرماتے تو ناکامیاب ہونے کا ظن غالب تھا اس جیسے مسئلہ کے لئے اسی کی ضرورت تھی کہ شرعی اور مذہبی لباس میں اسے مسلمانوں کے سامنے لایا جائے یہ نپولین کی پالیسی تھی کہ وہ مذہب کا نام نہایت گرمجوشی سے لیتا اور مذہبی بننے میں کمال مبالغہ سے کام لیتا تھا یہاں تک کہ بعضوں کو اس کے اسلام و مسلمان ہونے کا دعوی کا ہے وہ جانتا تھا کہ تالیف قلوب کا یہی ایسا حید ذریعہ ہے جسے ہمہ گیری کا حق حاصل ہے۔ نپولین کی اسی پالیسی کو مدنظر رکھکر اس وقت لیڈروں نے بھی مقاصد کانگریس کی تکمیل کے لئے مجوزہ مجلس منعقد فرمائی ہے اُسے دلکش و دلگیر بنانے کے لئے

خلافت کمیٹی کا لقب دیا ہے تاکہ نہایت سہولت سے مسلمانان ہندوستان کی گردنیں ہندوؤں کی غلامی و اطاعت میں سر بسجود ہو جائیں۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔

کانگریس کے دو اصول مقاصد کانگریس کے دو اصول کلیہ ہیں جن کے تحت میں سارے جزئیات داخل ہیں ایک کا تعلق حکومت سے ہے اور دوسرے کا مسلمانوں سے۔

مطالبات و اختیارات ملکی کا تعلق حکومت ہند سے ہے جس کے لئے ہندوؤں نے ہر طرح کی کوششیں کیں۔ بندہ ماترم کا پر جوش نعرہ ایجاد کیا۔ سودیشی کی تحریک کی یورپ کو بائیکاٹ کرنے کی قوم میں پلیں شائع کیں۔ ہڑتال عام کی بنیاد رکھی۔ انتہا یہ کہ بم بنانا سیکھا اور متعدد مواقع پر اپنے استعمال کی مشاقی بھی ظاہر کی۔ لارڈ ہارڈنگ کا واقعہ صفحات تاریخ میں بہت نمایاں مقام رکھتا ہے۔ جس کے پہلو میں کوئی دوسرا واقعہ لکھا نہیں جا سکتا۔ غرض جد و جہد کے جس قدر راستے ممکن تھے اُن سب پر یہ چلے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن

مقصد کانگریس کا دوسرا حصہ جس کا تعلق مسلمانوں سے تھا اس کے اُس خاص شعبہ میں تو ہندوؤں کو کامیابی ضرور حاصل ہوئی جس کا تعلق دفاتر ملازمت اور ممبری کونسل و میونسپل و لوکل بورڈ وغیرہ سے تھا۔ لیکن اہم ترین جز یعنی امور مذہبی میں ذرہ برابر بھی انھیں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ مسلم جب ظلم و ستم سے یا بغیر حق شرعی ہلاک کیا جائے تو وہ مرتبۂ شہادت سے فائز ہوتا ہے۔ یہی ذوق شہادت تھا جس نے مسلمانوں کو جادۂ استقامت سے ہٹنے نہ دیا۔ ہندوؤں کے ہر طرح کے مظالم کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے اور اپنی روحانی قوت اور ایمانی طاقت سے ہندوؤں کے جم غفیر کو خس و خاشاک ثابت کر دکھایا۔

وہ پریشان کن مہلک تدبیریں جن کی وساطت سے ہندوؤں نے سلطنت سے بہت کچھ

حاصل کر لیا مسلمانوں کے مقابل میں سب کی سب بے سود ثابت ہوئیں لیکن آج ہنود کے انھیں مطلوبات اور مقاصد کی تکمیل جلسہ خلافت کے ہاتھوں سے ہو رہی ہے پھر اسے اگر کوئی کانگریس کا مرادف کہے تو یہ غلط کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ہنود گائے کی قربانی میں پچاس برس سے مزاحمت کر رہے ہیں ظلم و درندگی کی کوئی قسم ایسی نہیں جسے نہایت بیباکی سے مسلمانوں کے ساتھ ہنود نے برتا ہو لیکن آج سیاسی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اگر ہنود گائے کی قربانی چھوڑنے کی تحریک کریں یا اس پر مزاحم ہوں تو صورت مسئلہ کی بدل جاتی ہے۔ مباح و مستحب مسلمانوں پر واجب ہو جائے گا۔ اس قضیہ شرطیہ کے سمجھنے کے لئے جس خاص دماغ کی حاجت ہے وہ علماء سیاست داں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مئو۔ گوپا۔ باڑھ۔ بہار۔ اجودھیا۔ آرہ۔ بشارا باد اور کٹارپور میں جو واقعات ہوئے شاید ان ہنگاموں اور خوں ریزیوں کی علت قربانی گاؤ پر ہنود کا مزاحم اور حملہ آور ہونا نہ ہوگا۔ بلکہ ہنود گائے لا کر مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے تھے کہ تم انھیں گاؤں کی قربانی کرو۔ جو ہماری پروردہ و مملوکہ ہیں اور جسے ہم برادرانہ حیثیت سے تمہیں ہدیۃً پیش کرتے ہیں اور مسلمان ان گاؤں کی قربانی کر کے بخشنا کی وتندی انکار کرتے تھے۔ آخر بات بڑھی اور فساد ہو پڑا۔

علمائے سیاسی سے ایک استفسار

براہ مہربانی سیاسی علماء اسے واضح طور پر بیان فرمائیں کہ یہ سانحے جاں ستان واقعات جبکہ اُن کے نزدیک نہ منع کرنا ہے نہ روکنا ہے نہ مزاحمت ہے حد یہ کہ ان واقعات کا مرتبہ درخواست کا بھی نہیں تو آخر ہنود مسلمانوں کے ساتھ اور کونسا طریقہ ظلم اختیار کرتے جسے آپ مزاحمت سمجھتے اور یہ فتویٰ دیتے کہ مسلمانان ہند پر گائے کی قربانی اب واجب ہو گئی اس لئے کہ ہندوؤں کی جانب سے مزاحمت اور منع پایا گیا۔

لیڈر ترک قربانی گاؤ کے لئے جن افسوسناک طریقوں کو عمل میں لائے سمجھ میں

نہیں آتا کہ ایسی بیباکی پر باوجود مسلمان ہونے کے اُنھیں جرأت کیوں کر ہوئی۔ عام طور پر مسلمانوں کے سامنے یہی پیش کیا گیا کہ ہم خلافت اور مقامات مقدسہ کے لئے انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہیں اور اُن کے مظالم کا عوض لیتے ہیں ہندو ہمارا ساتھ دیتے ہیں تم بیت اللہ اور حرم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وبارک وسلم) کو بچالوگے اگر گائے کی قربانی موقوف کردو۔

خاص دہلی میں عشرہ ذی الحجہ کے موقع پر اُونٹوں کا گشت جن پر جلی قلموں میں اس طرح کے فقرات تختوں پر چسپاں جن سے ہر مومن کا دل کانپ کانپ اُٹھتا تھا لکھکر خوب خوب مشتہر ہوئے پھر نہایت سختی سے بعض مجبور کرنے والی تدابیر سے بھی انسداد کافی کیا گیا۔ بمبئی کے مسلمانوں پر بھی خلافت کمیٹی نے قربانی گاؤ پر ستم کرنے میں کچھ کمی نہیں کی۔ خلافت کمیٹیاں کیا ہوئیں کہ گائے کی قربانی کرنے والوں پر ایک آفت وبلا ہوئی۔ اب تک قبل جو حصۂ ظلم کا ہندوؤں سے باقی رہ گیا تھا اُسے فدائیان ہنود نے اسلام کا نام لے کر مسلمانوں پر تمام کر دینے کا عزم بالجزم کرلیا ہے۔ یا ارحم الراحمین ہم مسلمانوں پر رحم فرما اور اس آئے ہوئے فتنہ کو ہمارے سروں سے دُور کر بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد۔ طرفگی یہ کہ اگر کوئی بر سبیل خیر خواہی و نصیحت دینی ان لیڈروں کے طرز میں کچھ اصلاح پیش کرے یا ترمیم کا خواستگار ہو تو اُسے کافر بیدین قوم فروش غدار وغیرہ کہکر مجمع و محفل میں فضیحت کر ڈالیں عوام کی فوج ان کے ہاتھوں میں ہے اُنھیں جس پر چاہا بھڑکا دیا لپکا دیا اہل حق اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے ہیں اور اپنی مظلومیت کی مولیٰ تبارک وتعالیٰ سے فریادیں کرتے ہیں نجات کی دعائیں مانگتے ہیں یہ ظلمہ اپنے نشۂ ظلم میں سرشار و غافل اُمّت کی تباہی میں سرگرم ہیں۔ وہ ساعت دُور نہیں جبکہ رحمت الٰہی مظلوموں کی فریاد پر لبیک جلدی فرمائے۔

مسٹر گاندھی اور ان کے چار پانچ مسلمان متبعین اب وقت اس طرح غوغا و ہنگامہ برپا کر رہے ہیں

کہ حق کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ آج کفر کا فتویٰ اُن کی بارگاہ سے صادر ہو رہا ہے جو خود حقیقت کفر و شرک اور ایمان و اسلام دونوں سے نا آشنا ہیں۔

تعلیم و تلقین کا اہل

اسلامی تاریخوں پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ فتنہ کچھ انوکھا اور عجیب نہیں ہے گمراہ کرنے کے لیے بہت تھوڑا سامان اور قلیل مہلت چاہیئے ہاں ہدایت ایک امر اہم ہے جس کے لئے حق سبحانہ نے ایک خاص سلسلہ نبوت و رسالت کا جاری فرمایا جو ہمارے پیغمبر پر آکر ختم ہو گیا پیغمبر روحی فداہ کے بعد وہی ہدایت کر سکتا ہے جس کا قدم منہاج نبوۃ پر ہو اور جس کی تعلیم و تلقین تحت وحی الٰہی و احادیث مصطفوی ہو۔

دوستو! عوام کی فوج جس سرعت عقیدت کے ساتھ دوڑ کر آتی ہے اُس سے بہت زیادہ تیزی سے دوڑ کر بھاگ بھی جاتی ہے۔ پھر انھیں معتقد بنانے کے لئے عقائد اسلامیہ کو کیوں تباہ کرتے ہو ان کی ارادت و خوش عقیدگی کیوں کر تمہاری زندگی میں حلاوت بخشے گی جب کہ تمہارا مولیٰ عزوجل تم سے ناراض ہو گیا۔ ان کے انکار و اکراہ سے ڈرتے کیوں ہو جبکہ تمہارے کاموں کو تمہارا رب العزۃ پیار و رحم کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔

از پئے رد و قبول عامہ خود را خر مکن ۔۔۔ زانکہ نبود کار عامہ خرخری و فرفری
گاؤ را دارند باور در خدائی عامیاں ۔۔۔ نوح را باور ندارند از پئے پیغمبری

سیلاب مغالطات و تحریف حدیث

جلسۂ خلافت کی بنیاد ۱۹۱۸ء کی ۲۰؍ نومبر کو بمقام دہلی جبکہ ہندو اور مسلمانوں نے مل کر رکھی اور پھر اس کی کارروائیاں اخبار و جرائد میں مطبوع ہوئیں حیرت ہوتی تھی کہ الٰہی یہ مسلمانوں کی عقل کو ہو گیا گیا ہے جواب عالم الغیب قادر مطلق سمیع و بصیر سے بھی پالیسی کرنے لگے اسی حیرت میں تھا کہ لیگ کا جلسہ ہوا اور حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب کا خطبۂ صدارت دیکھنے میں آیا وہاں بھی وہی رنگ مغالطہ سر تا سر

پایا گیا بلکہ حکیم صاحب نے ایک قدم بڑھکر یہ جرأت بھی فرمائی کہ حدیث شریف کا ایک جملہ نقل کرتے ہوئے ایک لفظ بڑھا دیا اور الخ لکھکر ترجمہ اور نتیجہ بیان فرمایا وہی لفظ جس کا اضافہ فرمایا گیا دار ومدار دلیل اُسی کی وجہ سے چند سطور کی تحریر الخ لکھکر نقل ناتمام چھوڑنے سے یہ فائدہ کہ ناظرین کا ذہن اس بے ربط اضافہ سے متوحش نہونے پائے۔ چند روز تک سمجھ میں نہ آیا کہ اس طرح جعل اور تحریف سے کیا مدعا ومقصود ہے آخر ایک خط لکھا جس میں نہایت نیاز مندانہ طور پر یہ سوال تھا کہ حضرت ام سلمہ سے مروی روایت کس کتاب سے آنجناب نے نقل فرمائی جواب میں سکوت رہا شاید خط ضائع ہوا۔ فقیر خود دہلی گیا یہ رجب کی اوائل تاریخوں کا ذکر ہے مسلم یونیورسٹی کا وفد اُس وقت دہلی گیا ہوا تھا۔ در دولت پر جا کر معلوم ہوا کہ طبیعت ناساز ہی پاؤں میں کچھ شکایت ہو گئی ہے دوسرے دن پھر پہونچا معلوم ہوا کہ مدن موہن مالویا صاحب سے کچھ مشورہ ہو رہا ہے۔ بعض حضرات اہل علم جن کی آمد ورفت جناب حکیم صاحب کے یہاں جاری ہی اُن کی خدمت میں پیام بھیجا کہ حدیث شریف میں جو غلطی ہو گئی ہے اُس کی تصحیح کی طرف حکیم صاحب کو توجہ دلایئے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ یہ کوشش بھی بے اثر ثابت ہوئی۔

چوتھی رجب کو سرکار اجمیر آستانہ غریب نواز پر حاضر ہوا۔ ایک دن بعض علمائے سیاسی سے ملاقات ہوئی عرض کیا کہ یہ فتنہ عظیم ہی ہنود کی خاطر مسلمانوں کا گلا نہ گھونٹئے۔ دیکھئے حدیث میں جعل وتحریف تک کی نوبت آ گئی تین مہینے گزر گئے اور کوئی اعلان نہیں کیا ہی کہ اصل حدیث میں لفظ ثناۃ نہیں ہی غلطی سے لکھا گیا ہی۔

ہر ایک شخص جس کے پاس خطبہ صدارت مسلم لیگ ہو اس مقام خاص کی تصحیح کر لے نیز علمائے موسسین اتحاد ہندو مسلم کا یہ فرض ہی کہ اتحاد کے حدود متعین فرمائیں عوام کو فتنہ

لگانے اور مندروں میں جا کر ریوڑیاں بتوں پر چڑھانے سے منع کریں اوران افعال کی شناعت کھلے لفظوں میں بیان فرمائیں ورنہ ایمان کی بربادی کا خطرہ ہے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فقیر کی اس التماس کی علمار سیاسی کی خدمت میں بھی ذرہ برابر شنوائی نہ ہوئی آج تک وہی سکوت ہے وہی اعراض ہے وہی چشم پوشی ہے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ رہے سہے اعمال قبیحہ مسلمانوں نے تلک آنجہانی کی مصنوعی لاش کے موقع پر ادا کئے اور علماء سیاسی نے پھر اپنے سکوت سے ان امور کے جواز و استحسان پر تازہ مہر ثبت فرمادی۔

جمعیت کا پہلا اجلاس اور فقیر کی التماس | کانپور میں ماہ رجب ایک بڑے پیمانہ پر علماء کا جلسہ ہوتا ہے وہاں کے بعض کارکن علماء سے یہ استدعا پیش کی گئی کہ مسلمانوں کو اعمال شرک وکفر میں شریک ہونے سے باز رکھئے اور قربانی گاؤ کے متعلق غلطی تسلیم کرلیجئے لیکن جواب وہاں سے بھی سکوت ہی میں ملا ہر طرف سے مایوس ہوکر انتہائے بیقراری میں فقیر نے رسالہ ارشاد لکھا اور مسلمانوں کو امر حق سے آگاہ کیا اس رسالہ کی اشاعت اوّل عشرۂ رمضان المبارک میں ہوئی لیڈران قوم کے پاس ٹکٹ چسپاں کرکے نسخے بھیجے گئے تین ماہ کے عرصہ میں تقریباً تین ہزار نسخے مختلف امصار و قصبات میں تقسیم ہوئے اب آکر جبکہ خطبۂ صدارت مسلم لیگ کو آٹھ مہینے اور الارشاد کی اشاعت کو کامل تین مہینے گذر چکے حکیم صاحب اپنی غلطی کا اعتراف پیچ در پیچ اعتراض وسوال و اپیل کے لپیٹ میں تحریر فرماتے ہیں حالانکہ مذہبی نقطۂ نظر سے یہ ایسی خطائے فاحش تھی جس کا اعلان بلا جواز توقف حکیم صاحب کو بذریعۂ تار مختلف ومتعدد اخبار و جرائد میں اسے بہت قبل کرنا تھا ساتویں ذی الحجہ کا اخبار البشیر جو بیرونجات میں عین بقرعید کے روز پہونچا ہوگا اُس میں اس طرح اعتراف کرنے سے مقصد ومطلب یہی کہ مسلمانوں کو اقرار کا علم بھی اُس وقت ہو جب کہ سب مراحل قربانی کے طے

پا جائیں اسی کے ساتھ حق پسندی کی داد مل جائے گی۔

خیر یہ تو اپنا اپنا ذوق مذہبی ہے جس کے دل میں حدیث مصطفوی کی عظمت ہے وہی یہ بھی جان سکتا ہے کہ اس طرح کی خطا کا کفارہ کیوں کر ادا ہوتا ہے مجھے تو حکیم صاحب کے ایک سوال کا جواب دینا ہے جسے صاحب موصوف نے اپنی غلطی کا اعتراف فرماتے ہوئے آخر میں پیش فرمایا ہے حکیم صاحب تحریر فرماتے ہیں "میرے اوپر ایک یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حدیث اذا اراد احدکم ان یقضی بالشاۃ میں آخری لفظ شاۃ کا کسی کتاب میں نہیں ہے میں اس اعتراض کو قبول کرتا ہوں اور یہ بات ظاہر کرنی ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ لفظ محض غلطی کی وجہ سے لکھا گیا در اصل یہ کسی حدیث کا جزو نہیں ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ اعتراض کرنے والے بزرگ اس سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔"

ارشاد پر اعتراض کا جواب

فقیر نے حکیم صاحب پر اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ ایک حقیقی اور واقعی امر کا اظہار تھا رہا فائدہ وہ حکیم صاحب ہی بیان فرمائیں کہ کون سا مقصد حاصل کرنا تھا جس کے لیے حدیث میں اضافہ کی حاجت ہوئی اور اب کہ غلطی کا اعتراف ہے ان پانچ سطروں کا خطبۂ صدارت میں کیا فائدہ ہے۔

فقیر کا اس کشفِ حقیقت سے صرف یہی مدعا تھا کہ عالی جناب حکیم صاحب اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائیں اور مسلمانوں کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ایک لفظ اپنی طرف سے بڑھانا اور اسی اضافہ کو مقام استشہاد میں لانا اس خطبۂ صدارت میں صرف اسی ایک جگہ ہوا ہے جہاں حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے بقیہ ہمارے حوالے اعیان و وزرائے انگلستان کے صحیح ہیں کسی طرح کے شک و شبہ کو اس میں دخل نہ دینا چاہیے اس کے سوا نہ کوئی مدعا نہ کچھ اور فائدہ۔

ارباب بصیرت جن کی آنکھیں نورِ ایمان سے منور ہیں انہوں نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ آیا اسلام

اور اسلامی خلافت کی حمایت کی جا رہی ہے یا کفر و شرک کا طغیان ہے جو مسلمانان ہند پر لایا جا رہا ہے۔

جنگ بلقان اور موقع مناسب کا اتلاف

شاید مسلمانوں نے ابھی وہ عہد فراموش نہ کیا ہو جب کہ جنگ طرابلس شروع ہوئی اور اُس کے ختم ہونے سے پیشتر بلقان کی لڑائی چھڑ گئی اُس وقت خلافت کی ہمدردی میں جو جوش مخلصانہ مسلمانوں میں پیدا ہوا تھا وہ موجودہ حمایت خلافت سے اپنی شکل و صورت اور طرز و انداز جداگانہ ہی رکھتا تھا اُس میں نہ تو کسی ہندو کی لیڈری تھی نہ مسلمانوں کو ان کی غمگساری کی حاجت وہ ایک ایسا موقع بیداری کا مسلمانوں کے لئے آیا تھا کہ رہنمایان قوم اگر چاہتے تو مسلمانوں کی آنکھوں سے نیند کا خمار بھی دفع ہو جاتا لیکن ہزار افسوس اس بدنصیب قوم پہ جسے بیداری کے بعد پھر خواب آور دوا پلادی گئی۔

وفد طبیہ کا قسطنطنیہ سے واپس آنا تھا کہ اسلامی جذبات خالص سیاسیات ہند کی طرف پھیر دیئے گئے میدان جنگ میں ایک لمحہ کے لئے خاموشی کیا ہوئی کہ لیڈروں نے بھی خلافت کی خدمت گذاری کسی آیندہ موقع کے لئے اُٹھا کر رکھدی۔

حوادث پیہم و مسلسل وقوع پذیر ہوتے رہے مہینہ پر مہینہ گزرتا رہا برس پر برس ختم ہوا کئے لیکن نہ کوئی چندہ حرمین شریفین کے لئے جمع کیا گیا نہ مسلمانوں کے سامنے خلافت کی ضرورت پیش کی گئی نہ کوئی خالص مذہبی تحریک محض اسلامی نقطۂ نظر سے سامنے لائی گئی گویا ساری تحریکیں موسمی تھیں جن کا وجود تغیر موسم کے ساتھ نیست ہو گیا اس عرصہ میں انجمنیں ہوتی رہیں محفلوں میں بھی گرما گرمی رہی لیکن مذہب وقت کی کس مپرسی علیٰ حالہ رہی اس بیکس کی طرف کسی نے ایک نگاہ بھی نہ ڈالی لیڈروں کی اب یہ کوشش تھی کہ مادر وطن جس کی خدمت گذاری

کی سعادت سے مدتوں محرومی رہی اُس کے حقوق ادا کرنے کا وقت آگیا رہے مذہب کے حقوق (بشرطیکہ اُن کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے) پھر دیکھا جائے گا ملکی بھائیوں کی غمگساری اور پشت پناہی کے مقابل میں دینی بھائیوں کی امداد کا ذکر بھی گناہ ہے لہذا اُن سے اعراض و چشم پوشی ہی چاہیئے۔

یہ سارا عہد سکوت اسی میں بسر ہوا کہ مسلمان لیڈر کانگریس اور لیڈران کانگریس میں مدغم ہو جانے کے لئے ہر طرح کی سعی کرتے رہے یہاں تک کہ رولٹ بل کا وقت آیا اور ستیاگرہ کی ایجاد ہوئی اُس وقت عجیب عجیب طرح سے مسلمانوں نے دین کی توہین کی تاکہ اہل ہنود کو یہ یقین ہو جائے کہ تمہاری اطاعت کے سامنے مذہب کی اطاعت یوں قربان کیجا سکتی ہے۔

واقعۂ پنجاب اور یادِ خلافت پنجاب میں ستیاگرہ کے موقع پر کچھ ایسی پیچیدگیاں پڑ گئیں کہ معاملہ مارشلاء تک پہونچا یہ زخم ہندوؤں کے دل پر ایسا گہرا لگا کہ اس کا اندمال کب ہوگا اور کیوں کر ہوگا اسے کوئی بتا نہیں سکتا اب انھیں ضرورت ہوئی کہ مسلمانوں میں بھی کوئی عام اشتعال ہوتا تو اس گرما گرمی میں اُس مقصد کی راہ جس کی طرف آربندو گھوش نے رہنمائی کی اور جس سوا راج کی دلربا تصویر اُس نے دکھائی تھی بہت جلد طے ہو جاتی ہے۔

ہندوؤں میں اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ جاں نثاروں نے فوراً خلافت کا مسئلہ تیار کر لیا اُسی بیکس مذہب اور اُسی کس مپرس دین کا نام لے کر مسلمانوں کو للکارنے لگے خلافت کے لئے بزم ماتم قایم ہوئی جلسہ ہوا ہڑتال کی تجویز ہوئی اور روزہ کا بھی حکم دیا گیا دیکھئے اطاعت اس کا نام ہے ستیاگرہ کے موقع پر مسٹر گاندھی کا یہی حکم تھا کہ فلاں روز روزہ رکھا جائے دوکانیں بند ہوں رزولیوشن پاس کئے جائیں اور مندروں مسجدوں میں دعائیں بھی ہوں رولٹ بل پر ہندوستانی اس طرح اظہار ناراضامندی کریں آج خلافت کے متعلق بھی اُسی سبق کو بعینہ بجنسہ

ٹہرا دیا گیا گویا مسلمانوں کے مذہب میں دفع مصائب وآلام کے متعلق بالکل سکوت ہے یا مسٹر گاندھی کی تجویز مذہبی تعلیم سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

اب خلافت کمیٹی کی بنیاد پڑی چندہ کی تحریک ہوئی ماتحت کمیٹیاں ہر شہر وقصبات میں قایم کی گئیں علماء سے فتویٰ پوچھا گیا غرض خلافت کے لئے ہر ممکن العمل تجاویز کا یکبارگی آغاز ہوگیا۔

خلافت کا نام اور سوارلج کا کام

عوام اور سطحی نظر رکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ دین کی خدمت ہمارے لیڈر بڑی جانبازی وسرفروشی سے کر رہے ہیں لیکن تعمق نظر سے جب تحریکات پر کسی نے نظر ڈالی تو اُسے صاف معلوم ہوگیا کہ ہندوؤں کے چبائے ہوئے نوالے ہیں جسے ہمارے لیڈر منہ میں پھیر رہے ہیں وہی سودیشی جس کی ایجاد کو بیس پچیس برس ہوئے وہی بندہ ماترم بایں الفاظ کہ ہندو مسلمان کی جے وہی بائیکاٹ یورپ وہی ہڑتال یہ سب تجویزیں بلحاظ مستقیم صلاح و فلاح ملک سے متعلق ہیں اور ان سب کے ایجاد کا سہرہ ہندوؤں کے سر ہے جو ہندوستان کو اپنا ملک کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں جن کا دعویٰ ہے ہند وا در ہندوستان۔ رہے مسلمان اُن کا تعلق اسی سے سمجھئے کہ ایک امر شرعی و مذہبی جس کا مرتبہ استحسان واستحباب کا بتایا گیا ہو نہایت خوشی سے مسلمانوں نے ہندوستان اور یہاں کی دولت و تعلقات کو ترک کر اسکتا ہے جیسا کہ مسئلہ ہجرت کے وقت عملاً ثابت ہو چکا۔

ہر وہ ایجاد اور ہر وہ تحریک جو کسی قوم کی ہو جب اُسے دوسری قوم اختیار کرے تو یہ اُس ایجاد و تحریک کی انتہائی کامیابی ہے پس یہ ساری تحریکیں ہندوؤں نے اپنے ملک کے لئے کی تھیں جنھیں آج مسلمانوں نے اختیار کرکے ان کی کامیابی پر مہر لگادی سودیشی اور بائیکاٹ کی ایجاد ہندوؤں نے اس لئے کی تھی کہ ملک کی دولت ممالک غیر میں کھنچکر

جانے سے محفوظ رہے صنعت و حرفت جس کا نام و نشان بھی اب باقی نہ رہا ان کا نہ صرف
رواج ہو بلکہ مرتبہ کمال تک انھیں پہونچایا جائے اہلِ ملک آسودہ ہوں اور خود ملک
صنعت و حرفت دولت و تجارت سے بارونق ہو جائے۔

ہڑتال کی ایجاد

ستیا گرہ کے موقع پر ہڑتال کی ایجاد ہندوستان میں مسٹر گاندھی کی
تحریک کا نتیجہ ہے یہ وہی چھیڑ چھاڑ ہے جس کا مزہ بتیس برس سے
ہندو لے رہے ہیں۔ ہندوؤں کا قدم ہر روز آگے کی طرف بڑھتا جاتا ہے جو آج اُن کا مقصد
ہے کل آئندہ وہ حاصل ہو کر اپنے سے بلند مقصد کے لئے واسطہ بن جاتا ہے۔
سُدیشی اور بائیکاٹ کی اُسی مدت تک گرما گرمی رہی جب تک تمام ہند اس کی
اہمیت و خوبی نہ سمجھ لئے جب ملک نے اس تحریک کی حقیقت سے آشنائی حاصل کرلی تو پھر
اُنھیں آگے بڑھنے کے لئے کہا گیا آخر ایک وہ وقت آیا کہ ایک محدود دائرہ میں ہڑتال کی
تحریک پیش کی گئی اور کامیابی بھی ہوئی یہ بہت ہی پرلطف اور بارآور چھیڑ ہے ابھی ہڑتال
دوکانوں تک ہی ذرہ اس کے فوائد اہلِ ملک سمجھ جائیں تو پھر اس کا دائرہ وسیع کیا جائیگا
غرض اس وقت تک خلافت کمیٹی نے جو عملی تجاویز مسلمانوں کے سامنے پیش کی ہیں وہ
سُدیشی اور ہڑتال ہی سدیشی کی تحریک بہت قدیم ہی لیکن ہڑتال کی ایجاد ستیا گرہ کے
موقع پر ہوئی ہے ان دونوں کا اصل تعلق صلاح و فلاح ہند سے ہی ہوم رول اور سلف
گورنمنٹ کے استقبال کرنے والے خدام انھیں تحریکات کے نتائج و اثرات ہیں۔

نان کوآپریشن

اب نان کوآپریشن کے مسئلہ کو لیجئے اور یہ سُن کر حیرت زدہ نہو جئے
کہ یہ دوسرا شعبہ ہڑتال کا ہی تعلیم یافتوں کا حلقہ اس کا دائرہ عمل
ہی ابھی ہڑتال کی بہت سی اعلیٰ شاخیں برگ و بار کے لئے مناسبت موسم و ایام کی منتظر ہیں

صبر کیجئے اور دیکھتے جائیے۔

اگرچہ نان کوآپریشن کی صدا عام مسلمانوں کے کانوں میں خلافت کمیٹی ہی نے پہنچائی ہے لیکن ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ؎

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں میگویم

مناسب ہوگا اگر دیگر دلائل سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کا وہ خط جو نان کوآپریشن کے متعلق چھپ کر تعداد کثیر میں شائع ہو چکا ہے نقل کر دیا جائے تاکہ ہر صاحب عقل اس خط کے ایک ایک فقرہ پر غور کرے اور یہ دیکھے کہ اس مسئلہ کو مذہب اسلام سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔

مکرمی دام مجدہم۔ السلام علیکم

جناب کا تار وصول ہوا فقیر نان کوآپریشن کے مسئلہ میں بالکل پیرو گاندھی صاحب کا ہے کیونکہ اس طریق کار کا واقف کار نہیں ہے ان کو اپنا راہ نما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں میرا حال تو سردست اس شعر کے موافق ہے ؎

عمر یکہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستے کردی

مولانا کے صدق و صفا کا مسلمانوں کو بدل ممنون ہونا چاہیئے جو آپنے اس طرح کھلے اور صاف لفظوں میں حقیقت واقعی کو بالکل ہی بے نقاب فرما دیا اس مسئلہ کو اگر دین و مذہب سے کچھ بھی تعلق ہوتا تو مولانا کھلے الفاظ میں اپنی ناواقفیت کا اقرار نہ فرماتے اگر شریعت اس کی رہنمائی فرماتی تو مولانا صاحب مسٹر گاندھی کو اپنا راہ نما نہ بناتے اگر اس مسئلہ کی تعمیل حکم قرآن و حدیث سے

مسلمانوں پر ضروری تھی تو پھر مولنا صاحب یہ کیوں ارشاد فرماتے "جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں"
ہر مسلمان جب کہ خدا اور اُس کے برگزیدہ رسول کے حکم کو مانتا ہی تو ایک عالم دین کی شان
تو کہیں اس سے ارفع و اعلیٰ ہونی چاہیئے۔ خود اپنے نفس نفیس کے لئے جب یوں ارشاد ہو
"پیرو گاندھی صاحب کا ہی" تو پھر مولنا کے متبعین و مریدین کا حلقہ بگوشی سے گاندھی صاحب کے
دعوی خروج سلسلہ ارادت کو اُن کے مجروح کرتا ہی وہ بھی حافظ شیرازی کا یہ شعر اپنے موافق حال
وجد و طرب میں اگر پڑھ سکتے ہیں ؎

ما مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں
رو بسوئے خانۂ خمّار دارد پیرِ ما

ایک مغالطہ کا ازالہ

ہاں بعضوں کو یہ مغالطہ دیا جا سکتا ہے کہ اگر نان کوآپریشن ہڑتال کا ہی
ایک شعبہ ہی اور یہ وہی ستیاگرہ ہی جسے لباس بدل کر سامنے لایا
گیا ہی جس کی کامیابی ہوم رول اور سلف گورنمنٹ کی نقیب و جاوُش ہی تو پھر کانگریس میں
مخالفت کیوں ہوئی تین دن تک مباحثہ کی گرماگرمی کیوں تھی ہندوؤں نے یہ کیوں کہا کہ ہم
ہنود اس مسئلہ کو محض مسلمانوں کی خاطر سے منظور کرتے ہیں اس مسئلہ کا تعلق چوں کہ محض مسلمانوں
سے ہی اس لئے پہلے عمل بھی اُنھیں کو کرنا چاہیئے مسلمان نمونے اور مثالیں پیش کریں تب ہنود
اس پر عمل آرا ہوں گے یہ مغالطہ ادنیٰ تامل سے رفع ہو سکتا ہی۔

ہندوؤں کی جماعت مجسمہ عمل ہی اُن کے لیڈر ایسا کوئی رزولیوشن پاس نہیں کرنا چاہتے ہیں
جس کی تائید میں ساری قوم لبیک نہ کہہ اُٹھے۔ بیشک اس مسئلہ میں بعض لیڈران ہنود کا یہ خیال
تھا کہ ابھی ملک اس شعبہ میں ہڑتال کے لئے آمادہ نہیں ہی تکملہ ہڑتال کے لئے تدریج و آہستگی
سے کام لینا چاہیئے لیکن مسٹر گاندھی کے خیال میں دہکتے لوہے کو فوراً کوٹنا چاہیئے ورنہ ٹھنڈا

ہوکر ہرگز کوتاہ نہ جائے گا۔

مسٹر گاندھی نے اپنی پالیسی سے جو گرمی کہ اس وقت مسلمانوں میں پیدا کی ہے اُس کا بجھنا ہڑتال کے کمال پذیر ہونے میں سم قاتل ہے اس لئے اُن کے خیال میں یہ محض ضروری تھا کہ جلد سے جلد ہڑتال کے تمام شعبے اپنی عملی صورت میں آجائیں۔

رہا ہندوؤں کا یہ کہنا کہ محض مسلمانوں کی خاطر ہے اس لئے عملی نمونہ مسلمان پہلے پیش کریں یہ صرف اس لئے کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی قوت عمل سے ہنود بہت اچھی طرح باخبر ہو گئے تھے

مسلمانوں کی پیچ میز تر لفاظیاں

جہاں تک رزولیوشنوں کا تعلق ہے یا تقریر کا میدان باندھنا ہے وہاں مسلمانوں کا قدم سب سے آگے ہے دشوار ہے دشوار بلکہ ناممکن سے ناممکن امر کے لئے مسلمان رزولیوشن پاس کرنے کے لئے فوراً آمادہ نظر آئیں گے اسٹیج پر ایسی تقریریں بھی ہو جائیں گی کہ اجنبی یہ سمجھے کہ زمین و آسمان کا طبقہ یہاں سے اُٹھ کر یہ قوم اُلٹ دے گی لیکن جہاں سے عمل کا میدان آتا ہے وہاں اس قوم کا سایہ بھی نظر نہ آئے گا۔

ایسی سست و کاہل قوم سے کام لینے کے لئے یہ ضرور تھا کہ ہندوان پر اپنے احسان کا چھپر رکھیں اس دباؤ کا پورا زور پہونچائیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں سب تمہارے لئے ہے ورنہ ہمیں کیا غرض پڑی ہے جو کچہریوں کو چھوڑیں کونسلوں کو بائیکاٹ کریں اس لئے کہ حکومت برطانیہ سے ہمیں تو کچھ شکایت ہی نہیں ہاں تمہارے محروسہ و مقبوضہ سلطانی کو سلطنت برطانیہ اپنے تصرف میں لائی ہے اور مقامات مقدسہ کے متعلق وزرائے انگلستان نے اپنے مواعید پورے نہیں کئے تم ہمارے وطنی بھائی ہو لہٰذا تمہاری دردمندی میں خطابات اعزازی عہدے اور وکالت و بیرسٹری یہاں تک کہ کونسل کی ممبری جان سب سے ہم دست بردار ہوتے ہیں۔

مسئلہ ہڑتال یا نان کوآپریشن کی صورت تحریکات سابقہ سے بالکل جداگانہ شکل رکھتی ہے

سودیشی اور بائیکاٹ وغیرہ ایسی تحریکیں تھیں جن میں کامل اتحاد و اتفاق کے بغیر بھی ایک حد تک کامیابی ہو سکتی تھی اور ہوئی لیکن ہڑتال اپنے کسی شعبہ میں بھی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اہل ملک کا کامل اتفاق و اتحاد نہ ہو۔

ہڑتال اور مسٹر گاندھی کی فیلسوفی

ایسا ملک جس میں ایک ہی قوم آباد ہو وہاں ہڑتال کی تحریک بلا اعتبار آور ہو سکتی ہے لیکن ایک ایسا ملک جس میں مختلف قومیں آباد ہوں وہاں تحریک ہڑتال سے پیشتر ملک کی آبادی کا کسی ایک مرکز وفاق پر اجتماع از بس ضروری ہے مسٹر گاندھی کی دُور بین نگاہوں نے جب یہ دیکھا کہ مادر وطن کا نام لے کر مسلمانوں کو من حیث القوم حرکت میں نہیں لایا جا سکتا چاہے چند ذی وجاہت یا شہرت پسند شریک ہو جائیں لیکن قوم کی قوم کی شرکت متعذر ہے تو وہ ہندوؤں کے سامنے آزادیٔ ہند کو شیفتہ لائے اور مسلمانوں کے سامنے مسئلہ خلافت پیش کیا اور اس ایک مرکز پر کہ انگریزوں کا وجود دونوں کی گرفتاری اور پامالی کا موجب ہے ہندو مسلم دونوں متضاد قوموں کا اجتماع کر دیا۔

لیکن اسی کے ساتھ مسٹر گاندھی کی کمال ہنرمندی کا اظہار اس حکیمانہ طرز عمل سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ میں صرف انھیں مقاصد و اغراض کے تکملہ اور تحصیل کے لئے لا کر کھڑا کر دیا جس سے ہندوستان کی آزادی برسوں کی راہ گھنٹوں میں طے کرلے یہ ملک جس قدر آزادی سے قریب ہوتا جائے اسی قدر خود مسلمانوں ہی کے جد و جہد سے ہندوؤں کی حکومت یوماً فیوماً قوی ہوتی جائے اور مسلمانوں کی ہستی ہندوستان میں مٹتے مٹتے شودر کے مرتبہ پر پہونچ جائے۔

شاید مسلمانوں کو ہندو لیڈروں کی اس زمانہ کی پالیسی ابھی یاد ہو گی جب کہ یورپ کے میدان کارزار میں جنگ کی آگ ایسی بھڑکی جس کے شعلوں اور چنگاریوں سے ہندوستان کا

معئون و محفوظ رہنا بھی سرض خطر میں تھا اُس وقت خصوصیت کے ساتھ مسٹر گاندھی کی پالیسی مسلمانوں کے ساتھ اُن کی مخلصانہ محبت کا اچھا سراغ بتاتی ہی۔

لیکن جنگ کا خاتمہ جب کہ ایسے پہلو پر ہوا کہ برٹش گورنمنٹ کا قبضہ ایشیا کے حصص میں زیادہ ہوگیا اور ان جدید محروسات کی آبادیوں کا فوج ولشکر کی صورت میں ہندوستان میں رکھا جانا قرین قیاس معلوم ہوا تو اب ہندوستان کی آزادی اور ہندوؤں کا اقتدار اخص لیڈران ہنود کو محل خطر میں نظر آنے لگا جیسا کہ لالہ راجپت رائے نے اپنی تحریر میں ان دونوں خطروں کو کھول کر بیان بھی کیا ہی۔

یہ عجیب کش کش کا وقت ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے لئے تھا اگر دونوں قومیں ایک دوسرے سے اجنبی رہتی ہیں تو مدعا فوت ہوتا ہی اور اگر ایک بڑھکر دوسری سے اتحاد کی استدعا پیش کرتی ہی تو استدعا کے ساتھ ہی دوسرا فریق اس مستدعی کو اپنے میں جذب کرلینا چاہتا ہی انفراد میں ناکامیابی ومایوسی ہے اور اتحاد واجتماع میں تجاذب وادغام۔

اس عقدۂ لاینحل کو مسٹر گاندھی نے اپنے ناخن تدبیر سے ایسا سلجھایا کہ مسلمانوں کی عقلیں اُلجھ گئیں اسی اُلجھن میں مسلمانوں نے اتحاد کا ہاتھ بڑھانے سے پیشتر مدغم ہوجانے کی کوشش کی قشقہ کھینچا مندروں میں گئے چڑھاوے چڑھائے بتوں پر پھولوں کا تاج رکھا گئوماتا کی جے پکاری قربانی گاؤ سے توبہ کی منبر ومکبر پر ہنود کو تبلیغ وہدایت کے لئے جگہ دی اب مضامین لکھے جاتے ہیں کتابیں شائع ہوتی ہیں وعظ کئے جاتے ہیں جن کا موضوع یہ ہوتا ہے کہ کفار ومشرکین میں جذب ہوجانا عین دین واسلام ہی۔

کانگرس سے مسلمانوں کے اعراض کی وجہ

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہندوستان کی آزادی یا نظام سلطنت ہند کی

ایسی تبدیلی جس سے اہل ملک اور ارباب حکومت سطح مساوات پر آجائیں یا مساوات سے قریب تر ہو جائیں اُس وقت تک ناممکن ہے جبتک ملک کی دونوں بڑی آبادیاں یعنی ہندو اور مسلم باہم متحد و ہمنوا نہ ہو جائیں اسی اصل کا لحاظ رکھتے ہوئے ابتدائے عہد کانگریس میں ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں کو اپنا ہم آہنگ بنانے کی کوشش بلیغ کی گئی لیکن اُس وقت یہی مصلحت قرار پائی کہ مسلمانوں کو سیاست میں اُس وقت تک دخل نہ دینا چاہیئے جب تک علوم مغربیہ کا ایک کافی حصہ مسلمان حاصل نہ کرلیں۔

ہندوؤں کی رفتار ترقی کی سمتیں ہندوؤں نے جب مسلمانوں کی نہ صرف کنارہ کشی بلکہ کانگریس کے مقاصد طرز عمل سے مخالفت و بیزاری دیکھی اور ان کی جانب سے اُنھیں مایوسی ہوئی تو انھوں نے نہایت ہی عزم و استقلال سے حکیمانہ انداز پر اپنی قومی رفتار کی حرکت تین سمتوں میں منقسم کر دی۔

ایک جماعت نے اقتصادیات کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اکتساب دولت کے جس قدر ذرائع اور وسائل تھے اُنھیں اپنے ہاتھوں میں لے لینے میں ساعی و کوشاں ہوئے خصوصیت کے ساتھ ساہوکاری کو اس سلیقہ سے انجام دیا کہ پچاس برس کے عرصہ میں مسلمانوں کی تقریباً ساری دولت سمٹ کر ہندوؤں کی ملکیت ہو گئی اِلّا ماشاء اللہ۔

دوسری جماعت نے تعلیم اور اُس کے ثمرات کی طرف قدم بڑھایا اور اس راہ میں بھی اُنھیں بے انتہا کامیابی حاصل ہوئی خاص ہندوؤں کی تعلیم گاہوں کا شمار جو کیا گیا ہے اور پھر اُس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی درسگاہیں رکھی گئی ہیں تو ان کا بھی نقشہ سامنے آگیا ہے جو سماں دولت کا مقابلہ کرتے ہوئے پیش نظر ہو چکا ہے۔

تعلیم کے بعد ملازمت اور عملی پیشہ کا میدان سامنے آتا ہے یہاں بھی ہندوؤں کا مقابلہ مسلمانوں سے وہی نتیجہ دیتا ہے جو سابق کے دو مقابلوں میں

حاصل ہو چکا ہے۔

تیسری جماعت نے عملاً سیاسیات کی طرف اپنا قدم بڑھایا اور نہایت عزم و استقلال سے اس حوصلہ شکن صبر آزما راہ پر چلنے لگے اس میں شک نہیں کہ سیاست کی راہ بہت ہی پرخطر تھی اس کی سنگلاخ زمین قدم قدم پر ایک پرخار وادی سامنے لاتی تھی جس پر چلنا اپنے تلوؤں کو زخموں سے چور چور اور پاؤں کو گھائل بنانا تھا لیکن ہندوؤں کے عزم اور ہمت مردانہ کی داد دینی چاہیئے جنھوں نے نہایت ذوق و شوق سے اس پیچ در پیچ خار زار سے نہ صرف گزرجانا بلکہ اس راہ کو صاف کر دینے کا عزم کر لیا تھا۔

اُن کے لئے ہر نوک خار لذت افزا اور ولولہ انگیز تھی ہر ٹھوکر سنگ راہ کی اُن کے سمند شوق کے لئے مہیز تھی قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھریاں قصروایواں کی راحت و فضا سے ہمسری کرتی تھیں طوق و سلاسل کی جھنکار اور آہنی زنجیروں کی سیاہی مرصع زیوروں کی چمک دمک اور اُن کی آواز سے زیادہ گوش نواز اور نظر افروز تھی۔

سلف گورنمنٹ کا نذرانہ

یہ سب کچھ تھا لیکن حکومت کی ہمکناری جس چڑھاوے اور قربانی کی خواہاں تھی اب تک ہندوؤں کے ہاتھوں نے وہ نذرانہ پیش نہیں کیا تھا اسی لئے سلف گورنمنٹ اور ہوم رول کا خوشنما منظر قریب تو ہو گیا تھا لیکن حجاب کے پردے ہنوز اُس پر پڑے ہوئے تھے ضرورت تھی کہ بہت سی جانیں حکومت کی دیبی پر بھینٹ چڑھادی جائیں سیاست کے سارے منازل میں یہ منزل سخت ترین تھی قرب شوق کی آگ بھڑکا رہا تھا اور جان کی اضاعت دامن پکڑتی تھی نگہی اور رائگاں جانوں کی تلاش تھی بالآخر امعان نظر اور تعمق فکر کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ تینوں جماعتیں اپنے اپنے سی سالہ کمائے ہوئے سرمایہ کی اس طرز خاص سے ایک جھلک مسلمانوں کو دکھلائیں کہ اُن کی نگاہیں خیرہ اور عقول حیرت زدہ

ہو جائیں کچھ اپنا خیر و شر اُنھیں نہ سجھائی دے نہ سمجھ میں آئے ہاں اس پراگندگی تو اس میں اپنی رہی سہی ہستی کھو بیٹھیں اس عمل سے قربانی کی ضرورت بھی پوری ہو جائیگی اور یہ پہلو کا کانٹا (وجود مسلم) بھی نکل جائے گا۔

سحر سامری کا کرشمہ اس سحر سامری کو مسلمانوں کی آنکھوں نے جب دیکھا تو انھیں صاف نظر آیا کہ ہندوستان کی دولت اور سرمایۂ دولت ایک جماعت کے ہاتھوں میں ہے ماہرین علوم مغربیہ جوق در جوق ایک دوسری جماعت کے ساتھ ساتھ ہیں۔ تیسری جماعت سلف گورنمنٹ کی طرف ہاتھ بڑھا رہی ہے اور اشارۂ قریب کر رہی ہے وہ ساعت دُور نہیں جب کہ یہ جماعتیں متحد ہو جائیں تو دولت علم اور حکومت تینوں کا اجتماع قوم ہنود میں ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں نے للچائی ہوئی نظر سے اس جماعت کو دیکھا اور تڑپ کر رہ گئے اس لئے کہ اس دور فرصت میں جب کہ ہندو اپنی قوم میں زندگی کی رُوح پھونک رہے تھے اور حکیمانہ طرز پر اُن اسباب کی فراہمی میں مصروف تھے جن کے اجتماع کا نتیجہ قوم کا زندہ ہو جانا ہے مسلمان نہایت اطمینان و سکون سے اس راہ پر برابر قدم بڑھائے جا رہے تھے جس کا نتیجہ پستی اور ادبار اور مُردہ قوم بن کر رہنا ہے۔

یہ دولت بگاڑتے تھے وہ ثروت بنا رہے تھے یہ بیچتے تھے وہ خریدتے تھے یہ قرض سُودی لیتے تھے وہ سود در سود کے پیچ میں ان کی جائدادیں وصول کرتے تھے وہ پڑھ رہے تھے پڑھا رہے تھے یہ تعلیم کے نام سے کانپ کانپ اُٹھتے تھے وہ محنت کرتے تھے جفاکشی اُٹھاتے تھے یہ کاہلی اور تن آسانی کی لذتیں لے رہے تھے وہ معاشرت میں کفایت شعاری ملحوظ رکھتے تھے یہ اپنی حیثیت سے کہیں بڑھکر معاشرت میں رنگینی پیدا کرتے تھے وہ باوجود باہمی تخالف مذہبی پھر بھی ایک زبردست مرکز اتحاد رکھتے تھے یہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اختلاف پیدا کرتے

تھے اور عداوت کی حد تک اُسے پہونچا کر چھوڑتے تھے آخر اس کا نتیجہ یہی تھا کہ یہ دنیا میں باقی تو رہیں لیکن مفلس جاہل اور بداخلاق ہو کر نو نہ عبرت و بصارت ہوں نہ ان میں حمیت ہو نہ غیرت نہ صدق و صفا پایا جائے نہ عہد و وفا۔

ایسی حالت میں حریصانہ نظر سے ہندوؤں کی طرف دیکھنا بجز اس کے اور کیا ثمرہ دیتا کہ حسرت و ارمان دل میں خون ہو کر رہ جائیں موجودہ حالت میں یہ کس مرض کی دوا رہ گئے تھے جو انھیں ہنود اپنے میں شامل کر لیتے۔

حصول غلبہ کی ایک مجرب تدبیر

یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ اگر ایسی قوت جس کا اپنے میں نہ پایا جانا اپنے ضعف کا موجب ہو تو پہلے کوشش اُس قوت کو حاصل کرنے کی ہونی چاہیے لیکن اگر اُس کا حصول متعذر ہو تو پھر اُس قوت کو فنا کر دینا ضروری ہے تاکہ کسی وقت اُس سے تصادم ہو کر اپنے ضعیف و مضمحل ہو جانے کا خطرہ باقی نہ رہے ہندوؤں نے اس اصل کو سمجھا اور بکمال دانشمندی سے برتا۔

ابتداء عہد کانگریس میں مسلمانوں کی ایسی حالت ضرور تھی کہ ان کی شرکت و موافقت کی ہندوؤں کو تمنا رکھنی لابد تھی لیکن ان موجودہ ایام میں جب کہ ہندوؤں نے اپنے کو ہر پہلو سے اس قدر مضبوط کر لیا ہے کہ اب اُن کی کامیابی رہین شرکت غیر نہیں تو پھر وہ مسلمانوں کی طرف کیوں دست احتیاج بڑھاتے۔

جد و جہد کی صعب ترین گھاٹیاں جب کہ وہ بغیر معاونت مسلمانوں کے طے کر چکے ہیں اور اب وقت اس کا آیا ہے کہ وہ اپنی جاں فشاں کوششوں کے ثمرات سے بہرہ مند ہوں تو مسلمانوں کو اس کا کیا حق ہے کہ اس کامیابی میں شریک ہونے کی آرزو کریں اور بے درد سر لذت سلف گورنمنٹ کے مزے اُٹھانے کی ہوس رکھیں ہاں اس وقت ہندوؤں کو اس کی تلاش ہے کہ

اگر منت کی کچھ جانیں ملجائیں تو انھیں حکومت کی دیبی پر قربان کرکے بھینٹ کے فرض سے بھی فارغ ہوجائیں اب ہندوؤں کو یہی آخری فرض ادا کرنا ہے اور اسی کے لئے مسلمانوں کو ایک خاص تدبیر سے اپنے میں شامل کرلیا گیا ہی۔

ذوقِ شہادت

مسلمانوں میں ایک جذبہ شہادت ایسا ہے جو ہنوز بالکل ہی مردہ نہیں ہوا ہی یہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہی اور بالکل سچا عقیدہ ہے کہ دین کی حمایت میں جب کوئی ہم میں سے مارا جائے تو وہ مرتبہ شہادت سے فائز ہوتا ہی۔

شہید ملت کے مدارج علیا کی بلندی صرف اس سے سمجھئے کہ ہر میت کو غسل دینا ضروری ہی جب کوئی نبی یا رسول اس عالم سے نہاں ہوا یا جب کسی غوث و قطب نے اس سرائے فانی کو چھوڑا تو اُسے غسل دے کر کفن پنا کر آغوش لحد کے حوالہ کیا گیا۔ لیکن ایک مجاہد جب جام شہادت سے سیراب ہوتا ہی تو اُس کے اعضا و جوارح کا خون یہ حرمت و عزت رکھتا ہے کہ دنیا کا کوئی پانی اُسے دھو نہیں سکتا لہذا شہدا رکے جنازہ پر نماز تو پڑھی جاتی ہے لیکن اُن کا جسم غسل سے بے نیاز ہوتا ہی۔

یہی شہادت کا ذوق جس وقت کسی قلب مومن میں پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دنیا اور اسکی ساری کائنات اُس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہے یہ جذبہ کسی دوسری قوم میں پایا نہیں جاتا

چنانچہ انھیں ایام میں ایک اپیل انگریزوں سے مسٹر گاندھی نے شائع کی ہی جس میں وہ لکھتے ہیں "میرا مذہب آپ سے خصومت رکھنے سے منع کرتا ہی میں اپنا ہاتھ آپ پر کبھی نہ چلاؤنگا خواہ میرے پاس اتنی طاقت بھی ہو جائے میں خود مصیبت جھیل کر آپ پر فتح پانے کی اُمید رکھتا ہوں علی برادران جنگ اپنے ملک و ملت کی حمایت میں تلوار اُٹھائیں گے اگر ان سے ہو سکا تو" (تاج جبل پور، نومبر ۱۹۲۰ء)

دیکھئے کس دانائی سے گاندھی صاحب اس وقت محفوظ گیند کھیل رہے ہیں اپنی طرف سے انگریزوں کو بہ تمام وکمال مطمئن بھی کرتے جاتے ہیں اور اُسی کے ساتھ مسلمانوں سے بدظن کرتے ہوئے اور انھیں مہیب و خونخوار شکل میں دکھاتے ہوئے تلوار اٹھانے پر ترغیب و تحریص بھی فرمارہے ہیں خیر یہ تو اُن کی پالیسی کی اصل جان ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے مذہب کا یہ فتویٰ انگریزوں سے ہی کیوں مخصوص ہے کاش مسلمانوں کے حق میں بھی آپ کا دین اپنی مراعات کا حکم دیتا تو آرہ۔ شاہ آباد اور کرتار پور میں مسلمان اس بیدردی سے قتل نہ کئے جاتے۔

گاندھی صاحب نے مسلمانوں کے اس جذبہ شہادت میں رمقے حیات باقی پائی اور کمال دانشمندی سے مسلمانوں کے اس جذبہ کو آہستہ آہستہ بھڑکانا شروع کیا مسلمان یہ سمجھے کہ سچ مچ یہ ہمارے دوست ہیں اور انھیں ہماری بربادی پر اس قدر غمگساری و تاسف ہے کہ اپنا سر دینے پر تیار ہیں۔

حالاں کہ جس شخص کا مذہب خود اس کے مقامات مقدسہ اور معابد کے لئے ہاتھ تک اُٹھانے کی اجازت نہ دیتا ہو وہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے لئے کب تلوار اٹھا سکتا ہے لیکن افسوس مسلمانوں نے یہ نہ سمجھا کہ وہ سر دینا نہیں چاہتے ہیں بلکہ مسلمانوں کے سروں کی انھیں حاجت ہے یہ کہکر ایک کثیر تعداد میں اُسے مفت لیا چاہتے ہیں۔

خلافت کا رُخ سوراج کی طرف

کیا مصیبت ہے کہ مسلمانوں کو خلافت کا نام لے کر بھڑکایا گیا اور جب ان میں گرمی پیدا ہوگئی تو اُن کے جوش کا رُخ سوراج کی طرف پھیر دیا گیا اب مسلمان ہیں کہ جوش میں بھرے جاتے ہیں اور ہندوستان کے لئے جان دینے پر آمادہ ہیں اگر یہ اب بھی ہوش میں نہ آئے تو وہ دن سامنے آتا ہے جب کہ کاشی اجودھیا اور دوارکا کی خاطر مسلمان اپنی جانیں دیں گے بجائے نعرۂ تکبیر گاندھی کی جے پکارتے ہوں گے سلف گورنمنٹ کی آخری سیڑھی ہندوستان اسی وقت طے کریگا جب کہ ایک کثیر تعداد میں مسلمانوں کی جانیں نذرانہ چل ہونگی

ہندوستان کا فائدہ تو حتمی و یقینی ہے رہا اسلام اور اسلامی خلافت اور مسلمانوں کے مقامات مقدسہ ان کا خدا حافظ۔

عاجزانہ التماس

فرزندانِ اسلام اس فقیر بے نوا کے معروضات کو تعصب سے الگ ہو کر ملاحظہ فرمائیے۔ ان عاجزانہ گزارشوں کو تطبیق واقعات سے دیجئے۔ اپنے لیڈروں کی اضطراری حرکات اور کورانہ رفتار پر غور کیجئے اب نہ مقامات مقدسہ کی حفاظت ہے نہ ہجرت کے لئے بلند آہنگی نہ جزیرۃ العرب پر جوش ہے نہ خلافت پر بزم ماتم اب تو صاف اور کھلے الفاظ میں وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ ہندوستان کو پہلے آزاد کرلو پھر اپنے مطالبات مذہبی کا ذکر چھیڑنا خدا کے لئے ذرہ انصاف سے کام لو کیا یہ مقصد کانگریس نہیں کیا یہ ساری مذہبی تصویریں جو اس ایک برس میں جلد جلد سامنے لائی گئیں وہ بذاتِ خود مقصود و مطلوب نہ تھیں بلکہ اُن کی نمایش کا مقصد صرف تمہارے جذبات میں ہیجان پیدا کرنا تھا اور اُس ہیجان کو خدمتِ ہندوستان میں صرف کرنا تھا یہ ساری جلوہ آرائیاں جو تقدس کی پیکر میں ہوئیں اُن کی محض یہی غایت تھی کہ تم کسی طرح ہندوؤں کے فدائی ہو جاؤ اور تمہاری مذہبی عصبیت فنا ہو جائے پھر حکومت ہند ہاتھوں میں ہندوؤں کے اُس طرح دیدو جیسا کہ ہندوؤں کا دل چاہتا ہے۔

اسی اثنا میں جب کہ مسلمانوں نے اپنی مذہبی ہدایات پر خیانت اور مداہنت کی کند چھری پھیری اور مسئلہ قربانی میں صدیوں کے حق کو ذبح کر ڈالا ہندوؤں نے جا بجا میونسپلٹی میں یہ ایکٹ پاس کر دیا کہ کوئی گائے اور بچھڑا حدود میونسپلٹی میں نہ ذبح ہو نہ اُس کا گوشت حد میونسپلٹی میں داخل ہونے پائے سندھ لکھنؤ اور بلند شہر وغیرہ میں یہ قانون پاس ہو چکا ہے ذرہ صبر کیجئے چند مہینے میں کوئی گوشہ ہندوستان کا ایسا نہ ہوگا جہاں یہ قانون نافذ نہ ہو جائے۔

اس وقت کہ ہندوستان میں سلف گورنمنٹ قائم نہیں ہوئی ہے اس وقت کہ مسلمانوں

کی جماعت من کل الوجوہ ہندوؤں کے پنجۂ اقتدار میں گرفتار نہیں ہوئی ہے اس وقت کو نان کوآپریشن کے لئے مسلمانوں کا اتفاق بہت ضروری ہے اس وقت کہ مسلمان دھوکے میں آکر خود ہی مذہبی اور ملکی حق یعنی قربانی گاؤ کو چھوڑنے اور چھڑانے پر بیحد ساعی ہیں اس کی کیا ضرورت تھی جو ہندوؤں نے اسے از روئے قانون بند کر دینے کا حکم نافذ کر دیا دوستو اب بھی آنکھیں کھولو دیکھو تمہاری اس موجودہ حالت سے ہندوؤں نے کیسا فائدہ اٹھایا۔ باوجود مخالفت مسلمان ممبران میونسپلٹی پھر بھی کثرت ووٹ سے یہ قانون پاس ہی ہوگیا۔ ہندو ممبر تعداد میں زیادہ تھے بازی جیت لے گئے عام مسلمان اس وقت خاموش ہیں۔

اگر ذرہ زبان کو جنبش ہوئی تو پھر گاندھی صاحب اپنا دست کرم مسلمانوں سے اٹھالیں گے۔ ہندو مسلم اتحاد جاتا رہیگا۔ افسوس صد افسوس مسلمان اس اتحاد کے خوف سے خاموش رہیں اور ہندو اس وقت کو غنیمت سمجھکر مدتوں کی تمنایوں پوری کریں یہ ہیں نتائج ہندو مسلم اتحاد کے اور یہ ہے ثمرہ نان کوآپریشن کا اور یہ ہے بزاسلف گورنمنٹ کے لئے ہندوؤں کے معاون و مددگار ہونے کی ع سالے کہ خوش ست از بہارش پیداست

سیاسی علما کا مدلس فتویٰ

جس وقت سیاسی لیڈروں نے خلافت کے متعلق صدائے احتجاج بلند کی تھی اسی وقت سیاسی علمار نے بھی اپنا فتویٰ شایع کرنا ضروری سمجھا وہ فتویٰ عجیب عجیب اندازوں میں علمار ہند کی خدمت میں پہونچایا گیا عیاری و مکاری کا کوئی طریقہ نرم اور گرم ایسا نہ تھا جسے تصدیق وتصویب کے لئے عمل میں نہ لایا گیا ہو۔

فتوے میں حسب ذیل مسائل پر روشنی ڈالی گئی تھی (۱) خلافت ونصب امام (۲) شرائط امام وخلیفہ (۳) جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کے متعلق احکام شرعیہ (۴) جہاد کی اہم قسم دفاع کے احکام اور اس کا وقت۔

فتوے کا خلاصۃ المرام وخاتمۃ الکلام اس مفہوم پر تھا کہ اس وقت خلیفۃ المسلمین کی طرف سے نفیر عام ہے اور تمام عالم اسلامی پر دفاع فرض عین ہو گیا ہے وقت آگیا کہ بیٹا بغیر اجازت والدین نکل کھڑا ہو بیبیاں بغیر اذن شوہر جہاد کے لئے نکل چلیں یہ وہی وقت آپہنچا جب کہ ہر نفس وہر ذات کو اس نفیر عام پر صدائے لبیک بلند کرنا فرض ہے۔

جس طرح ادائے فریضہ صلوٰۃ وصیام کے لئے والدین اور شوہر کی اجازت ورضا کی حاجت نہیں اسی طرح اس وقت جہاد کرنے میں بھی اُن کی مرضیات کا خیال اور اُن کی ناخوشنودی کا خوف ایک گناہ عظیم ہے۔

یہ فتویٰ ملک میں گشت کرتا رہا جرائد وصحائف میں بھی شائع ہوتا رہا عوام کچھ نہ سمجھے کہ جہاد دفاعی جو اپنے مقابل قسم جہاد یعنی حملہ وہجوم سے کہیں زیادہ اہم اور واجب العمل ہے اس کے لئے جو نفیر عام پکار دی گئی تو پھر اب انتظار کیا ہے مفتیان شرع متین جہاد کا علم اُٹھائیں اور ہر ایک عالم اپنے دائرہ اثر کا مرکز بن کر مجاہدین کو جمع کرے سامان جنگ تیار ہو اور نظام جہاد ترتیب وتنظیم کی صورت میں لایا جائے مجاہدین فی سبیل اللہ کے نعرہ تکبیر سے فضائے ہند صدیوں بعد پھر ایک بار گونج اُٹھے۔

یہ اسی انتظار میں تھے کہ علماء سیاسی کی بارگاہ میں ایسی خاموشی چھائی کہ گویا اس اہم رکن دینی کا انصرام نہ کسی شرط سے مشروط ہے نہ عساکر اسلامیہ کے لئے کسی قواعد وتنظیم کی حاجت ہے نہ یہ عمل جلیل کسی فراہمی اسباب وسامان کا مقتضی ہے محض فتویٰ لکھکر چھاپ دینا ہی سارے شرائط وضوابط وما یحتاج کا متکفل وضامن ہے۔

علمائے سیاسی اور لفظ جہاد کی تحقیق

اسی دَورِ انتظار میں جب کہ ایک برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا تو بماہ رجب کانپور میں ایک جلسہ جمعیۃ علماء ہند کے نام سے ترتیب دیا گیا

جس کی کرسی صدارت کو انہی عالم نے جو اس فتوے مشتہرہ و معلنہ میں بلباس مستفتی سامنے آئے تھے عزت و تمکنت بخشی۔

خطبۂ صدارت میں کلمۂ جہاد کے منہ سے نکالنے پر اپنی بےخوفی و عدم ہراس کا بزدالفاظ میں اظہار فرماتے ہوئے معانیٔ جہاد بیان فرمانے کی بھی زحمت گوارہ فرمائی نہایت جوش وخروش کے انداز میں مجمع عام کو سمجھا دیا گیا کہ یہ بھی جہاد ہے وہ بھی جہاد ہے اسے بھی جہاد شریعت میں کہتے ہیں اور اُسے بھی جہاد شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

عوام کے لئے پھر بھی یہ عقدہ لاینحل ہی رہا اُن کی سمجھ میں خاک نہ آیا کہ برس روز بعد آج معنیٔ جہاد کی تحقیق اور اُس کے مصادیق کی تفہیم و تلقین کیوں کیجاتی ہے اسی طرح آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ کبھی کسی تحریر اور کبھی کسی تقریر کے ذیل میں مسلمانوں کو ایک غیر متعین صنف جہاد کے لئے علمائے سیاسی تیار کرتے رہے۔

تعیین جہاد واقعہ یہ تھا کہ ان مدعیان علم کو اپنے پیشوایان کیدہ وجیل یعنی جنٹلمین لیڈروں سے جو فیض پہونچتا تھا وہ انہی کو مسائل شرعیہ اور اصطلاحات دینیہ کے لباس میں عام مسلمانوں کے سامنے لاتے تھے جنٹلمینوں کا مبدء فیض مسٹر گاندھی کا دماغ تھا ایسی صورت میں جب کہ ان علمائے سیاسی کا سلسلۃ الذہب ایک مخزن کفر و شرک پر جا کر منتہی ہوتا ہو اس کے سوا اور کیا چارۂ کار تھا کہ جب تک کچھ اُسی طرف سے القانہ کیا جائے یہ ساکت و صامت ہی رہیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آیا کہ مسئلہ نان کو اپریشن کی تحریک تسلیم کر لی گئی اب علماء کے جناب سے بھی جہاد اپنے صحیح مصداق پر آکر متعین و متشخص ہو گیا۔

عوام سُدیشی کا استعمال کریں یہ اُن کا جہاد ہے اعزازی عہدے واپس کئے جائیں یہ آنریری کام کرنے والوں کا جہاد ہے کونسل کی ممبری چھوڑ دینا آنریبل ہونے والوں کا جہاد ہے سب سے بڑا جہاد

طلبائے انگریزی خواں کے لئے ہے وہ موجودہ نظام تعلیم کو جب تک نہ چھوڑیں گے مجاہدین میں اُن کا شمار قطعاً نہ ہوگا ساری وعیدیں جو تارکین جہاد کے لئے ہیں ایک وعید بھی اُن میں سے ایسی باقی نہ رہیگی جو طلبا پر صادق نہ آجائے موجودہ نظام تعلیم کے ترک میں تاخیر و تدبر بھی گناہ کبیرہ ہے والدین واساتذہ کے استشارہ واسترضا کی بھی حاجت و فرصت نہیں۔

وہ جہاد جسے فرض عین کہا گیا تھا وہ جہاد جس میں اولاد کو والدین اور زوجہ کو زوج کی اجازت کی حاجت نہ تھی وہ جہاد جس کے لئے نفیر عام ثابت کیا گیا تھا وہ جہاد جس کے معنوں کا کسی وقت شمار کیا گیا تھا وہ جہاد جس کی صورت خاص آج تک غیر متعین تھی وہی مسئلہ نان کوآپریشن ہے۔

عزیزانِ وطن علمارِ ہند کا فتویٰ جو بصورت کتاب اور اسی نام سے شائع ہوا ہے ہزاروں کی تعداد میں تقسیم بھی ہو چکا ہے اُسے من اولہ الی آخرہ پڑھ جاؤ دیکھو تو اس میں ان اقسام جہاد میں سے کوئی مذکور ہے طبقات مسلم پر تقسیم اقسام جہاد کا کہیں اُس میں نام ونشان بھی ہے ہندوستان اور اس کی آزادی کے لئے سرفروشی کا کہیں ایک حرف بھی آیا ہے ہدایت و نہایت میں آخر یہ فرق لیل و نہار کیوں ہے؟

ہاں یہ ساری فتوے نویسی اور مجالس کی گرما گرمی صرف اسی لئے تھی کہ نوجوانوں کو والدین واساتذہ سے سرکشی و تمرد پر اچھی طرح آمادہ کر دیا جائے تاکہ ملک میں ہنگامہ آرائی کے لئے ایک کافی تعداد پڑھے لکھے ناتجربہ کاروں کی ہاتھ آجائے۔

علمائے سیاسی اور مسئلہ جہاد کی توہین

تمہیں اُسی خدا کی قسم جس پر تمہارا ایمان ہو ہمیں یہ بتاؤ کہ نفیر عام کے وقت یہی وہ جہاد ہے جو ہر متنفس پر فرض ہو جاتا ہے تمہیں اُسی مذہب و دین کا واسطہ جس کے تم پیرو ہو ہمیں یہ بتاؤ کہ بی بی کو بغیر اذن شوہر اور اولاد کو بغیر اذن والدین

کیا اسی جہاد کے لئے نکل کھڑے ہونے کو کہا گیا ہے۔

"المجاهد من جاهد لنفسه والمهاجر من هجر ما نهی الله ورسوله عنه"

یعنی مجاہد تو وہی ہے جو اپنے نفس سے جہاد لڑتا ہے اور مہاجر وہ ہے جس نے اُن چیزوں کو چھوڑ دیا جس کے ترک کا حکم اللہ اور اُس کے رسول نے صادر فرمایا اس حدیث پاک کی اب تلاوت کرتے ہو اور جہاد و ہجرت کی اب یہ تصویر پیش کرتے ہو۔

بیشک ہر وہ سعی جو حق پرستی اور رضا کی راہ میں کی جائے وہ جہاد ہے فرائض صلوٰۃ و صیام حج و زکوٰۃ کا پابندی و استقامت سے ادا کرنا نوافل و مستحبات کی برکات حاصل کرنا یہ بھی جہاد ہے احقاق حق و ابطال باطل یہ بھی جہاد ہے سچ بولنا عفت و پارسائی اختیار کرنا دیانت و امانت کی زندگی بسر کرنا یہ بھی جہاد ہے یتیم و بیکس کی خبر گیری ضعفاء و مرضاء کی خدمت گزاری یہ بھی جہاد ہے لیکن اس جہاد کے لئے تو نفیر عام کی شرط نہیں کفار و غیر مسلم اقوام کا بلاد اسلامیہ پر ہجوم اس جہاد کا موقوف علیہ نہیں یہ جہاد امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کی دعوت و پکار کا خواہاں نہیں یہ وہ دفاع نہیں جو درجہ بدرجہ شرفاء و غربا عامہ مسلمین پر واجب ہوتا ہے بلکہ یہ تو وہ جہاد ہے جس سے انتہائی امن و سکون غایۃ سطوت و شوکت بعد فراغت و قوت کے ایام میں بھی کسی مومن کو فارغ نہ بیٹھنا چاہیئے۔

المجاهد من جاهد لنفسه کا جہاد ہر صبح کو ایک سچے مخلص مسلم کی حیات میں شروع ہوتا ہے اور دوسری صبح کو ختم ہو کر پھر شروع ہو جاتا ہے مشکوٰۃ نبوت سے جن کے قلوب منور ہوتا ہے اُن کی زندگی کا کوئی لمحہ اس جہاد و ہجرت کی سعادت سے بے نصیب بسر ہونے نہیں پاتا عامہ مسلمین بھی اس جہاد و ہجرت سے اس قدر تو ضرور متاثر ہیں کہ آج تک کسی مسلم و مومن باپ نے اپنے بیٹے کو یا کسی مسلم و مومن شوہر نے اپنی بی بی کو اُمتہ محمدی کے لئے دعا خیر کرنے سے

منع نہیں کیا خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے یا سنن و مستحبات کے بجالانے سے یا مسکینوں اور حاجت مندوں کی امداد سے نہ کسی باپ نے اولاد کو جھڑکا نہ شوہر نے بی بی پر عتاب نازل کیا

جنگ طرابلس و بلقان کے موقع پر ایثار

جنگ طرابلس اور جنگ بلقان میں عورتوں نے اپنی سب سے زیادہ عزیز و محبوب چیز یعنی زیور تک اتار کر چندہ میں دے ڈالا لیکن اس پر بھی کسی خاندان کے متعلق یہ نہ سنا گیا کہ اس انفاق پر زن و شو میں سوء مزاجی ہو گئی۔

نوجوانوں نے انھیں ایام میں منتیں صوم کی مانیں اور روزے رکھنے کی بار یہ نذر قرار دی گئی اور اخلاص و نیازمندی سے پوری کی گئی اسی کے ساتھ دل کھول کر روپے بھی دئے اپنے لذائذ میں کمی کی اور اس طرح مجروحین طرابلس و بلقان کو چندہ بھیجا خاص کالج میں تقریباً ایک سال تک مسلسل یہ سلسلہ قایم رہا اس وقت کسی باپ نے اپنے بیٹے سے نہ اظہار رنج و ملال کیا نہ اولادوں کے اس فعل کو نظر ناپسندیگی سے دیکھا۔

پس اگر اس وقت بھی اسی جہاد و انفاق اور ایثار کی حاجت تھی تو اس کے لئے نفیر عام اور جہاد کے فرض عین اور اطاعت والدین و اساتذہ و اطاعت زوج و مولیٰ سے انحراف و استکراہ کی تلقین و تبلیغ کی کیا حاجت تھی لیکن ہاں یوں کہو کہ اگر سچائی کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تبلیغ کرتے یا ایمان داری سے صراط مستقیم کی طرف ہدایت و رہبری کرتے تو پھر اپنی ہوا و ہوس کا صید کہاں تلاش کرتے۔

افسوس ہے اس فتوے نویسی پر جس نے مسلمانوں کے کتنے گھر تباہ کر دیئے اس زمانۂ شور و فتن میں جب کہ نوجوانوں میں سعادت و اطاعت اور حق شناسی کا فقدان ہو رہا ہے والدین و اساتذہ کی خدمت میں انھیں اس طرح دلیر و گستاخ ہو جانے کی ہدایت کیسا زہر آلود اور مسموم پیام ہے۔

علمائے سیاسی کا ہجرت کے متعلق تباہ کن فتوی

اسی طرح ایک نفیر عام ہجرت کی پکار دی گئی اس بانگ بے ہنگام نے سرحدی علاقے اور خطہ سندھ میں بہت زیادہ اثر کیا ہزاروں گھر تباہ ہوگئے ہزاروں عورتیں بے سرپرست رہ گئیں ہزاروں بچے سایہ پدری سے محروم کر دیئے گئے گاؤں کے گاؤں مسلمانوں نے آگ لگا کر خاکستر کر دیئے لاکھوں کی جائدادیں کوڑیوں کے مول ہندوؤں کے ہاتھوں بیچ دی گئیں تقریباً ایک لاکھ مسلمان اپنے دیار و وطن املاک و جائداد سے دست بردار ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔

کچھ دنوں تک ہجرت کا زور رہا اخباروں میں بھی نہایت جلی قلموں سے مہاجرین کا قافلہ لکھا جاتا تھا لیکن جب ہجرت نے رجعت قہقری کی صورت اختیار کی تو دو چار اعذار بارد کرتے ہوئے ہجرت کا سلسلہ بند کر دیا گیا اب پھر دوبارہ مژدہ ہجرت مسلمانوں کو سنایا گیا اور اجازت و پروانگی بھی عطا ہوگئی لیکن اب نہ تو کوئی مضمون فضائل ہجرت پر لکھا جاتا ہے نہ اس کی ضرورت ثابت کی جاتی ہے نہ کوئی قافلہ کا سلسلہ آمادہ ہجرت نظر آتا ہے اب تو ساری زبانیں اور صرف ایک کلمہ توحید مشرک گاندھی نان کوا پریشن کا ورد ہے یہی ہجرت ہے اور یہی جہاد ہے

لیڈروں اس ہنگامہ کو چھیڑنے تو یہ بہتر تھا کہ جس طرح کے اشخاص کی جس تعداد میں بلاد اسلامیہ کو حاجت ہوتی پہلے انھیں مسلمانوں کو نقل مکان کی ترغیب دی جاتی آغاز کار سے پیشتر ایک مکمل نظام عمل بنانا تھا عوام کے جانے سے قبل خواص کا سفر کرنا ضروری تھا ناملایم حالات کا پہلے اندازہ کر کے حتی الامکان انسداد ناگواری کرنا بہت ضرور تھا۔

کیا ستم ہے ہم جب کہ ایک مختصر سفر جائے اقامت سے کرتے ہیں تو اپنے سفر کی غایۃ قیام کی مدت ہمراہیوں کا انتخاب اور دیگر ضروریات و حالات کا پہلے انتظام سوچ لیتے ہیں لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایک نفیر عام ہجرت کی پکار دی گئی اور اس اہم تحریک

کی کامیاب و بامراد ہونے کے لیے جس ترتیب و تنظیم اور ہدایت و تعلیم کی حاجت تھی اُس سے خود تحریک کرنے والوں کا دماغ بھی خالی تھا جو صدمہ اس عظیم الشان تحریک کو تغافل شعاری اور ناواقفیت مذہبی نے اس وقت پہونچایا ہے نہیں معلوم اس کا ذمہ دار کون ہے اور اس کا کفارہ کس کی گردن پر ہے۔

جہاد اور ہجرت ان دونوں اہم و اعظم مسئلوں کو جس طرح اس دور کے علمار سیاسی نے تباہ کیا ہی تاریخ اسلام اُس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہی مسلمانان ہند کا جو نقصان اس مدلس و کاذب فتوے نویسی سے ہوا دیکھئے اُس کی اصلاح کیوں کر ہوتی ہے اور کتنا زمانہ چاہتی ہے علی الخصوص

لفظ جہاد میں کچھ وہ برقی قوت تھی کہ اس کے سُننے سے غیر مسلموں کو ٹھنڈا پسینا آتا تھا اور مسلمانوں کے مردہ و افسردہ قلوب میں حیات و تازگی۔

قبل ازیں لفظ جہاد کا اثر اس موقع سے قبل جب کبھی اور جہاں کہیں بھی یہ لفظ کہا گیا ہے تو مثل دیگر کلمات کے اس نے اپنے تلفظ کو وہ ہوائے کیف ثابت ہونے نہیں دیا جو ایک مرتبہ ٹکرا کر ہوا کی موجوں میں گم ہو جائے اور اس کرہ ارضی پر اس کا نام بھی غیر قائدہ اشیار کی فہرست میں منسلک ہو جائے بلکہ جب کبھی یہ لفظ کہا گیا اور مسلمانوں کے کانوں تک پہونچایا گیا ہی تو کفر و شرک کی بنیادیں ہل گئی ہیں مخلوق پرستوں اور خدا کے دشمنوں میں زلزلہ پڑ گیا ہی تاریخ اقوام اور جغرافیہ ملکی میں ہمیشہ ایک تغیر عظیم پیدا ہو گیا ہی اس لفظ جہاد کے کہنے اور سننے کے ایام صفحات زمین پر ہمیشہ خون کی سرخی اور نوک سنانِ شمشیر سے لکھے گئے ہیں۔

لیکن آج تم نے مسلمانوں کے اس سیزدہ صد سالہ عظمت کو اپنے قدموں کے نیچے

روند ڈالا آج تم نے سات کروڑ مسلمانوں کی دینی غیرت کو یوں ذلیل و خوار کیا دیکھو غیر مسلم قومیں تم پر ہنستی ہیں نہ انگریزوں میں تمہاری ہیبت رہی نہ ہندوؤں پر تمہارا خوف رہا۔

تم اور تمہارا دین تم اور تمہارا مذہب تم اور تمہاری مذہبی تعلیم تم اور تمہاری دینی احکام سب کے سب نگاہ غیر مسلم میں ہیچ و فرمایہ ثابت ہوئے۔ لیکن اس کی تمہیں کیا پرواجب کہ تقریباً ایک ملک کا خراج تمہارے گھروں میں پہونچ گیا جب کہ ہزاروں انسان تمہیں اپنے دوش عقیدت پر لئے لئے پھرے جبکہ ہر روز شاہانہ دسترخوان سے کام و زبان نئی نئی لذتیں لے رہی ہیں تو پھر ان نعمائے خلد بریں کے مقابلہ میں اسلام کیا ہی اور ایمان کیا۔

اے سرمستان بادۂ لیڈری ذرہ ہوش میں آکر ہمیں بتاؤ کہ تم سوا راج کے لئے اُٹھائے گئے تھے یا خلافت کے لئے تم نے ہندوؤں کو آمادہ کیا تھا تم اسلام کے نشر و تبلیغ کا علم لے کر بڑھے تھے یا کفر و شرک کی حکومت قایم کرنے کی غرض سے یہ لشکر آرائی کی گئی تھی اسلام کی حقانیت اور ارکان اسلام کا غیر مسلم کو گرویدہ بنانا تمہارا نصب العین تھا یا خود کفر و شرک کے جال میں پھنس کر آزادی ہند کا ترانہ سنانا مقصود و مطلوب تھا۔

مسلم لیڈروں کا کفر و کافریں ادغام

الا الٰہ الا اللہ گاندھی نے کس حسن تدبیر سے مسلمانوں کو اپنا اور اپنے مذہب کا غلام بنا لیا ایک برس بھی گزرنے نہ پایا جو حمایت خلافت سے نہ صرف ہندو دست کش ہو گئے بلکہ اس عیارانہ چال سے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں نے مسئلہ خلافت کو دھکے دے کر پس پشت ڈال دیا۔ خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کی جگہ گاندھی کو دی گئی اب یہ مدعیان اسلام اسی کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے گاندھی کی محبت و عظمت سے کوئی قلب مومن خالی نہ رہنے پائے۔

کوئی امام مہدی علیہ السلام کا مثیل کہتا ہے کوئی یہ کہتا ہے کہ نبوت اگر ختم نہ ہوگئی ہوتی

تو گاندھی نبی ہوتا یعنی نبوت کے ماتحت جو سب سے بڑا رتبہ و منصب ہو سکتا ہے وہ گاندھی کا ہے کوئی اپنے کو سپردِ گاندھی کا کہتا ہے اور اسلام کی نجات کا اسی کے ہاتھوں سے یقین رکھتا ہے۔

مسلمان اپنی کانوں سے سنتے ہیں آنکھوں سے اخبارات میں یہ مضامین دیکھتے ہیں پڑھتے ہیں پھر بھی عالم وجد و تواجد میں آکر واہ ہمارے لیڈر و شاباش ہمارے لیڈرو کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔

رہبر کی اقسام

فرزندان اسلام رہبر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ باکمال جس کے ذہن میں منزلِ مقصود متعین و مشخص۔ راہیں اس کی معلوم۔ دشواریوں پر اُسے اطلاع خطرات و مہالک سے واقفیت کامل اُن تدابیر پر قادر جن سے خطرات و موانع کا اثر نہ آنے پائے۔

ایسا رہبر اپنے علم و بصیرت سے رہبری کرتا ہوا خطرات و مہالک سے بچاتا ہوا موانع کو دفع کرتا ہوا اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہونچا دیتا ہے جیسا کہ ایک ماہر ناخدا کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف۔ مقامِ خطرے آگاہ و مہالک سے بچ کر نکل جانے کی اُسے سبیل معلوم۔

دوسرا وہ ناقص رہبر جسے نہ راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن منزلِ مقصود متعین تلاش راہ کی طلب کامل اور خطرات پر غالب آنے کی قوت اُسے میسّر و حاصل۔

تیسرا وہ مدعی باطل کہ جسے نہ منزلِ مقصود کی خبر نہ رستہ کا علم نہ دشواریوں پر بصیرت نہ خبرت نہ کسی قسم دفاع پر قدرت و طاقت۔

اب تمہیں پر فیصلہ ٹھہرا تمہیں کہہ دو خدا لگتی تمہارے لیڈر کس قسم رہبر میں شامل و معدود ہیں

روند ڈالا آج تم نے سات کروڑ مسلمانوں کی دینی غیرت کو یوں ذلیل و خوار کیا دیکھو غیر مسلم قومیں تم پر ہنستی ہیں نہ انگریزوں میں تمہاری ہیبت رہی نہ ہندوؤں پر تمہارا خوف رہا۔

تم اور تمہارا دین تم اور تمہارا مذہب تم اور تمہاری مذہبی تعلیم تم اور تمہاری دینی احکام سب کے سب نگاہ غیر مسلم میں ہیچ و فرمایہ ثابت ہوئے۔ لیکن اس کی تمہیں کیا پرواہ جب کہ تقریباً ایک ملک کا خراج تمہارے گھروں میں پہونچ گیا جب کہ ہزاروں انسان تمہیں اپنے دوش عقیدت پر لئے لئے پھرے جبکہ ہر روز شاہانہ دسترخوان سے کام و زبان نئی نئی لذتیں لے رہی ہیں تو پھر ان نعمائے خلد بریں کے مقابلہ میں اسلام کیا ہے اور ایمان کیا۔

اے سرمستان بادۂ لیڈری ذرہ ہوش میں آکر ہمیں بتاؤ کہ تم سوراج کے لئے اٹھائے گئے تھے یا خلافت کے لئے تم نے ہندوؤں کو آمادہ کیا تھا تم اسلام کے نشر و تبلیغ کا علم لے کر بڑھے تھے یا کفر و شرک کی حکومت قائم کرنے کی غرض سے یہ لشکر آرائی کی گئی تھی اسلام کی حقانیت اور ارکان اسلام کا غیر مسلم کو گرویدہ بنانا تمہارا نصب العین تھا یا خود کفر و شرک کے جال میں پھنس کر آزادی ہند کا ترانہ سنانا مقصود و مطلوب تھا۔

مسلم لیڈروں کا کفر و کافر میں ادغام

الا اللہ الا اللہ گاندھی نے کس حسن تدبیر سے مسلمانوں کو اپنا اور اپنے مذہب کا غلام بنا لیا ایک برس بھی گزرنے نہ پایا جو حمایت خلافت سے نہ صرف ہندو دست کش ہو گئے بلکہ اس عیارانہ چال سے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے مسئلہ خلافت کو دھکے دے کر پس پشت ڈال دیا۔ خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کی جگہ گاندھی کو دی گئی اب یہ مدعیان اسلام اسی کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے گاندھی کی محبت و عظمت سے کوئی قلب مومن خالی نہ رہنے پائے۔

کوئی امام مہدی علیہ السلام کا مثیل کہتا ہے کوئی یہ کہتا ہے کہ نبوت اگر ختم نہ ہو گئی ہوتی

تو گاندھی نبی ہو تا یعنی نبوت کے ماتحت جو سب سے بڑا رتبہ و منصب ہو سکتا ہے وہ گاندھی کا ہے کوئی اپنے کو سپردِ گاندھی کر سکتا ہے اور اسلام کی نجات اسی کے ہاتھوں سے یقین رکھتا ہے۔

مسلمان اپنی کانوں سے سنتے ہیں آنکھوں سے اخبارات میں یہ مضامین دیکھتے ہیں پڑھتے ہیں پھر بھی عالم وجد و تواجد میں آکر واہ ہمارے لیڈر و شاباش ہمارے لیڈرو کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔

رہبر کی اقسام

فرزندانِ اسلام رہبر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ باکمال جس کے ذہن میں منزلِ مقصود متعین و مشخص، راہیں اس کی معلوم، دشواریوں پر اُسے اطلاع خطرات و مہالک سے واقفیت کامل اُن تدابیر پر قادر جن سے خطرات و موانع کا اثر نہ آنے پائے۔

ایسا رہبر اپنے علم و بصیرت سے رہبری کرتا ہوا خطرات و مہالک سے بچاتا ہوا موانع کو دفع کرتا ہوا اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہونچا دیتا ہے جیسا کہ ایک ماہر ناخدا کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف، مقام خطرے آگاہ و مہالک سے بچ کر نکل جانے کی اُسے سبیل معلوم۔

دوسرا وہ ناقص رہبر جسے نہ راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن منزلِ مقصود متعین تلاش راہ کی طلب کامل اور خطرات پر غالب آنے کی قوت اُسے میسر و حاصل۔

تیسرا وہ مدعی باطل کہ جسے نہ منزلِ مقصود کی خبر نہ رستہ کا علم نہ دشواریوں پر بصیرت نہ خبرت نہ کسی قسم دفاع پر قدرت و طاقت۔

اب تمہیں پر فیصلہ ٹھیرا تمہیں کہدو خدا لگتی تمہارے لیڈر کس قسم رہبر میں شامل و معدود ہیں

ہندوؤں نے تمہارے لیڈروں کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا کر کس سہولت و نرمی سے آہستہ آہستہ انھیں اپنے نقطۂ خیال پر اُتار لیا لفظ سوراج جس سے لاکھوں کان آج تک نا آشنا تھے خلافت کے عوض کس جوش سے وہ ہر ایک زبان پر جاری ہے گاندھی جس کا نام تک پانچ برس قبل ہندوستان کے کسی مسلمان کے حلم میں بھی نہ تھا خلیفۃ المسلمین کی جگہ آج اُس کے تقدس و عظمت کے فسانے کس کمال عقیدت سے مستورات تک میں کہے جاتے ہیں۔

گائے کی قربانی اور اس کا معمولاً ذبح بعض جگہوں میں بند ہو چکا ہے اور باقیہ مقامات پر بند ہونے والا ہے۔ ہندی نے اُردو پر فتح پائی ہے۔ دوش مسلم پر کافر کا جنازہ رکھا جا چکا جنھیں اس کا موقع نہ ملا اُنھوں نے نقل جنازہ اُٹھا کر اپنی شرکت و معیت کا ثبوت دیا مشرک کے لئے برکات عالم آخرت چاہی گئیں اور مغفرت کی دعا مانگی گئی کلمہ توحید پڑھنے والوں کے منہ سے رام رام ست ہے کہا گیا کہلایا گیا۔

بالعکس معاملہ

یہ سارے اعمال معرض وقوع پذیر ہوئے اور ہو رہے ہیں ان سے ہندوؤں کے مطالب و مقاصد مذہبی و ملکی کا تکملہ ہو رہا ہے یا اسلام و اسلامی خلافت کی خدمت انجام پا رہی ہے چوبیس کروڑ ہندوؤں کا قدم خلافت اسلامی یا کسی رکن دینی کی طرف بڑھا یا سات کروڑ مسلمانوں نے بڑھ کر سوراج اور مراسم کفر و شرک لبیک کہا مسلمان ہندو کے ہوگئے یا ہندو مسلمانوں کے ہو رہے مسلمانوں کے قلوب آہنی تھے یا مقناطیسی مسلمانوں نے مقناطیس بن کر ہندوؤں کو اپنی طرف کھینچا یا ہندوؤں نے اپنی مقناطیسی کشش سے انھیں اپنے میں جذب کر لیا اس کا جواب واقعات سے ہونا چاہیے نہ خطیبانہ عبارت آرائی سے۔

غالباً خلافت کے متعلق تم یہ جواب دوگے کہ اب یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ جب تک ہندوستان میں انگریزوں کا قدم یہاں سے نہ ہٹے مسلمان کچھ بھی خلافت کی مدد نہیں کر سکتے ہیں۔

ہاں میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ پہلے خلافت کے لئے ہندو تک سرگرم کار تھے لیکن اسی قلیل مدت میں یہ تبدیلی واقع ہوئی کہ خود مسلمان بجائے خلافت سوا راج پکارنے لگے شاید گاندھی کے باب میں تم یہ جواب دو کہ جب کہ مسلمانوں میں کوئی صاحب سجادہ کوئی خانقاہ نشین کوئی واعظ و فقیہ کوئی محدث و مفسر جدید یہ کہ کوئی جنٹلمین لیڈر مثل گاندھی کے نہ تو ہمیں اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ ہم اُسی کی تقلید کریں اُسی سے اپنا رشتہ ہدایت جوڑیں اسلاف کے واقعات و حالات زندگی آج قصۂ و داستان ہیں قوم افسانوں سے نہیں بنا کرتی نہ کسی کی سوانح و سیرت قوم میں روح پھونک سکتی ہے ہمیں تو ایک زندہ مثال و نمونہ چاہیئے اور وہ نہیں ہے مگر گاندھی۔

ہاں میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ گاندھی تمہارا پیشوا ہے اور تم اُس کے پیرو اور دیگر اعمال خبیثہ کے متعلق تمہارا یہ جواب ہوگا کہ اس وقت انگریزوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں حاجت تھی کہ ہندوؤں میں جذب ہو جائیں تاکہ باہمی تجاذب و ادغام سے طاقت و شدت آجائے اور ہماری صدائے احتجاج میں قوت و صولت پیدا ہو جائے]

ہاں میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ تم ہندوؤں میں جذب ہو گئے۔

و ما ظلمکم برب الظٰلمین علم برداران نان کوآپریشن و سوا راج! قیامت ایک دن ضرور قائم ہوگی جہاں اوّلین و آخرین کا مجمع ہوگا اور پھر لمن الملک الیوم لله الواحد القہار کی دل ہلا دینے والی آواز کے ساتھ تخت رب العالمین سامنے ہوگا ویحمل عرش ربك فوقهم یومئذٍ ثمانیۃ اُس دن تمہارے سرائر و مخفیات کھل جائیں گے یومئذٍ تعرضون لا تخفیٰ منکم خافیۃ۔ اُس دن تمہیں اُس جلیل و جبار قادر و قہار کے سامنے جا کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ "فاما من ثقلت موازینہ فہو فی عیشۃ راضیۃ واما من خفت موازینہ فامہ ھاویۃ وما ادراك ماھیہ نار حامیۃ"

تو پھر جس وقت یوم ینفع الصادقین صدقہم کا ظہور ہو رہا ہو گا تمہاری کیا حالت ہو گی اور تمہارے ان اعمال کا ترازوئے عمل پر کیا وزن ہو گا خلافت اور دین کا نام لیکر سوراج اور تلمیعات گاندھی میں فنا ہو جانا کیا نتیجہ سامنے لائے گا۔ الذین ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انہم یحسنون صنعا اولئک الذین کفروا بآیات ربہم ولقائہ فحبطت اعمالہم فلا نقیم لہم یوم القیامۃ وزنا۔ یقین کرلو کہ اس روز یہ تمہاری تلبیس کی چادر پارہ پارہ ہو گی اور تدلیس کا جال ریزہ ریزہ۔ یہی لیڈری اس دن تمہیں وبال ہو گی اور یہ ہر دل عزیزی تمہیں رسوا و خوار بنائے گی۔ آج وہ بھیڑ اور انبوہ جس پر تمہیں ناز و تفاخر ہے آج وہ ہنگامہ و ہجوم جس پر تمہیں اعتماد و سہارا ہے کل بروز قیامت تم سے بیزاری کا اظہار کرتا تھا۔ قالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا ربنا آتہم ضعفین من العذاب والعنہم لعنا کبیرا۔ یہ گروہ معتقدین یہ مجمع ارادت مندان جو آج تمہیں اس درجہ محبوب ہے کل بروز محشر تم اس سے خفا ہو گے اور دست بردار شامتِ اعمال کا وبال سامنے ہو گا اور یہ ہیکل بھی خاک سیاہ۔ اذ تبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بہم الاسباب ۵

نان کوآپریشن کا ملمع جامہ اب آؤ ہم ایک دوسری مجلس منعقد کریں اور مسئلہ نان کوآپریشن نے جو روپ بدل کر ہندوستان میں ایک اودھم مچا رکھی ہے اس کی حقیقت سے بھی پردہ اٹھائیں ضرورت ہے کہ یہ گاندھی گردی جو ملمع جامۂ ایمان و اسلام سے مرصع بنا کر سامنے لائی گئی ہے اس کی اصلیت بالکل ہی بے نقاب کر دی جائے سب سے پہلے اس لفظ کی تاریخ اور تدریجی تقلب

کی طرف نظر کرنا ضرور ہے۔

مفہوم نان کواپریشن کا تدریجی تبدل

یہی مفہوم جس کی اس وقت ملک میں دھوم مچی ہوئی ہے ایک مدت سے کانگریس میں مقاومت مجہول کے لفظ سے ادا کیا جاتا تھا شورش و ہنگامہ کا پے بہ پے ہندوستان میں ہوتے رہنا اسی کا ثمرہ تھا۔

نان کواپریشن کا مختلف ترجمہ

پھر اس مفہوم نے ستیاگرہ کی صورت اختیار کی کاروباری دنیا میں یہ پہلی ہڑتال تھی جس نے عملی شکل میں مقاومت مجہول کی جلوہ آرائی کی اسی دوران میں مسٹر گاندھی نے نان کواپریشن کا دلکش نغمہ چھیڑا اب مقاومت مجہول کی جگہ نان کواپریشن کو دی گئی کچھ دنوں اسی کا دارو دورہ رہا اور دو جرائد بھی نان کواپریشن ہی لکھتے رہے اس لفظ کے مختلف ترجمے بھی ہوتے رہے عدم اشتراک عمل، عدم اتحاد عمل، ترک معاملات، عدم تعاون وغیرہ وغیرہ۔

نان کواپریشن کے لئے شرعی لباس

لیکن ہنوز وہ دینی قبا جسے ہمیشہ یہ جماعت اپنے مخترعات پر چپ و موزوں کرنے کی عادی تھی اس وقت تک ان الفاظ کی تراش سے وہ قبا تیار نہ ہو سکی بالآخر بمصداق جوئندہ یابندہ مدتوں کے مشاق یار رہا کے تجربہ کار اپنے بتاء کن دماغوں کی طرف رجوع لائے اور ایک لفظ موالات ڈھونڈھ کر لے آئے۔

جن نے اس گوہر نایاب کی جستجو کی تھی لیڈروں کی جماعت میں طرہ امامت اسی کی دستار پر شایاں تھا لیکن واحسرتا کہ امامت و مہدویت تک کے القاب بھی یہ کہکر گاندھی کو ہی بخشدئے گئے کہ ع این گل تازہ برآں گوشہ دستار خوش ست۔

لفظ موالات پر استقرار کی علت

عوام کچھ نہ سمجھے کہ آخر ہمارے لیڈر نان کواپریشن کے

لفظ سے جلد جلد گریز کیوں کر رہے ہیں کسی ایک ترجمہ پر انھیں قرار کیوں نہیں آتا اور اب کہ لفظ موالات انھیں مل گیا تو اس پر قدم جما کر اس طرح کھڑے ہو گئے ہیں کہ ترک معاملات عدم اشتراک عمل وغیرہ کی طرف اگر انھیں کوئی پھیرنا بھی چاہے تو جنبش کی قسم ہے وہ ہیں اور ترک موالات کی صدا، تم سلام کرو وہ جواب میں ترک موالات کہیں گے تم مزاج پرسی کرو وہ ترک موالات کہکر اپنی عافیت بتائیں گے اب تو ان کے دل و دماغ میں سوائے اس ایک لفظ کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔

حالاں کہ واقعہ صرف اس قدر تھا کہ سارے تراجم کے الفاظ سوائے موالات کے لیسے تھے کہ اُن کی شکلیں دھوکھا دینے کے لئے ناکافی تھیں لیڈروں کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک ایسے لفظ کی ضرورت تھی جس کی ظاہری شکل دکھا کر مسلمانوں کو اپنے اغراض فاسدہ کا شکار کر لیا جائے۔

ترک موالات کا لفظ جب سامنے لایا گیا تو مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ نان کوآپریشن خواہ سیاستِ ہند کا خالص مسئلہ ہو لیکن ترک موالات محض اسلامی مسئلہ ہے اس لئے مسلمانوں ہی پر اس کی تعمیل بھی واجب ہے۔

ملاء اعلیٰ سے علمائے سیاسی کا استفاضہ

علمائے سیاسی کو جب اُن کے ملاء اعلیٰ سے اس ہدایت کا افاضہ فرمایا گیا کہ اب بجائے نان کوآپریشن کے موالات کہیئے اور لکھئے نیز نظام عمل کے وہ حدود جنھیں نان کوآپریشن کے دائرہ نے اس وقت گھیر رکھا ہے اُن سب کو ترک موالات کے احاطہ میں داخل کیجئے اسی کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھنا آپ حضرات کا فرض ہے کہ ہنود کی نیتی سرکار سے جو طوق غلامی ابھی گلے میں ڈالا گیا ہے ہرگز ہرگز کوئی تار اس کا ڈھیلا نہ ہونے پائے بلکہ اس پر نہ بھی ایک اور گرہ افزوں ہو جائے۔

ملاءِ اعلیٰ کا حکم اور علمائے سیاسی کا سرِ تسلیم خم

آخر یہی علماءِ سیاسی کے اس انقیاد و اطاعت گزاری پر فوراً کمر اٹھے کہ قرآن پاک میں نصاریٰ سے ترک موالات کا حکم بہ نص صریح ثابت ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم لیکن اسی کے ساتھ انھیں یہ دشواری پیش آئی کہ بے شمار آیات السیف قرآن مجید میں گونج رہی ہیں کہ کفار و مشرکین سے ترک موالات ضروری ہے۔

کفار مشرکین اور کفار اہلِ کتاب میں فرق مراتب

اگرچہ یہود و نصاریٰ بھی کافر ہیں ان کی توحید بھی تثلیث میں گم ہو گئی ہے قرآن مجید ان کے کفر و ضلالت پر گواہ ہے (۱) لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب (۲) ولا تقولوا ثلٰثۃ انتھوا خیرا لکم (۳) قالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ پہلی آیۃ اہلِ کتاب کے کافر ہونے کو بتاتی ہے دوسری آیۃ اُن کے عقیدہ تثلیث کو ظاہر کرتی ہے تیسری آیۃ اُن کی ضلالت و غوایت اور گندگی عقیدہ کو بتاتی ہے تنزیہ و تقدیس کے مفہوم سے اُن کا بیگانہ محض ہونا ثابت ہو رہا ہے لیکن باوجود ان تمام گمراہیوں کے یہود و نصاریٰ کو اہلِ کتاب کہا گیا ان کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا گیا پس موالات جب کہ اہلِ کتاب سے منع کر دی گئی تو کفار و مشرکین جن سے ادنیٰ معاشرتی تعلق یعنی اُن کی عورتوں سے نکاح بھی حرام و زنا شریعت مطہرہ نے قرار دیا ہو موالات کیوں کر جائز ہو سکتی تھی۔

علماءِ سیاسی کا اضطرار اور ایک مغالطہ کی ایجاد

بار بار اس کثرت سے کفار کے ساتھ موالات کو حق سبحانہ نے منع فرمایا ہے کہ مومنین کفار کا دم گھٹنے لگا مصیبت عظمیٰ یہ تھی کہ اس مسئلہ کی ایجاد کا مقصد احکام شرعیہ کے زیر اثر رہ کر انگریزوں سے کنارہ کشی

وکسوئی نہ تھی بلکہ ہندوؤں کے ساتھ وداد وانقیاد رکون وانتحاد مطلوب تھا اب اگر شریعت کا فتویٰ نصاریٰ کے باب میں پیش کیا جاتا ہے تو کفار کی ولاء ومحبت کا جام کیوں کر پیا جا سکتا ہے پھر اگر یہی نہیں ہوا تو ساری سعی بے حاصل لغو وباطل ہوئی جاتی ہے، علمائے سیاسی نے کمال تحریف کا جو نمونہ اس موقع پر پیش کیا ہے اُس کی داد کسی بشر کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتی ہاں جس کے کلام میں یہ لوٹ پھیر کیا گیا ہے اُسی کی قدرت میں اس کا عوض وصلہ بھی ہے

سُورۂ مُمتحنہ کی آیت تلاوت کرتے ہوئے ایسا مغالطہ آمیز ترجمہ کیا کہ عوام دھوکے میں آگئے اور نہایت سہولت سے مطلب برآری ہو گئی۔ لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۝ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظالمون ۝

تقریر مغالطہ اس وقت وہ علماء سیاسی جو کفار مشرکین کے بادۂ محبت میں سرشار ہو رہے ہیں جھوم جھوم کر اسی آیۂ کریمہ کی تلاوت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ دیکھو حق سبحانہ نے غیر مسلم فریق کو دو قسموں میں تقسیم فرما دیا ہے ایک تو وہ ہیں جو مسلمانوں سے دلڑتے ہیں نہ مکانوں سے انھیں نکالتے ہیں اُن کے ساتھ ہر طرح کی محبت ہمدردی نیکی اور احسان کا حکم خدا دیتا ہے دوسرے گروہ ہیں جو یہ سب کرتے ہیں اُن کے ساتھ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی اگر مسلمان رکھنے لگا تو یہ نہ صرف گناہ ہے بلکہ نفاق ہے اور منافق مومن نہیں دیکھو آج تک ہندوؤں نے نہ کبھی اسلامی ممالک پر حملہ کیا نہ مسلمانوں سے قتال فی الدین کیا نہ کسی اسلامی ملک سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث ہوئے پس ان کے

ساتھ کیا وجہ ہے جو مسلمان محبت و ہمدردی نیکی و احسان نہ کریں حالاں کہ اُن کا رب اُنھیں ایسا کرنے کی اجازت دے رہا ہی ہاں عیسائیوں نے نہیں نہیں بلکہ انگریزوں نے مسلمانوں کے ساتھ یہ سب کچھ کیا ان سے کسی طرح کا واسطہ رکھنا دین و اسلام سے نکل جانا ہی ۔

یہی وہ فریب ہی جو اس وقت عام مسلمانوں سے کیا گیا یہی وہ تدلیس کا جال ہی جس میں مسلمانانِ ہند کو گرفتار کرکے ہندوؤں کے حوالہ کیا گیا یہی وہ شرعی مغالطہ ہی جسے علمائے سیاسی نے چند روزہ جاہ کے لیے ایجاد کیا یہی وہ تحریف دینی ہے جس کا ارتکاب عین ایمان قرار پایا ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔

مسلمانوں دیکھا تم نے دین سے بے پروائی اور علوم دینیہ سے بے نیازی کا ثمرہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام حق کو باطل اور باطل کو حق تم سے کہا گیا تمھیں سمجھایا گیا تم نے سُن بھی لیا اور عمل پر آمادہ بھی ہوگئے ۔

اب مصیبتیں جھیلو مشقتیں اُٹھاؤ ذلت و خواری کی زندگی بسر کرو نافرمانی مولا تبارک و تعالےٰ کو فرماں برداری سمجھتے رہو یہاں تک کہ موت آجائے اور تمھیں توبہ بھی نصیب نہ ہو

مغالطہ کا خطرناک نتیجہ کوئی گناہ جب کہ گناہ سمجھ کر عمل میں آئے تو نفس لوامہ کی ملامت عاصی و خاطی کو توبہ و انابت کی طرف متوجہ کرتی ہی لیکن جب کہ گناہ عین اطاعت سمجھ کر کیا جائے تو پھر توبہ و استغفار کی بھی اُمید منقطع ہو جاتی ہے ۔

اس وقت جو عالم نما لیڈروں نے بدترین اعمال کو مذہبی تعلیم کہہ کر پیش کیا ہی اور تم اُس پر لبیک کہہ کر جھک پڑے ہو شاید وہ وقت دُور نہیں جب کہ اس گمراہی و ضلالت کی رو سیاہ حقیقت تمھیں مشاہد ہو جائے اور یہ سارے سبز باغ جل کر خاک سیاہ ہو جائیں ۔ واذ زین لھم الشیطان اعمالھم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم فلما

ترآءت الفئتٰن نکص علیٰ عقبیه وقال انی برئ منکم انی اریٰ مالا ترون انی اخاف الله والله شدید العقاب ۵

ایک التماس اس سے پیشتر کہ اس مغالطہ آمیز تقریر اور اس مخرب دین مسئلہ کی حقیقت بیان کروں اس قدر گزارش کی اجازت چاہتا ہوں کہ وہ ذات جس نے عالم میں نشر و تبلیغ مذہب اسلام کی فرمائی اُس کے متعلق اُس کے بھیجنے والے نے ارشاد فرمایا وما ارسلناك الا رحمة للعالمین وہ کتاب جسے تعلیم اُمت کے لئے اس خاکدان عالم میں اُس نے امانت چھوڑا اُس کے باب میں حق سبحانہٗ یوں فرماتا ہے۔ یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمة للمؤمنین ۵

اسلام کامل و مکمل ہے وہ دین متین جس کے اتباع کو ہمارے صلاح و فلاح کا ضامن و کفیل بنایا اُس کے باب میں یہ مژدہ سنایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ پیغمبر کا وجود رحمت اُس کی لائی ہوئی وحی آسمانی رحمت اُس کا دین کامل و تمام اور حق سبحانہٗ کا پسندیدہ پس یہ کیوں کر ممکن ہے کہ وہ اُمت مسلمہ جس نے دین اسلام کو لبیک کہا جس نے قرآن مجید کو خدا کا بھیجا ہوا فرمان ہدایت یقین کیا جس نے اُس نبی برحق کی تصدیق کی اور اُس کے اتباع کو وسیلہ نجات جانا وہ کسی وقت کسی حالت میں بھی احتیاج کا ہاتھ کسی غیر کی طرف پھیلائے یا اُس دین کی کوئی تعلیم اپنے متبع کو حیرت و مصیبت میں مبتلا کرے۔

مولیٰ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة زندگی کا ہر شعبہ اور حیات انسانی کا ہر لمحہ جو اس عالم امکان میں وقوع پذیر ہو سکتا ہے اُن سب کے

طریق عمل کا صحیح نمونہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں موجود ہے امت کی سعادت اس میں ہے کہ اپنے واقعات زندگی میں اسی حیات طیبہ کی تقلید واتباع کرے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءؕ

کس قدر نادانی اور کیسی بدنصیبی ہے جو اسلام کا یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے کہ وہ صرف چند ایسے اعمال وارکان بتاتا ہے جن سے قوت وہمیہ بڑھکر انسان کے سارے قوائے دماغیہ پر مستولی ہوجاتی ہے اس کے جذبات فنا ہوجاتے ہیں اور وہم کی ہمہ گیری واستیلا آخر اسے ایک راہب ولایعقل بنادیتی ہے اس کا وجود ایک ایسی مہیب تصویر پیش کرتا ہے جسے دیکھکر زمین کا بسنے والا اس جیسے ہونے کے خیال سے بھی لرز جاتا ہے۔

سیرۃ خاتم النبیین کا ایک صفحہ

دوستو ومن اصدق من اللہ قیلا اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہوسکتا ہے دیکھو جب کہ وہ تمہارے دین کو ہر پہلو سے کامل اس کی تعلیم کو ہر طرح کی رحمت وبرکت کا ضامن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو تمہارے لئے نمونہ فرمارہا ہے تو پھر تمہارا ایسا خیال محض ناآشنائے حقیقت ہونے کی دلیل ہے۔

عہد نبوۃ کا آغاز اور اس کا قبائل پر اثر

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس طرح شروع ہوتی ہے کہ وہ مقدس ہستی ہنوز شکم مادر میں ہے کہ باپ نے اس عالم سے کوچ کیا مالی حالت دادا کے وقت سے ہی مضمحل ہورہی تھی اب اس کا نام ونشان بھی نہ رہا خاتم النبیین کا منصب جس وقت تفویض ہوا اور اسی کے ساتھ یہ حکم ملا کہ یا یھا المدثر قم فانذر وربک فکبر تو یہ کوئی راز نہیں کہ اس ہادی برحق نے جس وقت اس حکم کی تعمیل فرمائی اور دعوت توحید کی تبلیغ عرب کی سرزمین میں پیش کی ہے تو سارے ملک میں زلزلہ پڑگیا مخالفت کی ایک آگ تھی جو تمام قبائل میں بھڑک اٹھی بغض وحسد کے شعلے ہر کافر ومشرک کے سینے سے بلند ہونے لگے۔

ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو آغاز کار میں معین و غمگسار ہوتا نہ ہاتھ میں دنیاوی مال و خزانہ تھا نہ اعانت و مدافعت کے لئے کوئی فوج و لشکر تیار تھا اپنا ملک دشمن اپنا قبیلہ دشمن اپنا خاندان و کنبہ دشمن۔

کفار کی ایذا رسانی صداقت ایمانی نے جب آہستہ آہستہ حق کے نور سے بعض سینے روشن کر دیئے تو اس وقت پیروان ملت بیضا بھی اعدا کے دست تطاول میں گرفتار ہو گئے اب کفار و مشرکین میں ہر روز مشورے ہوتے جفا و بیداد کی نت نئی تحریکیں پیش ہوتیں اذیت و آزار کا ہر روز ایک نیا پہلو تلاش کیا جاتا کبھی راستہ میں کانٹے بچھائے کبھی اونٹ کا اوجھ دوش اقدس پر لا کر رکھ دیا کبھی چادر پکڑ کر کھینچ لی گئی کبھی سنگ باری سے ساق مبارک زخمی و گھائل کر دی گئی کبھی مقاطعہ کی تحریک پر جو سرگرم ہوئے تو لین دین خرید و فروخت سب بند کر بیٹھے کبھی شہر بدر کرنے پر آمادہ نظر آئے کبھی قید کا فیصلہ کرنے لگے غرض تکلیف وہی کی جس قدر صورتیں اُن کے مشرکانہ دل و دماغ میں آسکیں انھیں نہایت بیدردی و بیباکی سے عمل میں لائے۔

مقصود ان ساری مفسدہ پردازیوں اور فتنہ انگیزیوں کا یہ تھا کہ اُس داعی حق کی صدائے حقانی کو کسی طرح پست کیا جائے لیکن وہ ذات پاک جسے اپنے مولیٰ تبارک و تعالیٰ کی جناب سے یہ حکم ملا تھا کہ یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمك من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔ یعنی اے رسول جو کچھ آپ کا رب آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے اُسے اُس کے بندوں تک پہونچائے رہا کفار و مشرکین کا شر و فساد اُس سے بچانے والا اور محفوظ رکھنے والا آپ کا اللہ تعالیٰ ہے پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ وہ پیکر حق وہ مجسمہ صداقت ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے دشمنوں کی

جمعیت یا ان کی فاسد شرارتوں سے مضطر ہو جاتا یا اپنے نشر و تبلیغ میں ایک ساعت کا بھی
التوا روا رکھتا وہ کمال استقامت اور انتہائے عزم سے ساری مخالفتوں کا مقابلہ کرتا رہا یہاں تک
کہ ہجرت کی آیت اُتری اور مکۂ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف آقائے دو عالم نے ہجرت فرمائی
صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

مکہ کے دشمنوں نے یہاں پہونچکر بھی راحت و اطمینان سے بیٹھنے نہ دیا آج بدر کی لڑائی
ہے تو کل احد کی غزوہ دومۃ الجندل سے فارغ ہی ہوئے تھے جو غزوہ خندق شروع
ہوگیا کفار و مشرکین کی یہ حالت تھی کہ نہ خود چین و سکون سے بیٹھتے تھے نہ داعی اسلام کو
طمانیت و فراغ کے ساتھ اشاعت دین کا موقع دیتے۔

مدینہ طیبہ میں مخالفتوں کا ہجوم

مدینہ پہونچکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور حریف سے
بھی مقابلہ کرنا پڑا یہ گروہ یہودیوں کا تھا اطراف مدینہ میں بکثرت یہود آباد تھے اُس وقت کے
لحاظ سے سامان قوت بھی ان کے پاس کافی تھا یہودیوں کی قوم ایسی خبیث النفس اور قسی القلب
ہے جن کے فتنہ و فساد شر و طغیان کے بے شمار واقعات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں ان
دو دشمنوں کے علاوہ خاص سکنائے مدینہ میں ایک گروہ منافقین کا پیدا ہوگیا جو بظاہر اسلام
کا کلمہ پڑھتا اور باطن میں عداوت اسلام و مسلمین مخفی و مکنون رکھتا جس کا موقع ہو تو اظہار بھی
ہو جاتا یہ مسلمانوں کا تیسرا دشمن تھا نجران میں کچھ عیسائی آباد تھے دعوتِ توحید نے اُنھیں
بھی مخالفت پر آمادہ کر دیا جن سے مباہلہ کا واقعہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

تمام ممکن حالات سے مبلغ اسلام و مسلمین کا مقابلہ

الغرض مدینہ طیبہ پہونچکر اُس اللہ کے حبیب کو چار
فریقوں سے مقابل ہونا پڑا مشرکین یہود و نصاریٰ
اور منافقین مقابلہ میں جو کچھ ہونا ممکن ہے وہ سب کچھ ہوا میدان کارزار کی بھی گرماگرمی رہی اور

قتل وقتال کی بھی خوں ریزی و خوں افشانی مسلمان شہید بھی ہوئے اور کفار کو تہ تیغ بھی کیا گھڑی دو گھڑی کے لئے شکست کے آثار بھی پائے گئے اور پھر صدق نے کذب پر حق نے باطل پر فتح بھی پائی۔

ایک ایسا موقع بھی اُحد کی لڑائی میں پیش آگیا کہ خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ ہوا اور وہ مقدس ہستی مجروح بھی ہوئی۔

کبھی کوئی مسلم کفار کے ظالم ہاتھوں میں مبتلا بھی پایا گیا اور کبھی مسلمانوں کے قبضہ میں جماعت کفار حالت اسیری میں بھی دیکھی گئی اسی دوران جنگ میں کبھی کسی فریق سے موادعت کی گفتگو ہو گئی اور کبھی کسی فریق سے مصالحت کی باتیں طے پا گئیں۔

سلاطین سے خطاب انھیں ایام میں جب کہ مجاہدین کے نعرۂ تکبیر و تہلیل سے سرزمین حجاز پر رحمتِ حق کی بارش ہو رہی تھی سلاطین روم و ایران اور فرمارو ایان عمان و حبشہ بھی دعوتِ تبلیغ سے محروم نہ رکھے گئے صلح حدیبیہ کے بعد چھ قاصد چھ بادشاہوں کے پاس ایک ہی دن روانہ کئے گئے بادشاہوں میں سے کسی نے قبول کیا اور کسی نے اعراض کسی نے قاصد کے عزت و احترام سے اپنے اخلاق کا ثبوت دیا اور کسی نے اپنی وحشت و تمرد کا اظہار کیا کسی نے قبول اسلام سے تو اپنے کو محروم و بے نصیب رکھا لیکن تحفہ و ہدیہ بھیجا جو قبول سرکار رسالت ہوا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک یہ پہلو تھا جو محاربین و مجادلین کے ساتھ نظام عمل کا سبق اپنی امت کو دیتا ہے۔

حیات اقدس کا دوسرا رُخ دوسرا رُخ اُس کی زندگی کا مسلمانوں کو تعلیم شریعت سے علماً و عملاً آراستہ و مزین بنانا تھا مہاجرین گھر بار خویش و اقربا چھوڑ چھوڑ کر آتے جاتے تھے اور رحمۃ للعالمین کے دامن شفقت میں وہ سب کچھ پالیتے جسے ایک مخلص و صادق مومن ہی

پاسکتا ہی مہاجرین کے علاوہ خود انصار کی جماعت میں اشاعت اسلام ہر روز افزوں ہو رہی تھی وفود کا ایاب و ذہاب اس کے علاوہ تھا جوق در جوق مختلف قبائل کے وفد آتے ایمان لاتے مسائل سیکھتے اور اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔

تبلیغ کی بے نظیر شان قابل لحاظ یہ نکتہ ہے کہ اسی کشاکش میں جب کہ ہر چہار طرف سے مخالفوں نے گھیر رکھا تھا ایک لمحہ بھی ایسا زندگی پیغمبر میں نہیں ملتا جس میں رشد و ہدایت کا درس دریغ رکھا گیا ہو عین ایسے موقع پر جب کہ احد کی لڑائی میں کفار و مشرکین نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نرغہ میں لے لیا تھا اعداء کے تلوار و نیزوں نے ہر چہار سمت سے گھیر رکھا تھا اسی غزوہ میں چند اشخاص حاضر خدمت ہوئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی تمنا ظاہر کی داعی الی اللہ سراج رسل ہادیٔ سبل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو کلمۂ ایمان کی تلقین فرمائی ایک ہی نظر کیمیا اثر سے ان کے قلوب کا تصفیہ و تزکیہ فرما دیا ان میں سے عمر بن لیث اور مخیریق کا نام صفحات تاریخ پر عجب لطائف نورانی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ہدایت کا ایک بے مثل واقعہ یہ دونوں شرف زیارت سے مستفیض ہوتے ہی استصواب فرماتے ہیں اسلم ام اقاتل یا رسول اللہ یعنی ارشاد فرمایئے پہلے اسلام لاؤں یا اس سے پیشتر جہاد شروع کر دوں اللہ اللہ اس سوال کے جواب کا کیسا سخت موقع ہے منصب رسالت کی بجا آوری کا کیسا نازک لمحہ ہے لیکن وہ ذات مقدس جس کی بعثت کا مقصد تمام عالم میں تبلیغ دعوت توحید ہے اس کا جواب یہ ہوتا ہے اسلم ثم قاتل یعنی اے عزیزو پہلے اسلام لاؤ پھر حمایت ایمان میں مقاتلہ کرو۔ دونوں حضرات ایمان لاتے ہیں فیض و انوار سے ان کے قلوب معمور و مملو کر دیئے جاتے ہیں چاشت کا وقت ہے کسی نماز فریضہ کی یہ ساعت نہیں لیکن جہاد کا فرض سامنے ہے اس کے ادا میں مصروف و مشغول ہو جاتے ہیں کچھ ایسے

اخلاص وصدق کے ساتھ اس فرض کو یہ دونوں اصحاب (رضی اللہ عنہما) انجام دے رہے تھے کہ مولیٰ عزوجل کو ان کی خدمت گزاری پسند آگئی جام شہادت سے دونوں سیراب ہو کر الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب کا رمز آشکارا کر گئے۔

حقیقی سجدہ اصحاب رضوان اللہ کا جب کبھی اجتماع ہوتا تو آپس میں پہیلی کے طور پر یہ بوجھتے کہ وہ کون صحابی ہے جس نے نماز فریضہ کا ایک سجدہ بھی ادا نہیں کیا اور قطعی جنتی ہو۔ پھر فرماتے کہ یہ وہ اصحاب ہیں جو احد کے غزوہ میں ایمان لائے نماز فرض کا کوئی وقت نہ تھا اس لئے صلوٰۃ اُن پر فرض نہ ہوئی جہاد کا فرض نہایت سرگرمی سے انجام دیا جا رہا تھا اُس میں شریک ہو کر منصب شہادت سے سرخرو ہوئے لیکن دوستو فی الحقیقت سجدہ تو وہی تھا جو انھیں نصیب ہوا خدا کی راہ میں چلے خدمت قبول ہوئی شکرانہ میں ایسے سربسجود ہوئے کہ اب کل قیامت ہی میں سر اُٹھائیں گے ؎

مست مئے بیدار گرد نیم شب
مست ساقی روز محشر بامداد

پیغمبر کی حیات مقدس ہر حالت میں سبق آموز نمونہ ہے مذکورۂ بالا واقعات وحقایق میں اگر نظر تعمق سے کام لیا جائے تو سورج کی روشنی سے بھی زیادہ واضح نظر آجائے گا کہ باوجود مسلسل دشواریوں اور گوناگوں پیچیدگیوں کے جن میں سے ہر ایک حوصلہ شکن اور نظام عمل کی درہم برہم کرنے والی تھی ہادی برحق کے عزم واستقلال اور نظام کار میں سر مو فرق نہ آیا آہستہ آہستہ اسلام ومسلمین میں قوت پیدا ہونے لگی یہاں تک کہ بہت ہی قلیل مدت میں باقاعدہ ایک ریاست کی شان پیدا ہو گئی پھر جب کہ مکہ فتح ہوا تو اب ایک سلطنت کی قوت وطاقت تھی جس میں ہر روز وسعت وکمال کی افزایش ہو رہی تھی۔

اشارات صدر سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ایک وہ مذہب جو انتہائے ضعف و اضمحلال سے شروع ہوا ہو اور محیر العقل سرعت و تیزی سے سلطنت کے رتبہ تک پہونچا ہو جس کے معلم کو ہر اصناف خلق اور گوناگوں اہل مذاہب سے سابقہ و مقابلہ رہا ہو اُس دین کے متعلق یہ کہنا کہ سیاسیات کا مذہب سے کیا تعلق یا اُسے رہبانیت کا مرادف قرار دینا یا کسی حال میں بھی اس کی تعلیم کو صامت و ساکت فرض کر لینا کس قدر بے انصافی و محرومی کی دلیل ہے انتہائی بدنصیبی یہ ہے کہ آج اس دین حنیف اور ملت بیضا کے نہ صرف پیرو بلکہ اُس مذہب کے عالم و علامہ ہونے کے مدعی اور علم کے ساتھ کسی سلسلہ طریقت کے شیخ ہونے کا جو ادعا رکھتے ہیں جن کے ہاتھوں پر سیکڑوں مسلمان بیعت طریقت کر کے وصول الی اللہ کی راہ پانا چاہتے ہیں آج وہ ہیں کہ صاف لفظوں میں یہ کہہ رہے ہیں کہ "گاندھی مذکر ہے" "پسر و گاندھی کا ہوں" "گاندھی کو اپنا رہنما بنا لیا ہے" "اسلام کی نجات گاندھی کے ہاتھوں سے ہوگی"۔ لا الٰہ الا اللہ ان مدعیان علم نے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کی جو تغییر کر اس وقت اپنے اقوال و افعال سے کی ہے اُس سے اسلام اور اسلام کی تعلیم بیزار ہے حق سبحانہٗ انھیں ہدایت فرمائے اور ان کا کھویا ہوا ایمان پھر انھیں مرحمت فرمائے بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد۔

عزیزان وطن اگر آپ فقیر کی اس گزارش کو سرسری طور پر پڑھتے ہوئے گزر نجائیں بلکہ ذرہ ان سطروں کو پڑھکر سوچیں کہ میں نے کیا کہا اور کیوں کہا تو اُمید کرتا ہوں کہ اگر آپ کامل غور و فکر سے کام لیں گے تو مسئلہ موالات کی بابت سے مغالطات خود بخود منکشف ہو جائیں گے اور نظام کار کار استہ بالکل صاف ہو جائیگا تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ کون سے تعلقات کفار سے ناجائز و ممنوع ہیں اور وہ کون سے علائق ہیں جنھیں خود شارع علیہ السلام نے عمل آرا ہو کر ہمیں دنیا میں رہنے اور دین کی خدمت انجام دینے کی رہبری فرمائی۔

یہ شریعت پر بہتان ہی احکام شرعیہ میں کھلی تحریف ہی آیۃ قرآن مجید کی صریح مخالفت ہی جو یہ کہا جاتا ہے کہ کفار ہند سے موالات جائز ہی مصیبت عظمیٰ تو یہ ہے کہ طرح طرح سے کفار ومشرکین کے ساتھ موالات عمل میں آرہی ہی اور اسے خدمت دین اور جہاد اکبر قرار دیا جاتا ہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا۔

لفظ ولا کے معنی کی تحقیق مسئلہ موالات کے ہر پہلو کو واضح ولائح طور پر سمجھنے کے لئے ضرورت ہی کہ لفظ ولا کا صحیح مفہوم ومعنی پہلے سمجھ لیا جائے بشریعت نے لفظ ولا کے حقیقی ومستعار معنی یہ بیان کئے ہیں الولاء ان یحصل شیأن فصاعدا حصولاً لیس بینھما مالیس منھما ویستعار ذالک للقرب من حیث المکان ومن حیث النسبۃ ومن حیث الدین ومن حیث الصداقۃ والنصرۃ والاعتقاد یعنی دو یا دو سے زیادہ چیزیں جب اس طرح باہم پائی جائیں کہ اُن دونوں کے درمیان کوئی تیسری شے ایسی حائل نہو جو اُن میں سے نہو تو اُسے ولا کہیں گے لفظ ولا کے یہ حقیقی معنی ہیں اس لفظ کے معنی مستعار نزدیکی ہیں یہ نزدیکی خواہ باعتبار مکان ہو یا باعتبار نسبت یا باعتبار دین یا باعتبار دوستی یا باعتبار مدد یا باعتبار اعتقاد اس ترجمہ کا خلاصہ اور ماحصل

بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ دو چیزوں میں ایسا اتصال و وصال کہ حد فاصل اُٹھ جائے امتیاز تغایر مٹ جائے اور ایک دوسرے پر محمول ہو سکیں تو اس نزدیکی وقرب کا نام ولا ہوگا لیکن اگر کوئی حد فاصل قایم ہے اور دونوں کی حقیقت ایک دوسرے سے ممتاز ہو رہی ہی تو اس قرب و وصال کا نام ولا نہو گا۔

مذہب اسلام نے اپنے متبعین کو یہ ہدایت فرمائی کہ تمہارا غیر مسلم قوم سے کسی حال میں بھی ایسا میل جول نہونا چاہیے جس سے فرق اسلام وغیر اسلام مٹ جائے ایسا تعلق خواہ تمہارے

معاملات (یعنی اعمال اعضاء و جوارح) کا پایا جائے یا معتقدات (یعنی تصدیقات قلبیہ) کا شریعت کے نزدیک جرم عظیم ہے۔ مثلاً اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان ایک کافر کی ملازمت کرے یا اُسے نوکر رکھے اور اس تعلق و نسبت سے کفر کی امداد یا کفر سے نزدیک ہونا مقصود ہو یا کافر کی ہمسائگی ایسے مقصد و مطلب کے لئے اختیار کی جائے تو یہ کھلا ہوا نفاق ہے اور منافق مُسلمان نہیں۔

اسی طرح یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ اگر کسی فرد مسلم یا جماعت مسلم کا کسی غیر مسلم سے قرب من حیث دین یا اعتقاد پایا جائے گا تو یقیناً اُس کا شمار اُسی گروہ میں ہوگا جس کے دین و اعتقاد سے یہ نزدیک ہوا۔

اسی طرح صداقت سچی دوستی اور دلی محبت کا نام ہے دو شخص باہم صدیق یعنی سچے دوست صحیح معنوں میں اُسی وقت کہے جائیں گے جب کہ احکام اثنینیت اور دوئی بالکلیہ اُٹھ جائیں شریعت محمدی نے اپنے پیروی کرنے والوں کو ایک غیر مسلم قوم سے صداقت ورِوداد پیدا کرنے یا باقی رکھنے سے منع کیا وہ دل جس میں اللہ اور اُس کے رسول برحق کی محبت ہو اُس میں ایسے اشخاص یا اقوام کی کہاں سمائی ہو سکتی ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کے دشمن ہوں۔

موالات فی العمل اور موالات صوری کا فرق

لیکن اعمال اعضاء و جوارح ان کی دو صورتیں ہیں ہر ایک کا حکم اور نام شریعت نے جداگانہ رکھا ہے ایسا کام یا ایسا فعل جس سے ادیان باطلہ کا فروغ ہوتا ہو یا اپنے دین و مذہب کو نقصان پہونچتا ہو نا روا و ناجائز ہے اور اسے موالات فی العمل کہیں گے ایسی نصرت و مدد غیر مسلم سے لینا یا غیر مسلم کو پہونچانا جس سے اُس کے مذہب کی تقویت ہو یا اپنے دین پر گزند آئے شریعت میں گناہ کبیرہ ہے انتہا یہ کہ

گھوڑے اور ہتھیار کا حربی قوموں کے ہاتھ بیچنا یہ بھی ناجائز قرار پایا ایسے افعال کا مرتکب منافق فی العمل قرار پائے گا لیکن اگر ایسا نہیں تو وہ مراسم و تعلقات جائز و مباح قرار پائیں گے اور ایسی مدد و نصرت جس میں حمایت غیر دین کی نہ ہوتی ہو رحمت و شفقت میں شمار ہو گی حسن معاشرت اور مدارات اُسے کہیں گے نہ وہ موالات ہے نہ کوئی اُسے موالات قرار دینے کا مجاز ہے بعد اس کے کہ لفظ ولا کے حقیقی و مستعار معنی کی تشریح ہو چکی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح ولا منہی عنہ و ممنوع ہے اسی طرح وداد۔ رکون اور اتحاد بھی ممنوع ہے اس میں نہ تو کسی غیر مسلم فریق کا استثنا ہے نہ کسی حالت میں کسی غیر مسلم کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی ہے۔

مسلم کی نسبتیں غیر مسلم کے ساتھ چار قسم کی ہو سکتی ہیں غیر مسلم ذمی ہو۔ غیر مسلم خراج گذار رعایا ہو۔ غیر مسلم مساوی و مقابل ہو۔ غیر مسلم حاکم ہو مساوات و تقابل کی تین صورتیں ہوں گی اوّلاً یہ کہ مصالحت و موادعت ہو باہمی معاہدہ سے آپس میں بطور قرارداد و تفاہمہ کچھ طے پا چکا ہو ثانیاً یہ کہ غیر مسلم آمادۂ پیکار ہو جنگ چھڑ گئی ہو یا چھڑ جانے کا احتمال ہو ثالثاً یہ کہ ایک دوسرے سے کسی امر خارج کے سبب تعرض نہ کر سکتا ہو حالات کے ان سب اقسام و تنوعات میں کوئی شکل و حالت ایسی نہیں جس میں منہی عنہ تعلقات یعنی موالات و وداد رکون و اتحاد کا جواز وا باحت بھی قرآن کریم یا حدیث نبوی یا اجماع اُمت یا اجتہاد ائمہ دین سے ثابت ہو سکے۔

غیر مسلم سے موالات ہر حال میں ممنوع ہے

حقیقت یہ ہے کہ مسلم کی موالات خدا کی وہ نعمت ہے جسے ایک مسلم ہی پا سکتا ہے کسی غیر مسلم شخص یا قوم کو موالات مسلم سے مستفید ہونے کا کوئی موقع نہیں دیا گیا ہاں قوم مسلم رحمۃ للعالمین کی امت ہے اس لیے

اس کے فیوض رحمت اور برکات شفقت جو ولا سے اپنی صورت مشابہ رکھتے ہیں لیکن باعتبار حقیقت و ماہیت وہ ولا نہیں اُن سے غیر مسلم قومیں بھی محروم نہ رکھی جائیں گی خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ کفار و مشرکین ہوں یا صابئین و تنیین حالت امن و سکون ہو یا میدان حرب و قتال

دوستو تم نے سُنا میں نے کیا کہا میں نے یہ کہا کہ موالات ایک مسلمان دوسرے مسلمان ہی سے کر سکتا ہے خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر کسی حال میں بھی ایک مسلم کسی غیر مسلم شخص یا قوم سے ولاد موالات رکھنے کا مجاز نہیں بنایا گیا حد یہ کہ منافق جو صورتاً مسلمان ہی ہوتا ہے اس سے محروم کر دیا گیا فساق فجار سے بھی ولا منع ہے ایک مومن اسی پر مامور ہے کہ وہ موالات ایک مومن ہی سے رکھے سوا مومن کے جو بھی ہو وہ موالات مومن سے محروم ہی رہے گا قرآن مجید نے یہی حکم دیا ہے سنت رسول نے یہی تفسیر کی ہے حاملان علوم دینیہ نے یہی سمجھا ہے یہی اپنی تفسیروں میں لکھا ہے۔

فقیر کی ایک التماس ہے کلام پاک کی تلاوت کر جاؤ لفظ ولا کو تلاش کرو کسی جگہ تمھیں یہ حکم نہ ملے گا کہ اس حالت میں کفار یا یہود یا نصاریٰ کے ساتھ موالات کرنے کی تمھیں اجازت ہے تم کو اگر اپنے تلاوت قرآن اور فہم کی تقصیر کا اعتراف ہو تو علمائے سیاسی سے پوچھ دیکھو اس قدر تمیز تو تم بھی رکھتے ہو کہ الفاظ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو جس لفظ کے متعلق نہی وارد ہے اگر وہ لفظ یا اسی کا مشتق و مصدر تمھیں آنکھوں سے دکھائی دے تو سمجھے جو چاہو کہو لیکن اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تو سمجھ لو کہ پانی یہاں مرتا ہے۔

علمائے سوء کی ایک عیاری

اس وقت مسئلہ موالات اس شکل سے سامنے لایا گیا ہے جس سے سطحی نظر والوں کو یہ معلوم ہوا کہ واقعات و حالات پر علماء نے ایک گہری نظر ڈالی اور انتہائے جدوجہد کمال سعی و کوشش کا نتیجہ ہے جو ایسی حالت میں صحیح

ذمہ داری مذہبی اور تحقیق مطالبہ دینی جو مسلمانوں پر اُن کا مذہب پیش کر رہا تھا علمائے ربانی کے مجتہدانہ دقیق نگاہوں نے اُسے پالیا۔

حالاں کہ موالات رکون وداد اور اتحاد یہ وہ مسائل ہیں جن کا غیر مسلم کے ساتھ پایا جانا ہمیشہ سے منہی عنہ ہے اور ہر حال میں منہی عنہ رہے گا خواہ غیر مسلم ذمی ہو یا رعایا مساوی ومقابل ہو یا مستولی و متسلط حالت امن و سکون ہو یا حرب و جدال۔

ان تفصیلات کے بعد اکابر مفسرین کی تفسیر سے شواہد پیش کرتا ہوں عبارت تفاسیر کی حسب ذیل امور پر روشنی پڑے گی۔

(۱) وہ کل آیتیں جن میں غیر مسلم کے ساتھ موالات و وداد پر نہی وارد ہے وہاں علت نہی اُن کا کافر و بیدین ہونا ہے۔

(۲) الحب فی اللہ والبغض فی اللہ اصول دین میں سے ایک اہم اصل دینی ہے یعنی دوستی و محبت اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیئے اور بغض و عداوت بھی اللہ ہی کیلئے

(۳) کفار یا مشرکین کے ساتھ ترک وداد اور ترک موالات میں قتال یا عدم قتال ایجاباً و سلباً کوئی دخل نہیں رکھتے کفر و اسلام ان کے ایجاب و سلب کے حقیقی علل ہیں۔

(۴) جہاں ایمان و اسلام ہے وہاں موالات و وداد ہے اور جہاں کفر و شرک ہے وہاں موالات و وداد کا سلب ضروری ہے۔

(۵) سورۂ ممتحنہ کی آیت لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الخ منسوخ نہیں ہے بلکہ بعضوں کے نزدیک منسوخ ہے۔

(۶) آیات ترک موالات مطلق ہیں کوئی مفسر ان کے نسخ اطلاق کا قائل نہیں۔

(۷) موالات غیر مسلم کے معنی دوستی و محبت ہیں یا ایسی اعانت و نصرت جس سے

مسلمانوں کا یا اسلام کا نقصان ممکن و قرین قیاس ہو معاشرتی و تمدنی امور میں مدد لینا یا مدد دینا ہرگز ممنوع نہیں۔

تفسیر جلالین (۱) (یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء) توالونھم وتوادونھم (بعضھم اولیاء بعض) لاتحادھم فی الکفر (ومن یتولھم منکم فانہ منھم) من جملتھم (ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین) بموالاتھم الکفار ہ	اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ بایں طور کہ اُن سے موالات کرو یا مودہ پیدا کرو یہ سب کے سب کفر میں متحد اور ایک ہیں اس لئے بعض اُن کا بعض کا دوست ہی اور جو تم میں سے اُنہیں دوست بنائے گا وہ اُنھیں میں شمار ہوگا اللہ تعالےٰ ظالموں کی ہدایت نہیں فرماتا یہ ظالم ہی جو اُنھوں نے کفار سے موالات رکھی۔
(۲) (لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء) یوالونھم (من دون) ای غیر (المؤمنین ومن یفعل ذالک) ای یوالھم (فلیس من) دین (اللہ فی شیٔ)	مومنین کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو مومن ایسا کرے گا یعنی اُن سے دوستی کرے گا تو اُس کے لئے دین الٰہی میں کچھ باقی نہ رہا۔

تنویر دیکھو آیۂ کریمہ میں مولیٰ تبارک وتعالےٰ نے مطلق کفار اور یہود و نصاریٰ سے مودۃ و موالات یعنی دوستی و محبت منع فرمائی ہی مفسر نے بھی مطلق ہی سمجھا اور لکھا کوئی قید اس کی نہیں لگائی کہ جو کافر و نصرانی مسلمانوں سے لڑے یا مکانوں سے نکالے موالات اُس سے ممنوع ہی کیا مطلق کو مقید کرنا یہ تحریف نہیں! اگر آیۂ ممتحنہ اس کی ناسخ ہوتی تو مفسر قید قتال فی الدین اور اخراج عن الدیار کا اضافہ کر دیتا یا کم از کم نسخ کا اشارہ کر دیتا لیکن جب کہ ایسا

نہیں ہے تو پھر موالات کے وہی معنی ہوئے جو شریعت کی زبان سے گزشتہ صحبت میں بتا چکا ہوں

تفسیر بیضاوی (۱) (یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء) فلا تعتمدوا علیھم ولا تعاشروھم معاشرۃ الاحباب (بعضھم اولیاء بعض) ایماء الی علۃ النھی ای انھم متفقون علی خلافکم یوالی بعضھم بعضا لاتحادھم فی الدین واجماعھم علی مضادتکم

یہود ونصاریٰ پر نہ تو اعتماد کرو نہ مثل احباب کے ان کے ساتھ معاشرت رکھو بعضھم اولیاء بعض کا اشارہ علت نہی کی طرف ہے یہود ونصاریٰ تمہاری مخالفت پر متفق ہیں مذہب میں متحد اور ایک ہیں اس لئے آپس میں باہم دوست و مددگار ہیں تمہاری ضد اور مخالفت پر ان سب کا اجماع ہے۔

(۲) (لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء) نھوا عن موالاتھم لقرابۃ او صداقۃ جاھلیۃ ونحوھما حتی لا یکون حبھم وبغضھم الا فی اللہ او عن الاستعانۃ بھم فی الغزو وسائر الامور الدینیۃ (من دون المؤمنین) اشارۃ الی انھم الاحقاء بالموالاۃ وان فی موالاتھم مندوحۃ عن موالاۃ الکفرۃ (ومن یفعل ذلک) ای اتخاذھم اولیاء (فلیس من اللہ فی شیء) ای من ولایتہ فی شیء یصح ان یسمی ولایۃ فان موالاۃ المتعادیین لا یجتمعان قال شعر

مومنین منع کئے گئے ہیں کہ وہ کفار سے دوستی و محبت رکھیں خواہ یہ محبت بسبب قرابت کے ہو یا اس دوستی کی وجہ سے جو ایام جاہلیت میں تھی یا کسی اور سبب سے کفار کے ساتھ ہر قسم کے علاقہ محبت کو اس طرح قطع کر دیں کہ ان کی محبت اور ان کا بغض اللہ ہی کے لئے رہ جائے یا لفظ ولا اس آیۃ میں بہ معنی نصرۃ و اعانت ہے اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے۔

تو دعلاوی ثم تزعم انی   کہ مومنین منع کئے گئے ہیں اس سے کہ وہ کفار سے مدد لیں

صدیقک لیس النوک عنک بعاذب   غزوات یعنی جہاد میں اور کل دینی کاموں میں

من دون المؤمنین کا اشارہ اس طرف ہے کہ مستحق موالات مومنین ہی ہیں ان کی محبت
و دوستی ان کی اعانت و مدد کفار سے بے نیاز کرنے والی ہے اور جو شخص ایسا کرتا ہے یعنی اُن سے
محبت کرتا ہے یا اُن سے دینی کاموں میں مدد لیتا ہے تو پھر اُس کے لئے ولایت اللہ میں سے ایک
ذرہ بھی ایسا نہ رہا جس کا ولایت نام رکھا جا سکے اس لئے کہ دو دشمنوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی
شاعر کہتا ہے میرے دشمن سے تو دوستی رکھتا ہے پھر خیال کرتا ہے کہ میں تیرا دوست ہوں ایسا
خیال تیری حماقت سے کچھ بعید نہیں۔

تنویر تفسیر بیضاوی کی عبارت سامنے موجود ہے دیکھو علت عدم موالات کفر کو قرار دیا ہے
یا قتال فی الدین اور اخراج مسلمین کو مطلقاً کفار و یہود و نصاریٰ سے جب کہ موالات ممنوع
ہے تو پھر قید قتال فی الدین وغیرہ کی بڑھانا کیا مذہب میں تحریف نہیں پھر یہ بھی دیکھو کہ ولا
اگر نصرۃ و مدد کے معنی میں لیا جائے تو کس طرح کی مدد لینا کفار سے ممنوع ہے صاف لفظوں
میں بیضاوی نے بتا دیا ہے اور مثال بھی پیش کر دی ہے۔

کھلے لفظوں میں مفسر کہہ رہا ہے کہ دینی کاموں میں مدد کفار سے لینا موالات ہے مثلاً
جہاد و غزوات یا اور کوئی دینی امر دنیاوی کاروبار اور معاشرتی زندگی میں نہ مدد لینا موالات
ہے نہ مدد دینا۔

خدارا انصاف شرط ہے اسکول اور کالج جو اپنا ہی روپیہ واپس لے کر جب حکومت نے اپنی مقصد
تعلیم کے لئے کر جمع کیا تھا اس کی واپسی تو موالات میں شمار ہو روپیہ لینے والا حکم قرآن سے مخالفت
کرنے والا قرار پائے لیکن خلافت جو محض دینی مسئلہ اور انگریزوں سے جزیرۃ العرب کا تخلیہ

جو خالص جہاد و غزوہ ہے اس میں گاندھی اور کفاران ہند سے نہ صرف مدد لینا بلکہ من کل الوجوہ ان کے ہاتھوں کی کٹ پتلی ہو جانا نہ موالات نہ منہی عنہ بلکہ سنت و فرض ہے۔

تفسیر مدارک (۱) (لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء) نهوا ان یوالوا الکافرین لقرابة بینهم او لصداقة قبل الاسلام او غیر ذالک وقد کرر ذالک فی القرآن والمحبة فی الله والبغض فی الله باب عظیم فی الایمان

مومنین اس سے منع کئے گئے ہیں کہ وہ کفار کے ساتھ دوستی و محبت رکھیں یہ محبت خواہ قرابت کے سبب یا جاہلیت کی دوستی کی وجہ سے یا کسی اور باعث سے ہو یہ مسئلہ قرآن میں بار بار آیا ہے محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ ایمان کا ایک بہت بڑا باب ہے۔

(مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ) یعنی ان لکم فی موالاة المؤمنین مندوحة عن موالاة الکافرین فلا توالوهم علیهم (ومن یفعل ذالک فلیس من الله فی شیء) ای ومن یوالی الکفرة فلیس من ولایة الله فی شیء لان موالاة الولی وموالاة عدوه متنافیان

(من دون المؤمنین) یعنی اے مسلمانوں تمھیں مومنین کی موالات کفار کی موالات سے بے نیاز کردیگی انہیں چھوڑ کر کفار کو محبوب نہ بناؤ (ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیء) جو شخص کفار سے دوستی کرتا ہے اس کے لئے اللہ کی ولایت سے کچھ باقی نہ رہا اس لئے کہ کسی دوست کی محبت اور اس دوست کے دشمن کی محبت یہ دونوں متنافی ہیں۔

(۲) یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء) ای لا تتخذوهم اولیاء تنصرونهم وتستنصرونهم وتواخونهم وتعاشرونهم معاشرة المؤمنین ثم علل النهی بقوله (بعضهم اولیاء بعض) وکلهم اعداء للمؤمن وفیه دلیل ان الکفر کله ملة واحدة (ومن یتولهم منکم فانه منهم) من جملتهم وحکمه حکمهم

یہود و نصاریٰ کو اپنا اولیاء نہ بناؤ بایں طور کہ ان کی مدد کرو یا ان سے مدد لو یا ان سے بھائی چارہ قایم کرو یا ان سے ایسی معاشرت رکھو جیسا مسلمانوں کی آپس میں معاشرت ہونی چاہیئے پھر نہی کی علت اپنے اس قول سے بیان فرماتا ہے (بعضهم اولیاء بعض) ہر ایک ان میں سے مسلمانوں کا دشمن ہے اور اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ کفر کے سارے مذاہب ایک ہی مذہب ہیں (ومن یتولهم منکم فانه منهم) جو شخص تم میں سے دل لگائے وہ

وھذا تغلیظ من اللہ و تشدید فی وجوب مجانبۃ المخالف فی الدین

اُسی گروہ میں سے ہے اور اُس کا حکم بھی وہی ہے جو اُس فرقہ کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بہت بڑی سختی اور شدت ہے کہ جو دین اسلام کا مخالف ہے اُس سے پہلو تہی کرنا واجب ہے

تنویر تفسیر مدارک بھی ایک مشہور و معروف کتاب ہے اس مفسر نے بھی مطلقاً کفار و یہود و نصاریٰ سے ترک موالات واجب سمجھا اور لکھا یہاں تک کہ ہر وہ قوم یا شخص جو مخالف فی الدین ہے اُس سے ترک موالات ضروری ہے مسلمان نہ اُس کی دوستی کریں گے نہ اُس کے دینی و مذہبی کاموں میں مدد دیں گے نہ اپنے مذہبی اُمور میں اُس سے مدد لیں گے۔

مسلمانوں کے مذہبی امور میں مسلمانوں کا معین و مددگار رہنا موالات کفار سے مستغنی و بے نیاز کرنے والا ہے اور کفار بےدین کے مددگار و یار و غمگسار کفار ہیں۔

تفسیر البحر المحیط ابوحیان اندلسی

(۱) لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیٔ) النھی ھنا انما معناہ النھی عن اللطف بھم والمیل الیھم واللطف عام فی جمیع الاعصار وقد تکرر ھذا فی القرآن ویکفیک من ذالک قولہ تعالیٰ لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ الخ والمحبۃ فی اللہ والبغض فی اللہ اصل عظیم من اصول الدین وظاھر الآیۃ تقتضی النھی عن موالاتھم الا ما فیہ لنا

اس جگہ نہی کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کو کفار کے ساتھ لطف کرنے سے اور اُن کی طرف جھکنے سے منع کیا گیا ہے۔ لطف سے اُن کا باز رکھنا ہر زمانے کے لئے عام ہے یہ مضمون قرآن میں بار بار آیا ہے تیرے لئے اللہ کا یہ فرمانا کافی ہے کہ تو نہ پائے گا ایسی قوم جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائی ہو کہ وہ قوم دوست رکھے

فیہ من اتخاذھم عبیدا او لا استعانة بھم او الاستعانة العزیز بالذلیل والارفع بالاوضع والنکاح فیھم فھذا کلہ ضرب من الموالاة اذن لنا فیہ ولسنا ممنوعین منہ والنھی لیس علی عمومہ ۃ

اُسے جو اللہ اور اللہ کے رسول کا دشمن ہو محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ اصول دین میں سے ایک بہت بڑی اصل ہے. ظاہر آیت اُن سے موالات کو منع کرتی ہے مگر وہ چیزیں مستثنےٰ ہیں جن میں ہمیں گنجائش ہے جیسا کہ اُنھیں غلام بنا کر رکھا جائے یا اُن سے مدد لینا جیسا کہ عزیز ذلیل سے یا صاحب منصب کم رتبہ سے مدد لیا کرتا ہے یا اُن کی عورتوں سے نکاح کرنا یہ سب قسمیں موالات کی ہیں جن کی ہمیں اجازت دی گئی ہے اور اس سے ہم منع نہیں کیے گئے ہیں نہی اپنے عموم پر نہیں ہے۔

تنویر علامہ اندلسی نے اس آیۃ کی تفسیر میں بعض اشارات لطیفہ کی طرف ہدایت فرمائی ہے عدم موالات کی وجہ بغض فی اللہ کو قرار دیا جیسا کہ دیگر مفسرین کی تفسیروں سے واضح ہو چکا ہے سورہ ممتحنہ کی آیت نے مطلق کو مقید نہیں کیا اگر قتال فی الدین وغیرہ علت نہی ہوتی تو کوئی مفسر تو اُسے لکھتا! آخر اس کی کیا وجہ جو ہر ایک مفسر مطلقاً کفار سے موالات ناجائز قرار دیتا ہے مزید برآں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کو اصل قرار دیتے ہوئے ہر ایک مفسر اطلاق پر مہر کر دیتا ہے۔

اسی کے ساتھ مفسر اندلسی نے معاشرت اور کاروباری زندگی کے متعلق بھی یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ امور موالات صوری ہیں منہی عنہ موالات حقیقی ہے نہ کہ موالات صوری النہی لیس علی عمومہ کا یہی مطلب ہے۔

تفسیر خازن (۱) لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء یعنی انصاراً واعواناً

(۱) مومنین کو اپنا ناصر و معین سوائے مومن کے غیر مومن کو نہ بنانا چاہئے ایک مومن اپنی ولایت

من دون المؤمنين يعني من غير المؤمنين والمعنى لايجعل المؤمن ولايته لمن هو غير مؤمن نهى الله المؤمنين ان يوالوا الكفار اويلاطفوهم لقرابة بينهم او محبة او معاشرة والمحبة في الله والبغض في الله باب عظيم واصل من اصول الايمان (وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ) يعني موالاة الكفار من نقل الاخبار اليهم واظهار عورة المسلمين او يودهم ويحبهم فليس من الله في شئ

کسی غیر مومن کے ساتھ نہ قایم کرے مسلمانوں کو اللہ تعالے نے اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ کفار کے ساتھ موالات و ملاطفت اختیار کریں یہ فعل اُن کا قرابت باہمی یا محبت یا معاشرت ہی کے سبب کیوں نہو ہر حال میں موالات منہی عنہ ہے محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ دین کا بڑا باب ہے اور اصول ایمان میں سے ایک اصل ہے اور جس نے ایسا کیا یعنی کفار سے موالات اختیار کی بایں طور کہ مسلمانوں کی خبریں اُن تک پہنچائیں یا مسلمانوں کے بھیدوں سے انھیں آگاہ کیا یا اُن سے دوستی و محبت کی تو اُس کے لئے خدا کی رحمت سے کچھ حصّہ نہ رہا۔

(۳) (يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ) نهى الله المؤمنين جميعا ان يتخذوا اليهود والنصارى انصارا واعوانا على اهل الايمان بالله ورسوله واخبرانه من اتخذهم انصارا واعوانا وحلفاء من دون الله ورسوله والمؤمنين فانه منهم وان الله ورسوله والمؤمنين منه براء (بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ) يعني ان بعض اليهود انصار بعض على المؤمنين

(۳) ساری مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ اُن لوگوں پر جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے ہیں یہود و نصاریٰ کو اپنا ناصر و معین بنائیں اور یہ خبر ارشاد فرمائی کہ اللہ اور اُس کے رسول اور مومنین کو چھوڑ کر جو انھیں اپنا ناصر یا معین یا حلیف بنائے گا اُس کا شمار انھیں میں ہوگا بیشک اللہ اور اُس کا رسول اور مومنین اُس سے بری ہوگئے۔ مومنین کی مخالفت پر بعض یہود بعض کے مددگار ہیں اور یہی حال نصاریٰ کا ہے

وان النصارى كذالك يد واحدة على من خالفهم فى دينهم وملتهم (ومن يتولهم منكم فانه منهم) يعنى ومن يتولى اليهود والنصارى دون المؤمنين فينصرهم على المؤمنين فهو من اهل دينهم وملتهم لانه لا يتولى مولى احد الا وهو راض به و بدينه واذا رضيه ورضى دينه صار منهم وهذا تعليم من الله وتشديد عظيم فى مجانبة اليهود والنصارى وكل من خالف دين الاسلام ۔

کہ جو اُن کے دین و ملت کا مخالف ہو اُس کی مخالفت و مقابلہ پر سب یک ہاتھ ہو جاتے ہیں جو شخص یہود و نصاریٰ سے مومنین کو چھوڑ کر موالات کریگا پھر یہود و نصاریٰ کی مسلمانوں کے مضرت و نقصان یا مقابلہ پر مدد کرے گا تو وہ انہیں کے دین و ملت میں محسوب ہو گا کسی کی مدد کرنیگا یہی نشان ہے کہ اُس سے اور اُس کے دین سے مدد کرنیوالا راضی ہے۔ اور جب اُس سے اور اُس کے دین سے راضی ہوا تو انہیں میں سے ہوا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم ہو اور یہود و نصاریٰ اور ہر وہ شخص جو دین اسلام کا مخالف ہو اُس سے پہلو تہی کرنے کا بڑی شدت و سختی سے حکم دیا گیا ہے۔

تنویر مسلمانو! تفسیر خازن کی عبارت پڑھو دیکھو تو کفار کی مدد دینی و مذہبی امور میں ممنوع ہے یا معاشرتی اور عمرانی زندگی میں۔ کیا مفسر ممتحنہ کی آیت سے اس آیت کو منسوخ قرار دیتا ہے؟ کیا مفسر نے یہود و نصاریٰ اور کفار سے مطلق ارادہ نہیں کیا؟ کیا قید قتال فی الدین یا اخراج مسلمین کا اضافہ کیا؟ کیا ہر مخالف دین اسلام کے ساتھ ترک موالات کو واجب نہیں کہا؟ کیا کفار و نصاریٰ سے دوستی اور محبت کو منع نہیں فرمایا؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب تمہیں انصاف صحیح کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو پھر تمہیں بتاؤ کہ مسٹر گاندھی اور اُن کے ہم مذہبوں سے محبت کرنا کیا موالات نہیں۔ تمہیں بتاؤ قربانی گاؤ کو ترک کرنا یہاں تک کہ معمولاً اُس کا ذبح بند کرنا کیا مسلمانوں کو چھوڑنا اور مومنین کے مقابلہ میں کفار و مشرکین کی مدد کرنا نہیں؟ کیا قشقہ لگانا ہندوؤں کی جے

پکارنا رام رام ست ہے کتنا دینِ کفار کے ساتھ اظہار رضا و پسندیدگی نہیں ؟ خدارا انصاف
شرط ہے صریح نہی قرآنی کا ارتکاب تو تمہارے لیڈر کریں خالص موالات ہندوؤں کے
ساتھ برتیں اور مسلمانوں کو اس کی طرف جور و ظلم شدت و سختی کے ساتھ کھینچ کر لائیں یہ سب
نہ صرف جائز بلکہ عین خدمت اسلام ہو اور مسلمان جو روپیہ اپنا واپس لیں یہ موالات قرار
پائے اس پر ہنگامہ آرائی کیجائے اور اسے دعوت حق کا لقب بخشا جائے وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ
ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝

تفسیر کبیر واعلم انه تعالٰی انزل ایات اخر کثیرۃ فی ھذا المعنی منھا قوله تعالٰی لا تتخذوا بطانة من دونکم و قوله لا تجد قوما یؤمنون باللّٰه والیوم الاخر یوادون من حاد اللّٰه و رسوله وقوله لا تتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء وقوله یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء وقال والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض ۝

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی معنی کو بہت سی دوسری آیتوں میں نازل فرمایا ہے اُن میں سے ایک یہ مقام ہے کہ اے ایمان والو مومنین کے سوا کسی اور کو اپنا رازدار نہ بناؤ پھر دوسری جگہ فرمایا ایسی قوم جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائی ہے تو نہ پائیگا کہ وہ دوست بنائے اُسے جس نے اللہ اور اللہ کے رسول کو دشمن رکھا تیسری جگہ فرمایا اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ چوتھی جگہ ارشاد ہے اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ پھر فرمایا مومن مرد اور مومنہ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

واعلم ان کون المؤمن موالیا للکافر یحتمل ثلاثة اوجه (احدھا) ان یکون راضیا بکفرہ ویتولاہ لاجله

جاننا چاہیے کہ مومن کی موالات کسی کافر کے ساتھ تین طرح کی ہو سکتی ہے (۱) کافر کے کفر کو پسند کرتا ہو اور اُس کے کفر پر راضی ہو کافر کو اُس کے کفر ہی کی وجہ

وهذا ممنوع منه وتصويب الكفر
كفر والرضا بالكفر كفر (وثانيها)
المعاشرة الجميلة فى الدنيا بحسب
الظاهر وذالك غير ممنوع منه (و
القسم الثالث) وهو كالمتوسط بين
القسمين الاولين هو ان موالاة
الكفار بمعنى الركون اليهم والمعونة
والمظاهرة والنصرة اما بسبب القرابة
او بسبب المحبة مع اعتقاد ان دينه
باطل فهذا لا يوجب الكفر الا انه
منهى عنه لان الموالاة بهذا المعنى
قد تجره الى استحسان طريقته
والرضا بدينه وذالك يخرجه
عن الاسلام فلا جرم هدد الله تعالى
فيه فقال ومن يفعل ذالك فليس
من الله فى شئ ۵

دوست رکھتا ہو ایک مومن ایسا کرنے سے باز رکھا
گیا ہو تصویب کفر کی کفر اور رضا کفر پر کفر ہے (۲) باعتبار
ظاہر دنیاوی اچھی معاشرت کافر کے ساتھ رکھے یہ
ممنوع نہیں ہے (۳) تیسری قسم پہلی دونوں قسموں کا
درمیانی مقام ہے۔ اُس وقت کافر کے ساتھ موالات
کے یہ معنی ہوں گے کہ رکون اُن کی طرف یا معونت
یا مظاہرہ یا نصرت یہ موالات خواہ قرابت کے سبب ہو
یا محبت کی وجہ سے ہو باوجود اس اعتقاد کے کہ دین
اُس کا باطل ہے تو یہ موالات موجب کفر نہیں مگر منع بھی
ضرور ہے اس لئے کہ یہ موالات کسی وقت اُس کو غیر
مذہب کی طرف نہ کھینچ لے اور یہ اُس کے دین کو پسند
کرنے لگے اور اس دین سے راضی ہو جائے کفر کو
اچھا سمجھنا یا اُس پر راضی ہونا دین اسلام سے نکل
جانا ہے پس بالضرور اللہ تعالیٰ نے اس سے تہدید
فرمائی اور یہ دھمکی سنائی کہ جو ایسا کریگا اُس کے
لئے اللہ کے دین سے کچھ نصیب نہیں۔

تنویر: امام رازی نے اس معنی میں جس قدر دوسری آیتیں نازل ہوئی ہیں اُن میں سے بعض کا
ذکر کرتے ہوئے یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ جہاں کہیں کلام پاک میں موالات کو منع فرمایا گیا ہے
اُس کے کیا معنی ہیں اور شریعت نے کیا ارادہ کیا ہے موالات حقیقی و صوری کو بچا لے کر تین قسمیں

کر دیں پہلی قسم موالات حقیقی کو کفر کا مرادف قرار دیا دوسری وہ صورت کہ نہ دل سے کفر پر رضا و پسندیدگی نہ اعمال و افعال سے اُس کی تائید ہاں کفار کے ساتھ میل جول۔ لین دین آدمیت و مدارات کا برتاو اور عمرانی حیات میں مواسات فعل معروف کا عمل اسی معاشرت جمیل کہتے ہیں شریعت نے اس سے ہرگز منع نہیں فرمایا۔

تیسری قسم موالات کی یہ ہو کہ دل کفر سے بیزار لیکن اعضاء و جوارح کے اعمال و افعال سے کفر کی تائید کیجائے دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے یا قرابت و رشتہ کا خیال رکھتے ہوئے ایسا عمل وقوع میں آئے تو یہ موالات اگرچہ کفر تو نہیں اس لئے کہ دل کفر سے متنفر ہی لیکن منہی عنہ ضرور ہے۔ کفر کی تائید ہوتی ہی اور افعال کفریہ سے عقیدہ کفریہ کے پیدا ہو جانے کا احتمال ہو۔

اب بتاؤ امام کی تقسیمات ثلثہ میں سے اسکول و کالج کا امداد لینا کون سی قسم میں داخل ہے نیز یہ بھی بتلاؤ کہ علماء سیاسی کا گاندھی میں جذب ہو کر مسلمانانِ ہند کے حقوق پر چھری پھیرنا کون سی قسم موالات میں ہی۔ تفسیر کی عبارت آنکھوں کے سامنے موجود ہے ترجمہ عبارت کا پیش نظر ہی دیکھو اور سمجھو آخر خدا کے پاس جانا ہی دین سے آنکھیں نہ چراؤ تم اس کے محتاج ہو دین تمہارا محتاج نہیں۔

تفسیر ابن جریر (۱) لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین هذا نهی من اللہ عزوجل المؤمنین ان یتخذ الکفار اعواناً و انصاراً و ظهوراً ومعنی ذالك لا تتخذوا ایها المؤمنون الکفار ظهیراً و انصاراً توالونهم علی

(۱) اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے مسلمانوں کو یہ حکم امتناعی دیا گیا ہی کہ وہ کفار کو اپنا معین و ناصر یا پشت پناہ نہ بنائیں۔ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اے ایمان والو کفار کو اپنا پشت و پناہ و مددگار نہ بناؤ یا بایں طور کہ اُن کے دین سے محبت رکھتے ہو مومنین کے سوا کفار کی مدد کرتے ہو تا کہ مسلمانوں کو نقصان و مضرت پہونچے

دينهم وتظاهروا نهم على المسلمين من
دون المؤمنين وتدلونهم على عوراتهم
فانه (وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ
فِي شَيْءٍ) يعني بذالك فقد برئ من الله
وبرئ الله منه بارتداده عن دينه
ودخوله في الكفر۔

یا مسلمانوں کے اسرار بھیدوں پر کفار کو باخبر
کرتے ہوئے بے شک جس نے ایسا کیا اللہ اُس سے
بری اور وہ اللہ کی ذمہ داری سے بری ہو گیا
وہ دین اسلام سے مرتد ہو گیا اور کفر میں
داخل ہو گیا۔

(۲) (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ
وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ) والصواب من القول
في ذالك عندنا ان يقال ان الله تعالیٰ
ذكره نهى المؤمنين جميعا ان يتخذوا اليهود
والنصارى انصارا وحلفاء على
اهل الايمان بالله ورسوله واخبر
انه من اتخذهم نصيرا وحليفا ووليا
من دون الله ورسوله والمؤمنين
فانه منهم۔

(۲) اس آیت کے متعلق صحیح وصواب قول یہ ہے کہ اللہ
سبحانہ جس کا ذکر بلند ہے اُس نے سارے مومنین کو منع
فرمایا ہے کہ اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور اُس کے
رسول پر ایمان لائے ہیں یہود ونصاریٰ کو اپنا مددگار یا حلیف
نہ بنائیں نیز اس امر سے حق سبحانہ نے خبر دی کہ اللہ ورسول
اور مومنین کے سوا جس نے انہیں مددگار یا حلیف یا دوست
بنایا وہ انہیں میں سے ہوا (بعضہم اولیاء بعض)
سے یہ ارادہ فرمایا کہ بیشک بعض یہود مومنین کے مقابلہ
ومخالفت پر بعض یہود کے مددگار ہیں مختلف قبائل
یہود مسلمانوں کے مقابلہ ومخالفت پر یکدست ویکدست ہیں

اما قوله (بعضهم اولياء بعض) فانه عني
بذالك ان بعض اليهود انصار بعضهم
على المؤمنين ويد واحدة على جميعهم

بیشک نصاریٰ کا بھی یہی حال ہے کہ جو بھی
اُن کے دین وملت کے خلاف ہے اُس کے مقابل میں
بعض نصاریٰ بعض کے مددگار ہیں۔ ومن يتولهم

وان النصاریٰ کذالک بعضھم انصار بعض علیٰ من خالف دینھم وملتھم (ومن یتولھم منکم فانہ منھم) یعنی تعالیٰ ذکرہ بقولہ ومن یتولھم منکم فانہ منھم ومن یتولی الیھود والنصاریٰ دون المؤمنین فانہ منھم یقول فان من تولاھم ونصرھم علی المؤمنین فھو من اھل دینھم وملتھم

منکم فانہ منھم) یعنی جو یہود و نصاریٰ کی مومنین کو چھوڑ کر موالات کرتا ہے پس وہ انھیں میں سے ہے اس لئے کہ جس نے اُن سے دوستی کی اور مومنین کے خلاف میں اُن کی مدد کی وہ انھیں کے دین و مذہب میں ہے۔

(ان اللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین) یعنی تعالیٰ ذکرہ بذالک ان اللّٰہ لا یوفق من وضع الولایۃ فی غیر موضعھا فوالی الیھود والنصاریٰ مع عداوتھم اللّٰہ ورسولہ والمؤمنین علی المؤمنین وکان لھم ظھیرًا ونصیرًا۔

بیشک اللہ تعالیٰ توفیق عطا نہ فرمائے گا اُس شخص کو جس نے اپنی ولایت غیر جگہ میں صرف کی مومنین کے خلاف میں اُس نے یہود و نصاریٰ سے موالات اختیار کی حالاں کہ یہ گروہ اللہ اور اُس کے رسول اور مومنین کا دشمن ہے۔

تنویر تفسیر ابن جریر کی عبارت پڑھو اور اچھی طرح غور کرو پھر انصاف سے کہو کہ صیغۂ تعلیم میں جو روپیہ اپنا جمع کردہ گورنمنٹ سے واپس لیا جاتا ہے وہ موالات کیوں کر ہو سکتا ہے کیا اپنے مال کی واپسی اعانت کفر ہے یا مومنین کو اس سے نقصان پہونچتا ہے یا اخوت اسلامی کو منقطع کرتا ہے۔

دیکھو تمہارے لیڈروں نے چپکے چپکے گاندھی سے سرگوشی کی مسلمانوں کو چھوڑا اُن کی بات بھی نہ پوچھی اور جب گاندھی کا درس انھیں یاد ہو گیا تو اُس کی زبان بنکر تمہیں گائے کی قربانی سے منع کیا فرق اسلام و کفر مٹا دینے کی تلقین کی مشرک کا نوحہ خواں تمہیں بنایا۔ ٹکٹکی اُس کی تم سے اُٹھوائی جس مسلمان نے ان افعال سے جو صریحاً حرام و ممنوع تھے منع کیا یا اس خطا کاری پر اپنی نفرت

متنبہ کیا اُس کے پیچھے پڑ گئے مسلمانوں کو چھوڑنا کفار سے ملنا اُن کے مذہبی مراسم میں شریک ہونا سنگم و پریاگ کو مقدس و متبرک کہنا یہ سب انھیں اقسام موالات سے ہیں جنھیں شریعت نے حرام فرمایا ہے۔

عبارت تفسیر میں ہر جگہ نَصَرَ کا صلہ علیٰ آیا ہے۔ علی المؤمنین۔ علی المسلمین جس کا یہ مطلب و منشا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کی ضرر رسانی مسلمانوں کی تکلیف دہی پر کفار کی مدد ممنوع ہے اور داخل موالات ہے۔ یہ عام محاورہ ہے نَصَرَ زَیدًا اُس نے زید کی مدد کی نَصَرَ عَلیٰ زَیدٍ زید کے خلاف مدد پہنچائی۔ پس لفظ ولا کے معنی جب نصرۃ یعنی مدد کے لئے جائیں تو اُس وقت وہ مدد جس کا تعلق معاشرت و تمدن سے ہو موالات منہی عنہ میں شمار نہ ہوگا۔ یہی معنی شریعت کی زبان سے ابتدائی بحث موالات میں بضمن تحقیق معنی ولا لکھ چکا ہوں۔ تمام مفسرین کی عبارت بھی اب پیش کردی ہر ایک مفسر نے اُسی معنی کی تائید کی ہے۔ تمہارے لیڈر جو لفظ ولا یا موالات کے معنی جو بیان کرتے ہیں وہ خود انھیں کا اختراع کردہ ہے۔ شریعت اس اختراعی معنی کو قبول کرنے سے ابا کرتی ہے۔ جن حالات و تعلقات پر موالات کی تطبیق دیتے ہیں از روئے شریعت وہ غلط محض ہے اس طرح کا اجتہاد اور اس طرح کے معنی کا اختراع مسلمانوں کو پریشان کرنا اور اصلی حقیقی نظام عمل کو باطل کرنا ہے یہ دین کی خیرخواہی نہیں ہے بلکہ مذہب و ملت کی بدخواہی ہے اور کھلی بدخواہی ہے۔

اب آؤ سورۂ ممتحنہ کی پیش کردہ آیت کے متعلق بھی مفسرین کی تحقیقات لکھکر بحث کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن اگر آیت یا یہا الکم اللہ الخ سے قبل اُس آیۃ شریفہ کے متعلق جس سے سورۂ مکرمہ شروع ہوتی ہے کچھ گزارش کردوں تو تحقیق مقام میں بہت وضاحت ہو جاتی ہے۔

حضرت حاطب کا واقعہ | یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء

تلقون الیھم بالمودۃ۔ تمام ائمہ مفسرین کی تحقیق و نیز نصوص احادیث اس پر دلیل ہیں کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی شان میں اس آیۃ پاک کا نزول ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ پر فوج کشی کا ارادہ فرماتے ہیں ساز و سامان کی تیاری ہو رہی ہے لیکن عام طور سے اس کا اظہار نہیں فرمایا گیا کہ مجاہدین کا نعرہ تکبیر کس سرزمین پر بلند ہوگا کون سی آبادی مسلمانوں کے خاک قدم سے مشرف ہو کر دارالاسلام کی کرامت حاصل کرے گی ہاں بعض مخصوص صحابہ اس سر نبوی کے حامل و امین بنائے گئے جن میں سے ایک حاطب رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت حاطب کے اعزہ ہنوز مکہ میں مقیم تھے آپ کو یہ خیال گزرا کہ میری قرابت نسب کفار مکہ سے نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں سے مغلوبیت کا اندازہ کرتے ہوئے کفار مکہ اپنا غیظ و غضب اقربائے مسلمین سے جو مکہ میں مقیم ہیں ظاہر کریں وہ مسلمان جن کی قرابت نسب کفار مکہ سے ہے اُن کے اقربا نسبی رشتہ کی وجہ سے مظالم کفار سے محفوظ رہ جائیں تو کچھ عجب نہیں لیکن میری کوئی قرابت نہیں لہٰذا میرے خاندان کو کفار تباہ و برباد کردیں گے۔ ہاں اگر میں کوئی احسان و امتنان اُن کے حق میں اس وقت بجالاؤں تو اس احسان کا عوض شاید انھیں ظلم و ستم سے باز رکھے اسی خیال سے انھوں نے ایک خط کفار مکہ کو لکھا اور انھیں اس امر سے آگاہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں تم اپنا بچاؤ کرلو۔

ایک عورت لے کر روانہ ہوتی ہے حق سبحانہٗ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط سے مطلع فرماتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو مع چند اصحاب کے یہ حکم دے کر روانہ فرماتے ہیں کہ روضۂ خاخ پر ایک عورت ملے گی اُس کے پاس ایک خط ہے اُس سے خط لے کر آجاؤ ہاں اگر انکار کرے تو اُس عورت کو قتل کردینا۔

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ اُسی مقام پر عورت کو پاتے ہیں خط کا مطالبہ ہوتا ہے وہ انکار کرتی

ہے موت کی دھمکی جب دیکھاتی ہے تو اپنے جوڑے میں سے خط نکال کر دیتی ہے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ خط لے کر مدینہ طیبہ تشریف لاتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط حاضر فرماتے ہیں۔ اب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ طلب ہوتے ہیں افشار راز کی پرسش ان کو ہوتی ہے جواب ارشاد فرماتے ہیں ماکفرت منذ اسلمت ولا غششتک منذ نصحتک ولا احببتھم منذ فارقتھم بعض روایت میں یہ جواب مروی ہے اما واللہ انی لمومن باللہ ورسولہ ما غیرت ولا بدلت ما فعلت ذالک کفرا ولا ارتدادا عن دینی ولا رضا بالکفر بعد الاسلام خلاصہ جواب کا یہ ہو کہ جب میں اسلام لایا ہوں کفر کی باتوں سے دل بیزار ہوگیا ہے دین کی خیر خواہی مخلصانہ بجالاتا ہوں کچھ بھی دل میں کھوٹ نہیں جب سے اسلام لایا کفار سے محبت چھوڑ دی روز احلام سے اس وقت تک کسی طرح کا تغیر و تبدل مجھ میں نہیں آیا نہ میں مرتد ہوا عزہ کی حفاظت مقصود تھی اسی کے ساتھ اس کا بھی علم و یقین تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو فتح عطا فرمائے گا میرے اخبار سے اُنھیں کوئی نفع نہ حاصل ہوگا ہاں کفار منت پذیر میرے ہوجائیں گے اس جواب کو سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں بیشک حاطب نے سچ کہا۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں یا رسول اللہ یہ شخص منافق ہوگیا اللہ اور اس کے رسول کے معاملہ میں خیانت ورزی کی حکم ہو تو گردن اُڑا دوں ارشاد ہوتا ہے کہ اے عمر حاطب اصحاب بدر میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین بدر کو مغفرت کا مژدہ سُنایا ہے یہ ارشاد سُن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں۔

تنویر | اس واقعہ کی طرف اگر غور سے دیکھا جائے تو گوناگوں مسائل پر روشنی پڑتی ہے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے خطائی الاجتہاد ہوتی ہے وداد و ولا کے مفہوم سمجھنے میں ان سے سہو ہوتا ہے

وہ یہ سمجھے کہ جب دل میرا صاف ہی اور قلب میں بجز اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے
کسی کی ذرہ برابر بھی خیرخواہی نہیں تو میرا یہ عمل نہ وداد ہے نہ ولا۔ لیکن حق سبحانہ نے آیۂ کریمہ
میں اِس فعل کو ولا اور وداد دونوں قرار دیا اس لئے کہ افشار راز پیغمبر تھا مسلمانوں کے
نقصان وضرر کا احتمال وامکان تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفار کی خیرخواہی برنظر فوائد ذاتی
و دنیاوی جس سے اپنے دین کا ضرر محتمل ہو یا حقوق مسلمین کا اتلاف ہو وہ بھی ولا ہی وداد ہے
ایسے اعمال جن کی مذہب اجازت نہیں دیتا وہ کسی خیال سے بھی کیوں نہ کئے جائیں حرام و
منہی عنہ ہیں۔ دلی محبت کافر سے رکھنا یا اُس کے افعال کفریہ کو دل سے پسند کرنا تو کفر اور اسلام سے
خروج ہے ایمان سے بے نصیب ہونا ہے لیکن دل متنفر اور اعضاء وجوارح آن اعمال میں مصروف
یہ حرام ہے اشد فسق ہے خاص کر جب علی رؤس الاشہاد اس کا وقوع ہو تو فسق بالاعلان
کا حکم فسق مخفی سے زیادہ شدید ہے۔ فاسق معلن کو نہ سلام کرنا شریعت میں جائز نہ اُس کے
سلام کا جواب واجب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعہ نے سورج کی روشنی میں دکھا
دیا کہ فرضی واختراعی دعوت حق کے مدعی کفار ہند سے موالات کر رہے ہیں یا تعلیم گاہیں جو
روپیہ لے رہی ہیں وہ نصاریٰ سے موالات کر رہی ہیں۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے
پاکی قلب پر پیغمبر خدا کی تصدیق نے مہر کر دی۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی خیرطلب
ہرگز نہ تھے لیکن آن کا یہ فعل ایسا تھا کہ اگر کفار مکہ کا کوئی جاسوس ہوتا جسے اس راز ومشورہ
کی خبر ہو جاتی تو وہ بھی یہی کرتا یہ فعل جاسوس کفار یا مخلص کفار کے فعل پر محمول ہو سکتا ہے
اس سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قوم مسلم یا فرد مسلم کو ایسا کام مذہب کفر کی تائید میں
نہ کرنا چاہیئے جسے کوئی کافر اپنے مذہب یا قوم کی ہمدردی وخیرطلبی میں عمل میں لائے۔ علماء سیاسی
ومدعیان دعوت حق اپنے اعمال پر نظر کریں حضرت حاطب کا واقعہ عبرت وبصارت کے لئے کافی ہے

یہ کہنا کہ موالات اور ہے اور معاملات اور مطلقاً یہ بھی صحیح نہیں۔ فی الحقیقت تائید کفر و بیدینی کا نام موالات ہے یہ تائید اگر اعتقاد سے ہے تو کفر ہے اور اگر اعمال و افعال سے ہے تو حرام ہے اب مسلمان فیصلہ کرلیں کہ امدادی روپیہ جو درسگاہوں کو ملتا ہے کیا اس سے عیسائیت و نصرانیت کی تائید و تقویت ہوتی ہے اگر اس کا جواب ایجاب میں ہے تو اس سوال کی اجازت دیجئے کہ ۱۹۲۰ء سے قبل بھی آپ کا یہی فتویٰ تھا یا نہیں اگر اس کا جواب اثبات میں ارشاد ہو تو اس التماس کی معافی چاہتا ہوں کہ پھر انگریزوں کا جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ پر متصرف ہوجانا اور قوت دفاعی اسلام یعنی خلیفۃ المسلمین کا بے دست و پا کردینا علت ترک موالات کیوں قرار پایا اور اگر جواب نفی میں ہے تو براہ کرم یہ فتویٰ دیجئے کہ حالت صلح و آشتی میں عیسائیت کی تائید و تقویت جائز ہے۔ اے کاش اب بھی سمجھنے کی کوشش آپ کریں ہاں اے لیڈرو تمہارے مسلسل متواتر افعال با نواع مختلفہ کفر و شرک کی تائید میں صادر ہوئے اور نہ معلوم اُن کا سلسلہ کب تک قائم رہیگا۔ کس بیدردی سے مسئلہ قربانی پر تم نے ہاتھ صاف کیا کس ذوق و شوق میں تم نے گئو ماتا کی جے پکاری۔ کس عقیدت سے تلک کی تم نے نوحہ خوانی کی۔ کس فرط ارادت سے تم نے یہ کہا کہ گاندھی مذکر بنا کر بھیجا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ملیامیٹ کردینے کا تم نے عہد راسخ کرلیا ہے کفر و شرک کی تبلیغ و تحسین کا تم نے بیڑا اٹھایا ہے لیکن یاد رکھو کہ تمہاری یہ تمنا ہرگز ہرگز پوری نہ ہوگی کیا یہ آیت تم بھول گئے یا قرآن کے کلام ربانی ہونے سے قطعاً منکر ہی ہو بیٹھے سنو اور کان کھول کر سنو۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ؕ

اب حسب وعدہ سورہ ممتحنہ کی آیۃ کریمہ لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین

کے متعلق گزارش ہے امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ان تمام اقوال مفسرین کو یکجا جمع فرما دیا ہے جسے اس آیت کا شانِ نزول اربابِ تفاسیر نے قرار دیا ہے۔

آیۃ لا ینہاکم اللہ کی شان نزول

اختلفوا فی المراد من الذین لم یقاتلوکم فالاکثرون علی انہم اھل العھد الذین عاھدوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ترک القتال والمظاھرۃ فی العداوۃ وھم خزاعۃ کانوا عاھدوا الرسول علی ان لا یقاتلوہ ولا یخرجوہ فامر الرسول علیہ السلام بالبر والوفاء الی مدۃ اجلہم وھذا قول ابن عباس والمقاتلین والکلبی (۲) وقال مجاھد الذین اٰمنوا بمکۃ ولم یھاجروا (۳) وقیل ھم النساء والصبیان (۴) وعن عبد اللہ بن الزبیر انہا نزلت فی اسماء بنت ابی بکر قدمت امہا قتیلۃ علیہا وھی مشرکۃ بھدایا فلم تقبلہا ولم تاذن لہا بالدخول فامرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس میں عالمان علوم تفسیر کا اختلاف ہے کہ لم یقاتلوکم سے کس طرح کے اشخاص مراد ہیں حضرت ابن عباس اور مقاتلین اور کلبی کی یہ تحقیق ہے کہ اس سے اہل عہد مراد ہیں جنہوں نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ مقابلہ کریں گے نہ مسلمانوں کو نکالیں گے یہ اہلِ عہد بنو خزاعہ تھے (۲) مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لم یقاتلوکم سے کفار مراد نہیں ہیں بلکہ وہ مسلمان مراد ہیں جو ایمان لائے لیکن ہجرت کر کے مدینہ طیبہ نہیں پہونچے بلکہ مکہ ہی میں مقیم رہے (۳) ایک قول یہ بھی ہے کہ لم یقاتلوکم سے مراد عورتیں اور کم سن بچے ہیں (۴) عبد اللہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ اسماء جو بیٹی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھیں ان کے متعلق یہ آیۃ نازل ہوئی ہے ان کی ماں جن کا نام قتیلہ تھا مکہ سے اپنی بیٹی کو دیکھنے آئیں کچھ تحفہ اور ہدیہ بھی ساتھ لائیں مگر چونکہ وہ ہنوز مشرکہ تھیں اس لئے بیٹی نے ماں کو نہ تو مکان میں گھسنے دیا نہ ان کا ہدیہ

ان تدخلها او تقبل منها وتكرمها
وتحسن اليها (۵) وعن ابن عباس
انهم قوم من بنی هاشم منهم
العباس اخرجوا يوم بدر كرها
(۶) وعن الحسن ان المسلمين استامروا
رسول الله فی اقربائهم من المشركين ان
يصلوهم فانزل الله تعالى هذه الاية
(۷) وقيل الاية فی المشركين
(۸) وقال قتادة نسختها اية القتال

قبول کیا جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی
تو آپ نے حکم دیا کہ تحفہ قبول کرو مکان میں انھیں آنے دو
عزت کا برتاؤ کرو حسن سلوک سے پیش آؤ (۵) ابن عباس
سے روایت ہے کہ لم یقاتلوکم سے مراد خاندان
بنی ہاشم کے وہ افراد ہیں جو بجبر جنگ بدر میں لائے گئے تھے
جن میں سے خود ایک حضرت عباس بھی تھے (۶) حسن
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اقربا کے
ساتھ بربنائے صلہ رحم حسن سلوک کی اجازت چاہی اس وقت
یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی (۷) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیہ مشرکین
کی شان میں ہے (۸) قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیۂ
قتال نے اسے منسوخ کر دیا۔

مسلمانوں ذرا ایمان و انصاف سے کام لو دیکھو جس آیۃ کے تعین مراد میں صحابہ اور
تابعین کا اس قدر اختلاف ہو اس کو اصولی تقسیم قرار دینا کس قدر انصاف و دیانت کا خون کرنا ہے۔

تنویر قتادہ کی روایت یہ ظاہر کرتی ہے کہ لا ینھاکم اللہ کی آیت منسوخ ہے اگرچہ ابن جریر
اس کا جواب دیتے ہیں لیکن اس سے اس قدر تو معلوم ہوا کہ اس آیۂ کریمہ کو کسی نے ناسخ ان آیات
متعددہ کثیرہ کا قرار نہیں دیا جن میں عدم موالات کا حکم مطلقاً کفار سے وارد ہے۔ کوئی ضعیف
سے ضعیف تر روایت بھی ایسی نہیں پائی جاتی ہے جس میں یہ مروی ہو کہ لم یقاتلوکم و لم
یخرجوکم من دیارکم کی قید نے مطلق کو مقید کر دیا۔ پس موالات جب کہ مطلقاً ہر حال میں منع ہے
تو ایسی صورت میں موالات کے وہی معنی قرار پائیں گے جنھیں شریعت کی زبان اور تمام مفسرین کی تحقیقات

سے ابھی ذکر کر چکا ہوں یعنی کفار کی محبت و مودت یا کفار کے دین کی تائید یا اُن کی تائید اپنے دینی اُمور میں۔ ماوراء اس کے جس قدر تعلقات ہوں گے وہ حقیقی موالات نہیں بلکہ موالات صوری ہیں جن سے شریعت نے ہرگز منع نہیں فرمایا۔ بلکہ خود شارع علیہ السلام کا عمل موجود ہے۔ کفار سے صلح کرنا اُن سے معاہدہ کرنا اُن سے جزیہ لینا اُنھیں نوکر رکھنا اُن کی جائز ملازمت کرنا قرض لینا گروی رکھنا وغیرہ وغیرہ یہ سب تمدنی حیات کے شعبے ہیں جن کی شریعت نے اجازت دی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل ان امور میں کافی ثبوت ہے۔

ہاں کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ کبھی کسی حال میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسیس یا راہب کو نعوذ باللہ اپنا مقتدا بنایا ہو۔ یا انصرام امور دینی میں اُس کی رائے کی پابندی کی ہو۔ یا کسی رسم کفر و شرک کو آپ نے برتنا جائز قرار دیا ہو یا کفار کے مذہبی ایام میں خواہ بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہو یا صحابہ کو اجازت عطا فرمائی ہو۔ یا عید مسلمین میں کفار کو شریک فرمایا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی ایک بیّن ثبوت ہے کہ موالات وہی اُمور ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی خاطر سے نہ خود کیا نہ دوسروں کو عمل کی اجازت عطا فرمائی ہاں جن اُمور کو آپ نے عزت عمل بخشی وہ نہ موالات نہ اُن کا ترک اتقاء و پرہیزگاری نہ دین و ملت کی خیرخواہی اب مفسر ابن جریر کی تقریر ملاحظہ کیجیے۔

تفسیر ابن جریر واولی الاقوال فی ذالک بالصواب قول من قال عنی بذالک لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین من جمیع اصناف الملل والادیان ان تبروھم وتصلوھم

بہترین قول ان سب اقوال میں اُس کا ہے جس نے یہ کہا کہ جمیع اقسام ملل و ادیان ارادہ کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ بھلائی و احسان کرنا صلہ رحم کا خیال کرنا عادلانہ برتاؤ رکھنا مخصوص شریعت بیشک اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں عام حکم صادر فرمایا ہے کہ جو بھی ایسا ہو کہ مسلمانوں سے

وتقسطوا الیھم ان اللہ
عزوجل عم بقولہ الذین لم یقاتلوکم
فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم
جمیع من کان ذالک صفتہ فلم
یخصص بہ بعضا دون بعض ولا
معنی لقول من قال ذالک منسوخ
لان بر المؤمن من اھل الحرب ممن
بینہ وبینہ قرابۃ نسب او ممن
لاقرابۃ بینہ وبینہ ولا نسب غیر محرم
ولا منھی عنہ اذا لم یکن فی ذالک
دلالۃ لہ او لاھل الحرب علی
عورۃ لاھل الاسلام او تقویۃ
لھم بکراع او سلاح وقد بین
صحۃ ما قلنا فی ذالک الخبر الذی
ذکرناہ عن ابن الزبیر فی قصۃ
اسماء وامھا وقولہ ان اللہ یحب المقسطین
یقول ان اللہ یحب المنصفین الذین
ینصفون الناس ویعطونھم الحق
والعدل من انفسھم فیبرون من برھم

لڑے نہ انھیں اُن کے مکانوں سے نکالے اُن کے
ساتھ بر و قسط دریغ نہ رکھا جائے۔ اس عموم میں کسی
مذہب و ملت کی خصوصیت کو دخل نہیں بلکہ جس میں
یہ صفت پائی جائے اُسی کو یہ حکم شامل ہوگا۔ کوئی وجہ
اس کی نہیں کہ ہم اس آیت کو منسوخ قرار دیں۔ اس لئے
کہ ایک مومن کے لئے ایسے فریق محارب کہ اس مومن
اور اُس فریق محارب کے درمیان قرابت ہو یا نسب
ہو یا ایسے فریق محارب کے ساتھ کہ اس مومن اور فریق
محارب کے درمیان نہ قرابت ہو نہ نسب پایا جائے
بر و احسان کرنا نہ حرام ہے نہ منہی عنہ ہے جبکہ اس احسان
سے فریق محارب کو کسی پتہ کی رہبری نہ ہوتی ہو نہ فریق
محارب کو مسلمانوں کے مخفیات و اسرار پر اطلاع ہوتی ہو
نہ فریق محارب کی تقویت گھوڑے اور اسلحے کی گئی
ہو۔ ابن زبیر کی روایت جس میں قصۂ حضرت اسماء اور
ان کی ماں کا مروی ہے میری اس توجیہ کی تصحیح کرتا ہے۔
(ان اللہ یحب المقسطین) بیشک اللہ دوست
رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو جو لوگوں کے ساتھ
انصاف کرتے ہیں اور ان کا حق انھیں عطا کرتے ہیں اور
اپنی جانب سے عدل کرتے ہیں احسان کرنے والے کے ساتھ

ويحسنون الى من احسن اليهم۔
انما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم
فى الدين واخرجوكم من دياركم
وظاهروا على اخراجكم ان تولوهم
ومن يتولهم فاولئك هم الظالمون
يقول تعالى ذكره انما ينهاكم الله
ايها المؤمنون عن الذين قاتلوكم
فى الدين من كفار اهل مكة و
اخرجوكم من دياركم وظاهروا
على اخراجكم ان تولوهم فتكونوا
لهم اولياء ونصراء ومن يتولهم
يقول ومن يجعلهم منكم او من
غيركم اولياء فاولئك هم الظالمون
يقول فاولئك هم الذين تولوا غير
الذى يجوز لهم ان يتولوهم و
وضعوا ولايتهم فى غير موضعها
وخالفوا امر الله فى ذالك

احسان کرتے ہیں اور نیکی کرنے والوں سے نیکی۔
اے مومنو اس کے سوا نہیں کہ اللہ تعالے
تمہیں منع فرماتا ہے اُن لوگوں سے جنھوں نے
دین کے معاملہ میں تم سے قتال کیا اور تمہیں تمہارے
گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر مدد کی یہ
کہ تم موالات کرو۔ پس تم اُن کے دوست بنو یا
مددگار ہو ومن یتولھم فرماتا ہے اللہ تعالے
کہ جو شخص تم میں سے یا تمہارے سوا دوسرے مومنین
انھیں اپنا دوست بنائیں گے یا انھیں مدد پہنچائیں گے
(فاولئك هم الظالمون) فرماتا ہے کہ یہ
وہ لوگ ہیں جنھوں نے موالات اُن سے کی جن سے
جائز نہ تھی اور اپنی ولایت غیر جگہ پر رکھی اور حکم
الٰہی کے اس معاملہ میں خلاف کیا۔

علامہ ابن جریر آیۃ لاینھاکم اللہ کو منسوخ قرار نہیں دیتے لیکن اسی کے ساتھ جو مطلب بیان
فرماتے ہیں اور جس بسط وایضاح سے شرح فرماتے ہیں اُس سے مدعیان دعوۃ حق کا ادعا پارہ

پارہ ہوا جاتا ہے۔

تحریر واقعہ یہ ہے کہ کفار سے موالات کرنے کو حق سبحانہٗ نے منع فرمایا تھا بعض اصحاب جن میں سے ایک حضرت حاطب ہیں مفہوم موالات کے سمجھنے میں خطائے اجتہادی کے مرتکب ہوئے وہ یہ سمجھے کہ دلی محبت اور دلی خیر خواہی یا یقینی حضرت مسلمین موالات کے مصداق ہیں لیکن حق سبحانہٗ نے جب اُن کے فعل کو ولا اور وداد دونوں لفظوں سے یاد فرمایا اور پھر آیت مابعد میں یہ ارشاد ہوا ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداءً ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء وودّوا لو تکفرون لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیامۃ یفصل بینکم واللہ بما تعملون بصیرۃ یعنی کفار اگر تم پر قابو پالیں تو تمہاری دشمنی میں کچھ اُٹھا نہ رکھیں تمہیں برائی پہونچانے میں ہاتھ بھی بڑھائیں گے اور زبان بھی۔ کفار کی تو یہ تمنا ہی ہے کہ کاش تم انہیں کی طرح کافر ہو جاؤ قیامت کے روز نہ تو تمہاری رشتہ داری کچھ کام آئے گی نہ اولاد ہی سے تمہیں کچھ نفع پہونچے گا اُس دن حق و باطل کا فیصلہ احکم الحاکمین فرمائے گا اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔

اب مسلمان یہ سمجھے کہ عام کفار کے ساتھ کسی طرح کا معاشرتی تعلق بھی رکھنا داخل موالات ہے وہ کفار جن کے حقوق خدمت قرابت کے سبب سے تھے مثلاً والدین وغیرہ مسلمانوں نے سمجھا کہ اب وہ بھی باطل ہو گئے اسی بنا پر حضرت اسماء نے اپنی ماں قتیلہ کے جو مشرکہ تھیں حقوق مادری سے اعراض فرمایا۔ حق سبحانہٗ نے اب اس مسئلہ کو بالکل صاف فرما دیا۔

مخالفین اسلام کی دو قسمیں قرار دے کر ہر ایک کا حکم ارشاد فرمایا ایک ایسا مخالف اسلام جو مسلمانوں سے نہ لڑے نہ اُنہیں اُن کے مکانوں سے نکالے اُس کے ساتھ احسان اور عادلانہ برتاؤ کی اجازت عطا فرمائی پھر ان اللہ یحب المقسطین فرما کر مسلمانوں کو اقساط کی طرف

عجب دلنواز طرز میں ترغیب و تشویق دلائی۔

اس ترغیب اور اس اجازت کی وجہ صاف ظاہر ہے اذیت رسانی اور تکلیف دہی سے باز رہنا بھی ایک قسم کی بھلائی اور نیکی ہے ایسی حالت میں جب کہ کوئی کافر بیدین مسلمانوں کے ساتھ اس رعایت کا برتاؤ کرے تو اسلام جیسا پاکیزہ دین جو سراسر رحمت ہے اُس کی یہی تعلیم ہونی چاہیے تھی کہ نیکی کا بدلہ نیکی اور احسان کا عوض احسان۔

حق سبحانہٗ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ جو کافر بیدین ایسا ہو کہ تمہارے مذہب کو تسلیم نہ کرے اسلام کا کلمہ نہ پڑھے لیکن اسی کے ساتھ تمھیں ستاتا نہیں تمہارے آزار کے درپے نہیں ہوتا تو اُس کی اس انسانیت اور مراعات کا عوض اگر تمہاری جانب بر و احسان کے ساتھ ہو یہ منشا الٰہی اور تعلیم قرآن کی تعمیل ہوگی۔

مسلمانوں نے آیۂ کریمہ لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم سے یہ سمجھ لیا تھا کہ جس طرح موالات حقیقی ممنوع ہے اُسی طرح موالات صوری بھی منہی عنہ ہے آیۂ لاینھاکم اللہ الخ نے اس غلطی کی تصحیح فرما دی اور صورت مسئلہ کو صاف کر دیا کہ موالات حقیقی تو ہر کافر سے ہر حال میں منہی عنہ ہے لیکن ہاں موالات صوری مثل بر و اقساط اس کی تمھیں اجازت ہے بلکہ ایسے کفار کے ساتھ جو نہ تم سے لڑیں نہ تمھیں تمہارے مکانوں سے نکالیں تمہارا منصفانہ برتنا واللہ کو محبوب ہے حقیقت یہ ہے کہ احسان اور فعل معروف عدل اور انصاف نہ موالات ہے نہ وداد اس لئے کہ نہ تو اس میں مسلمانوں کی مضرت ہے نہ کفر کی حمایت ہے نہ اپنے مذہبی فرائض میں اُن سے استعانت ہے نہ یہ محبت و وداد کا نتیجہ ہے یہ تو حقوق کا ادا کرنا انصاف کا صحیح نمونہ قایم کرنا اور مخلوق خدا پر شفقت و کرم کرنا ہے یہی وہ طرز عمل تھا جس کے اثر نے یدخلون فی دین اللہ افواجا کا جلوہ دکھایا جوق در جوق اور فوج در فوج کفار آتے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو کر سعادت

سرمدی سے مالا مال ہوتے جاتے۔

آیۃ لا ینھاکم اللہ کے متعلق علامہ ابن جریر کی تحقیق تمہارے پیش نظر ہے ذرہ تامل سے کام لو دیکھو اس آیۃ کی تفسیر میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے اس کا ایہام بھی ہوتا ہو کہ کافر غیر محارب سے موالات یا وداد جائز ہے۔

کافر کی محبت یا کفر کافر کی اعانت یا اسلامی و دینی امور میں کافر کی استعانت کا جواز یا اباحت کسی ایک لفظ سے بھی مفہوم نہیں پھر یہ کہنا کہ قرآن نے ایسے کفار سے جو مسلمانوں سے نہ لڑیں نہ انھیں مکانوں سے نکالیں اُن کے ساتھ محبت و موالات مسلم قوم یا مسلم شخص کے لئے جائز و مشروع قرار دی ہے کیسی دین میں تحریف ہے۔

مفسر نے صاف لفظوں میں اس کی تصریح کر دی کہ وہ کفار جو مسلمانوں سے نہ تقاتلہ فی الدین کریں نہ انھیں اُن کے مکانوں سے نکالیں اُنھیں بھی مخفیات و اسرار مسلمین پر آگاہ نہ کیا جائے گا مسلمانوں پر قابو پانے کا پتہ نہ دیا جائے گا۔ گھوڑے اور اسلحے سے ان کی مدد نہیں کیجائے گی۔

دیکھو یہ وہی منی عنہ امور ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی تم نے اُن آیات سابقہ کی تفسیر میں پڑھا ہے جن میں تحقیق معنی ولا ہے جن آیتوں سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ مطلق کفار سے موالات حرام ہے قید قتال یا اخراج عن الدیار معتبر نہیں۔

اس مقام پر ابن جریر نے واضح کر دیا کہ جو تعلقات مطلقاً کفار سے منی عنہ ہیں وہ اس صورت میں بھی علی حالہ ممنوع ہیں۔

ابن جریر کی ناتمام عبارت سے حکیم صاحب کا استدلال

لیکن حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب نہایت غیظ و غضب اور پر جوش لہجہ میں ناتمام عبارت ابن جریر کی نقل فرما کر یہ نتیجہ استخراج فرماتے ہیں کہ "اگر

اس کے بعد بھی یہ کہا جائے کہ نہیں مسلمانوں کو ہندوستان کی دوسری قوموں کے ساتھ بھی ترک موالات کرنی چاہیئے تو اب کہنے والوں کو خدا ہی بہتر سمجھا سکتا ہے"۔ (خطبۂ صدارت مجلس استقبالیہ جمعیۃ العلماء صفحہ ۱۵)

طرفگی یہ کہ بر و اقساط کا صحیح ترجمہ خود بالائی سطروں میں حکیم صاحب نے احسان و انصاف تحریر فرمایا ہے لیکن استخراج نتیجہ میں موالات کو بر و اقساط کا مرادف قرار دے کر عوام کو نہایت شرمناک دھوکھا دینے کی کوشش کی ہے۔

لفظ ولا کی شرعی تعریف آغاز بحث موالات میں گزر چکی اس مقام پر بر و اقساط کے معنی شرعی سمجھ لیجئے۔

البر التوسع فی الاحسان یعنی نیکی اور احسان کرنے میں وسعت و فراخی سے کام لینا القسط ھو النصیب بالعدل والاقساط ان یعطی قسط غیرہ بالعدل یعنی عادلانہ اور منصفانہ حصہ کا نام قسط ہے اور اقساط کے یہ معنی ہیں کہ غیر کو اس کا حصہ عادلانہ اور منصفانہ دیا جائے اب ہر مسلمان بجائے خود انصاف کرلے کہ احسان و انصاف کیا مرادف موالات ہے؛ اگر جوش سخن پروری میں کوئی اس ادعائے باطل کا مدعی ہو جائے تو اس سے نہایت عاجزانہ فقیر کی یہ التماس ہے کہ تفسیر ابن جریر متعلق آیۃ کریمہ لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء کا صفحہ پلٹ کر پھر مطالعہ کرلیا جائے وہاں یہ الفاظ موجود ہیں تظاھرونھم علی المسلمین و تدلونھم علی عوراتھم یعنی مسلمانوں کے خلاف کفار کی پشت پناہی کرنا موالات ہے کفار کو مخفیات مسلمین پر مطلع کرنا موالات ہے اب آیۃ لا ینھاکم اللہ الخ کی تفسیر میں بھی ابن جریر نے انھیں مقاصد کو اس طرح ادا فرمایا اذا لم یکن دلالۃ لہ علی عورۃ اھل الاسلام او تقویۃ لھم یعنی کفار کے ساتھ اسی قسم کا احسان جائز ہے جس میں مسلمانوں کے اسرار و مخفیات پر انھیں باخبر نہ بنایا جائے یا اس احسان سے انھیں تقویت نہ ہو نہیں ہو اس لئے کہ یہ بر و احسان

نہیں ہرگز موالات ہے جن چیزوں کو ابن جریر نے آیۂ کریمہ لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء
کی تفسیر میں موالات کہا تھا اُن میں سے کسی ایک کی بھی اجازت و رخصت آیۂ لا ینھٰکم اللہ الخ
سے نہ سمجھی نہ نکلی بلکہ اُن کی ممانعت کی اس مقام پر مکرر تصریح فرما کر ہر کافر کے ساتھ ہر حال
میں ترک موالات پر مہر فرما دی کیا اب بھی حکیم صاحب یہی ارشاد فرمائیں گے کہ بر و اقساط مراد
موالات ہیں ان تصریحات کے بعد بھی اگر حکیم صاحب یا اُن کے حواریین علمائے سیاسی اپنے
اس قول پر کہ ہندوؤں سے موالات یا وداد یا محبت منطوق کلام الٰہی اور موافق تعلیم نبوی ہے
متعصبانہ اصرار فرمائیں تو بجز گاندھی صاحب کے اور کوئی اُنھیں سمجھا نہیں سکتا۔ آیۂ کریمہ میں اگر
ایسے کفار کے ساتھ جو مسلمانوں سے دینی لڑائی نہ لڑے نہ اُنھیں اُن کے مکانوں سے نکالے
مولیٰ تبارک و تعالیٰ کو حکم موالات یا وداد یا محبت کا دینا ہوتا تو بجائے اس کے کہ دو لفظ تبروھم
وتقسطوا الیھم ارشاد فرمائے تولوھم یا تودوھم یا تحبوھم کا مختصر ایک لفظ ارشاد
فرما دیتا۔ افسوس ہے مسلمانوں کی عقلوں پر جنھوں نے دین کو بعض واہ واہ سننے کے لئے اپنے
ہاتھوں سے تباہ و برباد کیا۔ اے کاش لکھتے وقت حکیم صاحب ابن جریر کی پوری عبارت پڑھ
لیتے یا علمائے سیاسی ہی زحمت مطالعہ تفسیر برداشت کرتے تو شرعی مسئلہ میں خیانت نہ ہوپاتی

یہ ہے حقیقت اُس آیۃ کی اور یہ ہے حکم حق سبحانہ کا۔ جسے محرف بنا کر لیڈر اور ان کے
مقلد علما نہایت دھوم دھام سے بیان کرتے ہیں مسلمانوں کو تلقین کرتے ہیں کہ کفار و مشرکین
سے موالات رکھو وداد و محبت پیدا کرو بلکہ اُن کے غلام بن جاؤ۔

فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون ٥

اب دوسری آیۃ انما ینھٰکم اللہ الخ کے متعلق اُسی مفسر ابن جریر کی تحقیق پڑھ لیجئے نیز خود
قرآن شریف کے الفاظ دیکھئے اور پھر اسے سوچئے کہ وہ کافر جس نے مسلمانوں سے قتال فی الدین

کیا یا انھیں اُن کے گھروں سے نکالا یا اُن کے اخراج پر دشمنوں کو مدد پہونچائی. غرض ان تین امور میں سے کسی ایک امر کا بھی جو مرتکب ہوا اُس کے ساتھ نیکی واحسان کا قرآن کریم نے نہ تو حکم صادر فرمایا نہ اُس کی ممانعت ہی فرمائی حالاں کہ سیاق کلام جب کہ یہ تھا کہ جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے نہ تمھیں مکانوں سے نکالے اُس کے ساتھ نیکی واحسان اور عدل وانصاف کرنے سے اللہ تعالیٰ منع نہیں کرتا ہے تو اب سیاق یہ ہوتا کہ جو تم سے دین کے بارے میں لڑے تمھیں مکانوں سے نکالے اُس کے ساتھ نیکی واحسان اور عدل وانصاف کرنے سے اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے۔

لیکن قرآن پاک میں جب کہ ایسا نہیں تو کسی کو اس کا کب حق حاصل ہے جو اپنی رائے ناقص اور تمنائے فاسد کو خدا کا فرمان قرار دے یقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون ؁

فقیر یہ مسئلہ پہلے بیان کر چکا کہ کوئی کافر جب مسلمانوں کے ساتھ یہ رعایت ملحوظ رکھے کہ درپے آزار مسلمین نہ ہو تو اسلام جیسے پاکیزہ مذہب کی اپنے پیروؤں کو یہی تعلیم ہونی چاہیے تھی کہ وہ بھی اُس کا عوض فراخی دوست سے ادا کریں۔

لیکن جو کافر ایسا نہیں بلکہ مسلمانوں کے ساتھ سفاکی و بیرحمی سے پیش آتا ہے ان سے لڑتا ہے گھروں سے نکالتا ہے اُس کے متعلق یہ حکم ہوا کہ اس قسم کا فرسے بھی صرف موالات منع ہے۔

موالات مطلقاً کفار سے خواہ وہ مشرک ہوں یا اہل کتاب بار بار بہ تاکید حرام فرمائی گئی لیکن اس جگہ اشد ظلم کافر کا بیان کرکے اُن سے جو موالات منع فرمائی وہ اس لئے کہ مسلمان ظلم وستم سے گھبرا کر بے یارو دیار ہو کر اُن کے دین کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ یا بخوف

مسلمین میں اُن کے معاون و مددگار نہ بنجائیں یا اُن کی سطوت و دولت کو دیکھکر اُن کے گرویدہ اور چاہنے والے ہوجائیں رہے موالات سے ماوراعلائق اُن کے باب میں قرآن کریم نے سکوت فرمایا اس لئے کہ باعتبار احوال اُن کا حکم متغیر ہوا کرے گا۔

کہیں بروزال جذب قلوب کے موجب ہوں گے اور کہیں عفو وصفح کا قرین نورایمان کے باعث ہوں گے قرآن کریم عفو واصلاح کی اُس طرح رغبت دلاتا ہے فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ پھر جس نے معاف کردیا یا صلح کرلی تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے ایک دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ واضح ارشاد ہے:-

ادفع بالتی ھی احسن	برائی کا دفعیہ ایسے برتاوے کرو جو بہت ہی اچھا ہو جب تم اس تعلیم
فاذا الذی بینک وبینہ	الٰہی پر عمل کروگے تو جسے تم سے دشمنی تھی وہ دلسوز دوست تمہارا
عداوۃ کانہ ولی حمیم	بنجائے گا یہ پاکیزہ اخلاق اُنھیں سے عمل میں آئیگا جو صبر کرتے
وما یلقھا الا الذین صبروا	ہیں یعنی نفس کے حملہ کو روک کر شریعت کے موافق کام کرتے ہیں حسن اخلاق
وما یلقھا الا ذوحظ عظیم	بڑے نصیب والے بخت آور ہی کو ملتا ہے۔

اس آیۂ شریفہ کے متعلق امام فخرالدین رازی کے یہ الفاظ ہیں۔

فانک اذا صبرت علی سوء اخلاقھم	جب تم بدیوں کے برے برتاؤ پر مسلسل صبر کروگے
مرۃ بعد اخریٰ ولم تقابل سفاھتھم	اُن کے سفاہت کے عوض میں نہ تو غضبناک
بالغضب ولا اضرارھم بالایذاء	ہوگے نہ اُنھیں وحشت دلاؤگے اور نہ اذیت
والا یحاش استحیوا من تلک الاخلاق	دہی سے اُنھیں ضرر پہونچاؤگے تو پھر اُن بدیوں
المذمومۃ وترکوا تلک الافعال	کو اپنے مذموم اخلاق پر شرم آئے گی اور قبیح
القبیحۃ ثم قال فاذا الذی بینک	کاموں کو چھوڑ دیں گے پھر فرمایا فاذا الذی الخ

وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم	یعنی جب تم اُن کے برائیوں کا مقابلہ احسان
یعنی اذا قابلت اساءتھم بالاحسان	سے کروگے اور اُن کے افعال قبیحہ کے مقابلہ
وافعالھم القبیحۃ بالافعال الحسنۃ	میں افعال حسنہ پیش کروگے تو وہ بھی افعال
ترکوا افعالھم القبیحۃ وانقلبوا من	قبیحہ چھوڑ دیں گے اور عداوت سے محبت
العداوۃ الی المحبۃ ومن البغضۃ	اور بغض سے مودت کی طرف پلٹ
الی المودۃ ؕ	پڑیں گے۔

جس طرح آیات منقولہ بالا میں عفو و اصلاح مدارات حسنہ اور اخلاق زکیہ کی تعلیم ارشاد ہوئی ایک دوسرے مقام پر ہر حال میں انصاف وعدل اور دائرہ اعتدال میں مسلمانوں کو رہنے کی تاکید شدیدہ کی گئی ہے۔

ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم	جس قوم نے تمھیں زیارت مسجد الحرام سے باز رکھا
عن المسجد الحرام ان تعتدوا ؕ	اُس قوم کی عداوت اس کا سبب نہ ہونے پائے
	کہ تم حد سے متجاوز ہو جاؤ پھر ارشاد ہوا۔

ولا یجرمنکم شنآن قوم علی	کسی قوم کی عداوت تمھیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس کے
الا تعدلوا اعدلوا ھو	ساتھ عدل و انصاف کرنا چھوڑ دو ہاں عدل و انصاف کرو اس لئے
اقرب للتقوی ؕ	کہ انصاف تقوی سے بہت ہی قریب ہے۔

قوت و مساوات کی حالت میں جس طرح شرارت کا عوض درگزر بدی کا عوض نیکی ظلم کا عوض عدل و انصاف اسلامی تعلیم ہے اُسی طرح حالت ضعف و مجبوری میں جب کہ غیر مسلم قوم مسلمین پر مستولی ہو جائے تو تباہی و بربادی سے اپنے کو محفوظ رکھکر آئندہ بتدریج آمادہ ہونے کے لئے ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ او ما لا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔

اور الا ان تتقوا منھم تقاتہ اور یا ایھا الذین امنوا خذوا حذرکم کا ارشاد موجود ہے یعنی اپنے کو ہلاک نہ کرو ایمان والو اپنا بچاؤ کرلو جب دل تمہارا ایمان سے مطمئن ہے تو تمہارا وہ قول وفعل جس کے بجبر واکراہ تم مرتکب ہوئے قابل مواخذہ نہیں۔

ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی خبیث النفس درگزر اور کریمانہ برتاؤ سے فساد وشر میں زیادہ سرگرم ہو گا یا ہوتا ہے تو پھر قرآن کے اس تعلیم کی تعمیل کا موقع ہے ولیجدوا فیکم غلظۃ کفار و بیدین تم میں کرارہ پن پائیں فاقتلوھم حیث وجدتموھم انہیں جان سے مار ڈالو جہاں کہیں بھی پاؤ والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا یعنی جو لوگ ایسے ہیں کہ جب اُن پر بیجا زیادتی ہوتی ہے تو وہ اُس کا عوض لے لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اُسی مقدار پر برائی خدا نے جائز فرمایا ہے

الحاصل آیۃ کریمہ انما ینھاکم اللہ الخ میں جو موالات منع اور دیگر امور سے سکوت ہے یعنی نہ تو اُس کی اجازت ہی عطا فرمائی نہ اُس کے متعلق نہی صادر کی اُس کی وجہ تو ما حالت مسلم ہے اور ہر حالت کے لئے مستقل حکم فرقان حمید میں موجود ہے۔

اگرچہ مفسر ابن جریر کا نہی کو حدود موالات حقیقی ہی میں منحصر رکھنا اور بر واقساط کا اُس میں داخل نہ کرنا بجائے خود فقیر کے بیان کی تصدیق ہے لیکن بغرض مزید اطمینان الشیخ محمد عبدہ مفتی مصر کی عبارت انہیں کی تفسیر سے نقل کرتا ہوں۔

ناظرین کرام کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ الشیخ محمد عبدہ کی جلالت شان مصر میں یہ تھی کہ اُن کے ہم عصر علماء نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا فضلائے مصر اُستاذ الامام اور حکیم الامۃ کے لقب سے انہیں یاد کرتے تھے اور آج بھی اُستاذ الامام ہی لکھکر اپنی تحریروں میں حسن عقیدت کا ثبوت دیتے ہیں مصریوں میں اس وقت آثار حیات علو ہمت اور حریت کی

جدوجہد جو کچھ پائی جا رہی ہے اس کی داغ بیل اسی عالی دماغ کی زبردست تعلیم و تربیت نے رکھی تھی۔

اسی آیۂ سورۂ ممتحنہ کے متعلق ایک بسیط و تفصیلی بحث کے بعد خاتمۂ سخن پر بطور فیصلہ یہ فرماتے ہیں۔

خص هذا النهي بتوليهم و نصرهم لا بمعاملتهم بحسن معاملتهم بالبر و الاحسان والعدل وهذا منتهى الحلم والسماح بل الفضل والكمال۔	یہ نہی دوستی اور نصرۃ کفار کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ فعل جمیل اور حسن معاملہ جو بر و احسان اور عدل کے ساتھ ہو یہ رب العزۃ حق سبحانہ کی طرف سے انتہائے حلم اور درگزر ہے بلکہ فضل و کمال ہے۔

آیۂ شریفہ لا تجد قوما یومنون الخ کی تفسیر کرتے ہوئے لفظ موادت کی اس طرح وضاحت فرمائی کہ ہر طرح کے شکوک صاف ہو جاتے ہیں۔

فالموادة مشاركة فى الاعمال فان كانت شان من شئون المومنين من حيث هم مؤمنون والكافرين من حيث هم كافرون فالممنوع منها ما يكون فيه خذلان لدينك و ايذاء لاهله او اضاعة لمصالحهم واما ما عدا ذالك كالتجارة وغيرها من ضروب المعاملات الدنيوية	حاصل یہ کہ موادۃ اعمال میں باہم شریک ہونیکا نام ہے اگر یہ شارکت اس شان کی ہے کہ مسلم اپنے اسلام کے اور کافر اپنے کفر سے باہم ممتاز ہو رہے ہیں شارکت عمل نے کسی کے مذہب پر اپنا اثر نہیں ڈالا ہے تو اس حالت میں وہی شارکت ممنوع ہوگی جس سے اسلام کی رسوائی ہوتی ہو یا اہل اسلام کو اذیت پہونچتی ہو یا مسلمین کی کوئی مصلحت تباہ ہو رہی ہو لیکن جو شارکت عمل اس کے سوا ہوگی جیسی تجارت وغیرہ تو یہ معاملات دنیویہ کی اقسام

فلا تدخل فی ذالک النفی	ہے اس نفی میں وہ داخل نہیں اس لئے کہ اس
لانھا لیست معاملۃ	معاملہ سے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور عداوت
فی محادۃ اللہ ورسولہ	نہیں ہوتی ہے نہ اس سے دین کی بربادی ہے (الجزء
ای فی معاداتھما ومقاومۃ دینھما ۔	الثالث من تفسیر الشیخ محمد عبدہ صفحہ ۲۷۸ و ۲۷۹)

الشیخ محمد عبدہ کی دونوں عبارتوں کو پڑھو دیکھو کس قدر واضح اور صریح الفاظ میں فرما رہے ہیں کہ بر وعدل کے ساتھ اس نہی کا کوئی تعلق نہیں دوسری عبارت اس کی تشریح کرتی ہے کہ موادۃ جس طرح سے قلبی ہوا کرتی ہے اسی طرح موادۃ عملی بھی ہے موادۃ قلبی کسی کافر سے تو قطعاً حرام ہے لیکن موادۃ عملی سے اگر دین کا نقصان نہیں مثلاً تجارت وغیرہ تو وہ جائز و مشروع ہے اسی مضمون کو امام فخرالدین رازی نے معاشرۃ جمیلہ کہا ہے (دیکھو تفسیر کبیر کی عبارت منقولہ)

نزول کلام پاک کو تیرہ سو برس کا زمانہ ہو چکا اس تمام عہد میں مسئلہ موالات اُمتِ مرحومہ سے ایسا مخفی رہا کہ جب تک گاندھی نے چودھویں صدی میں اُسے نہ سمجھایا اُس وقت تک کسی کے بھی سمجھ میں نہ آیا۔

اب معلوم ہوا کہ سورۂ ممتحنہ کی آیۃ اصولی تقسیم ہے اب معلوم ہوا کہ جو کافر مسلمانوں سے قتال فی الدین نہ کرے اُس سے مومن کی موالات ومحبت منطوق کلام ربانی ہے اب معلوم ہوا کہ بر و اقساط مرادف موالات ہیں وغیر ذالک من الھفوات التی لا تحصی اللھم احفظنا من ھذا الافتراء علی الدین المبین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاھرین ۔

قرآن کریم نے یہودیوں کی یہودیوں سے اور نصرانیوں کی نصرانیوں سے موالات کی خبر دی ہے اور اُسی جگہ مسلمانوں کو موالات یہود و نصاریٰ سے منع بھی فرمایا ہے یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض یہ آیت مع تفسیر کثیر مفسرین صفحات سابق میں گزر چکی لیکن اسی کے ساتھ قرآن اس کی بھی خبر دیتا ہے کہ ایک فریق یہودی دوسرے فریق یہودی کا اور ایک گروہ نصاریٰ دوسرے گروہ نصاریٰ کا دشمن ہے اور پھر بغض و دشمنی بھی کیسی کہ قیامت تک مٹنے والی نہیں یہود کے متعلق ارشاد ہے والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ یعنی ہم نے یہودیوں کے آپس میں کینے اور عداوتیں ڈال دی ہیں جو قیامت تک نکلنے والی نہیں۔

نصاریٰ کے متعلق ارشاد ہے فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ یعنی بغض اور عداوت کی آگ باہم عیسائیوں میں ہم نے ایسی بھڑکائی ہے جو قیامت تک دہکتی اور لپکتی رہیگی۔

دونوں ارشادوں میں (یعنی یہود و نصاریٰ میں باہم موالات بھی ہے اور بغض و عداوت بھی) اگر تطبیق دتوفیق دیجائے تو معنی عدم موالات کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے جہاں بعضھم اولیاء بعض فرما کر موالات کی خبر دی ہے وہاں یہ مراد ہے کہ جو یہود و نصرانی کا دین میں مخالف ہے اُس کے مقابلہ پر یہ سب باہم متفق ہو جاتے ہیں ایک فریق دوسرے فریق کا دوست اور معین و مددگار بنجاتا ہے لیکن جب غیر مذہب کا مقابلہ نہ ہو تو آپس میں عداوت و بغض کی آگ ان میں ایسی مشتعل ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو جلا کر خاک سیاہ کر دینا چاہتا ہے۔

پس مسلمانوں کو اُن کی دینی مدد اور دوستی سے حق سبحانہٗ نے منع فرمایا اور انھیں اپنے مسلمان بھائیوں سے موالات کا حکم دیا کما قال اللہ تعالیٰ والمؤمنون والمؤمنات

بعضہم اولیاء بعض ؕ

تمام ابحاث کا خلاصہ یہ ہوا کہ

(۱) کافر کے ساتھ دلی دوستی اور قلبی محبت کفر ہے۔

(۲) دل میں کافر کی دوستی نہیں لیکن عمل دوستوں کے مانند ہو تو یہ حرام ہے۔

(۳) قلب محبت کفر و کفار سے پاک بلکہ بیزار لیکن کافر کے مذہبی اعمال میں عملاً شرکت کی جائے یہ حرام ہے۔

(۴) کافر کے دین کی حمایت حرام ہے۔

(۵) کافر کی ایسی مدد کرنا جس سے دین اسلام کا یا مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے

(۶) کافر سے ایسی مدد لینا جس میں اپنے دین یا اپنے دینی بھائیوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے۔

(۷) مدارات فعل جمیل عمل معروف بر و احسان اور عدل و انصاف ہر حال میں جائز ہیں بلکہ بعض کفار کے ساتھ احسن و انسب۔

(۸) دنیاوی کاروبار اور لین دین ہر کافر حربی اور غیر حربی سے جائز کسی وقت بھی حرام نہیں۔

(۹) ان احکام میں کفار ہند اور کفار یورپ سب مساوی ہیں بجز اس کے کہ کفار اہل کتاب کا کھانا کھانا اور نکاح میں کتابیہ عورت کا لانا بموجب حکم قرآن پاک مباح و جائز ہے اس کے سوا جملہ احکام شرعیہ کفار اہل کتاب و کفار غیر اہل کتاب دونوں کے لئے یکساں ہیں۔

ترک موالات کے متعلق جن آیات کا اقتباس مفتیان سیاسی نے اپنے فتاوے میں کیا ہے اگر ان تمام آیات کا شان نزول اور مفسرین کی تحقیقات لکھوں تو بہت ضخیم کتاب ہو جائے

بایں لحاظ صرف چار آیات کے متعلق مفسرین کے اقوال لکھے گئے۔

دیگر آیات کا شان نزول اگر معلوم ہو اور پھر اُس آیۃ کے قبل اور ما بعد کو ملا کر دیکھا جائے تو صاف مطلب سمجھ میں آجاتا ہے کہ موالات سے یا قلبی محبت مراد ہے یا ایسی اعانت و استعانت (یعنی مدد دینا یا مدد لینا) مراد ہے جس سے دین کا یا دینی بھائیوں کا نقصان متصور ہو یا مسلمانوں میں رجحان مذہب کفار کی طرف پیدا ہونے کا احتمال ہو اس کے سوا جتنے تعلقات ہیں وہ سب جائز و مرخص ہیں منہی عنہ تعلقات ہر حال میں ممنوع و حرام ہیں۔

نہایت نیاز مندانہ سوال ہے کہ شہزادۂ مظلوم حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ و اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ جب یزید لعین نے وحشیانہ درندگی اور ملحدانہ ظلم و ستم کا برتاؤ کیا تو کیا اُس وقت صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہی ترک موالات کیا جیسے تم پیش کر رہے ہو۔

حضرت سیدنا عبد اللہ بن زبیر جب انتہائے مظلومیت سے عین صحن مسجد الحرام میں شہید ہوئے اور ظالموں نے خانۂ کعبہ پر سنگباری کی حرم کی حرمت بیت اللہ کی عظمت جو نص قرآن سے ثابت ہے اُس کا ادب بھی دل سے اٹھا دیا تو کیا اُس وقت برگزیدہ جماعت تابعین اور صلحائے اُمت نے یہی کیا جسے تم دعوتِ حق کہکر مسلمانوں کے سامنے لاتے ہو آیۃ شریفہ انما ینھٰکم اللہ الخ کے مصداق یزید لعین اور حجاج بن یوسف دونوں ہر طرح سے ہیں۔ دین کے بارے میں یہ لڑے اور پھر کس سے مقابل ہوئے جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا روح و ریحان فرمایا تھا خاندان نبوت اور آل ہاشم کو بے خانماں انہوں نے کیا قرآن پاک میں آیۃ لا ینھٰکم اللہ عن الذین اور انما ینھٰکم اللہ عن الذین دونوں جگہ جو بجائے اسم ظاہر اسم موصول وارد ہوا ہے اُس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم کسی خاص گروہ و فرقہ

سے مخصوص نہیں جو مسلمانوں سے قتال فی الدین کرے گا انھیں مکانوں سے نکالے گا یا ان کے دشمنوں کی مدد کرے گا اُس سے مسلمانوں کی موالات ممنوع و حرام ہے۔ اس میں کسی مذہب و ملت کی قید نہیں جیسا کہ پہلی آیۃ لاینھاکم اللّٰہ کے متعلق تعمیم کو بہت وضاحت کے ساتھ ابن جریر نے کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن وہ حضرات جنھیں دین کا ستون کہا گیا ہو اُن کے عمل میں اس کا سُراغ کہیں نہیں ملتا جس کی تم تحریک کر رہی ہو۔

ہاں جو کچھ رازداران رموز شریعت نے کیا صفحات تاریخ پر وہ تاباں و درخشاں ہیں ایک صدی بھی گزرنے نہ پائی جو خاندان نبوت میں سے خلفائے عباسیہ سریر آرائے مسند خلافت ہو گئے۔

تاتاریوں کے حملے نے جب بغداد تباہ کیا اور مسلمانوں کے صدیوں کا سرمایہ خصوصاً علمی خزینہ خوں ریز ظالم ہاتھوں نے وحشت و بربریت میں آکر برباد کر دیا خلیفۃ المسلمین کو نہایت بیدردی و بیرحمی سے شہید کیا اور خود فاتحانہ و ملوکانہ حیثیت سے بغداد پر حکومت کرنے لگے اُس وقت مفتوح مسلمین نے تاتاریوں کے ساتھ کیا یہی طرز عمل اختیار کیا جس کی تم نشر و تبلیغ کر رہے ہو۔

واللّٰہ ثم باللّٰہ جو کچھ انھوں نے کیا آج اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلامی سلطنت اس چودھویں صدی میں بھی آخری سانس بھرتی ہوئی نظر آرہی ہے مفتوح و مظلوم قوم نے کس خوبی و کمال سے فاتح کو مفتوح بنا لیا دنیا کی تاریخ میں یہ عجیب واقعہ ہے ایک قوم ملک فتح کرتی ہے لیکن مفتوح قوم اُس کا مذہب اس کا اخلاق فتح کر کے فرق فاتح و مفتوح مٹا دیتی ہے اگر اہل بغداد اُس وقت کسی کافر فرقہ کا دامن پکڑتے تو نہ معلوم کبھی کا سلطنت اسلامی کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔

تریدون زینۃ الحیٰوۃ الدنیا

اے پرستاران ہنود کبھی ایمان کی قوت اور اسلامی اخلاق کی کشش بھی تم نے دیکھی ہے

کبھی تم نے کلمہ توحید جس دل پر نقش ہو اس کے نعرہ تکبیر کے زور و طاقت کا خیال بھی کیا ہے
تمہاری مادی آنکھیں کفار کی جمعیت دیکھ کر پتھرا گئیں تمہارے مادی دماغ کفار کی
قوت فکریہ سے لرزاں و ترساں ہو گئے لیکن کیا تمہارے پاس بچی کھچی کچھ ایمان کی بھی پونجی ہے؟
میری دلی دعا ہے کہ اس کا جواب تم اثبات میں دے سکو پھر میں تم سے یہ کہوں کہ ایمان کے
نور سے توحید و خدا پرستی کے زور و قوت کا نظارہ کرو تو تمہیں اصلی شاہراہ عمل معلوم ہو جائے

میری دردمندانہ گزارش تعصب اور ہٹ دھرمی سے یکسو ہو کر سنو اس وقت سیاسی مفتیوں
نے الہامات گاندھی سے متاثر و مستفیض ہو کر موالات کی جو تعریف بیان کی ہے اور جن چیزوں کو
مصداق موالات قرار دیا ہے وہ محض القائے گاندھی کی تعمیل ہے اس کا نتیجہ حقیقی اسلامی محبت و خدمت
سے تغافل و بے پروائی ہے۔

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت تک موالات کے یہ معنی کسی نے نہ سمجھے نہ
اپنی کتابوں میں لکھے تفاسیر سے سیر کن شواہد پیش کر چکا ہوں جو انکشاف حقیقت کے لئے بالکل
کافی ہیں لیکن اس خیال سے کہ قرآن پاک کی عملی تفسیر حیات طیبہ حبیب کبریا احمد مجتبی صلی اللہ
علیہ وسلم ہی بعض احادیث مشہورہ جن سے ہر مسلمان صاحب ایمان کا کان آشنا ہے روایت کرتا
ہوں اسی کے ساتھ ائمہ مجتہدین یعنی فقہائے کرام کی کتب فقہ کا بھی حوالہ ہو گا مولی تعالے
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہدایت عطا فرمائے کہ وہ اپنے پیغمبر کے اتباع کا شرف
حاصل کرے اور غلامی کفار سے نجات پائے۔

یہودیوں سے معاہدہ

مدینہ طیبہ جب دار الہجرۃ قرار پایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے وہاں کے باشندگان یہود سے ایک عہد نامہ لکھ کر اسے واضح فرما دیا کہ مسلمانوں اور یہودیوں
میں کیسے تعلقات رہیں گے ابن ہشام نے نہایت تفصیل سے مضمون عہد نامہ کو روایت کیا ہے۔

كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابا بين المهاجرين والانصار وادع فيه يهود وعاهدهم واقرهم على دينهم واموالهم وشرط عليهم واشترط لهم ۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ایک تحریر لکھی جس میں مہاجرین وانصار کا یہودیوں کے ساتھ معاملہ صلح منضبط کیا گیا اس تحریر میں اس کا عہد وقرار تھا کہ یہودیوں کے مذہب ومال سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا شرطیں ایسی تھیں جس سے فریقین پر پابندی آتی تھی۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ شرط نہایت صفائی سے کی گئی ولا ینصر کافر علی مومن یعنی کسی کافر کی مسلمانوں کے مقابلہ اور ضرر رسانی پر مدد نہ کی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ معاہدہ کی حقیقت موالات سے جداگانہ ہے معاہدہ جائز اور موالات حرام موالات حقیقی کا صاف لفظوں میں انکار موجود ہے۔

مشرکین مکہ سے صلح

صالح النبي صلى الله عليه وسلم المشركين يوم الحديبية (رواه البخاري)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے روز مشرکین سے صلح فرمائی (بخاری شریف)

حدیث شریف میں وارد ہے الصلح جائز بين المسلمين الا صلحا احل حراما او حرم حلالا یعنی مسلمانوں کو کفار و مشرکین سے صلح کرنا جائز ہے مگر نہ ایسی صلح جو خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دے۔ علما رسیاسی انصاف کریں کہ اگر وہ قوم ہنود سے معاہدہ یا مصالحت کر رہے ہیں تو موالات کا انھیں کب حق حاصل ہے یا انھیں ہولی اور رام لیلا میں شریک ہونے کی کہاں اجازت کیا حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دینا چودھویں صدی کے علما رسیاسی کو کسی آیۃ یا حدیث سے معلوم ہوا ہے تو براہ کرم اسے پیش فرمائیں۔

اجارہ

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

خیبر کی زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اعطیٰ خیبر الیہود علیٰ ان یعملوھا و یزرعوھا ولہم شطر ما یخرج منھا (رواہ البخاری)

وہاں کے یہودیوں کو اس شرط پر عطا فرمائی کہ وہ جو تیں بوئیں جو محنت و کاشت کا پیداوار میں نصف حصہ اُن کا ہوگا (بخاری شریف)

رہن لقد رھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم درعا لہ بالمدینۃ عند یہودی واخذ شعیرا لاھلہ (رواہ البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی اور اس سے جو کچھ ازواج مطہرات کے لئے لیا (بخاری شریف)

کافر کا کام انجام دے کر اجرت لینا

جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ینزع للیھودی کل دلو بتمرۃ حتی اجتمع لہ شئی من تمر (الریاض)

تشریف رکھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ یہودی کا پانی کھینچنے لگے اس حساب سے کہ فی ڈول ایک کھجور یہاں تک کہ تھوڑی کھجوریں جمع ہوگئیں۔

کافر کو نوکر رکھنا

استاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن اریقط الدولی وکان کافرا (ابن خلدون وابن ہشام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ ابن اریقط کو نوکر رکھ لیا اور وہ کافر تھا۔

کافر سے قرض لینا

وعن علی ان یہودیا کان یقال لہ فلان حبر کان لہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنانیر فتقاضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ یا یہودی ما عندی ما

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی جسے یہودیوں کا عالم کہا جاتا تھا اس کی کچھ اشرفیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ آتی تھیں اس نے

اعطیک قال فانی لا افارقک فقالوا یا رسول اللہ یھودی یحبسک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منعنی ربی ان اظلم معاھدا او غیرہ الخ (مشکوٰۃ)

تقاضا کیا آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس نقد نہیں جو تجھے دوں اس نے کہا کہ جب تک آپ ادا نہ فرمائیں گے میں آپ کو اُٹھنے نہ دوں گا۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ایک یہودی کی یہ مجال ہو کہ وہ آپ کو روک لے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب نے یہی حکم دیا ہے کہ میں کسی پر ظلم نہ کروں خواہ وہ فریق معاہد ہو یا غیر معاہد۔

کافر کا علاج کرنا دوا بھیجنا

براء ملاعب الاسنہ ارسل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی قد اصابنی وجع احسبہ قال یقال لہ الدبیلہ فابعث الی بشیء اتداوی بہ فارسل الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعکۃ عسل وامرہ ان یستشفی (روض الانف)

براء نے جس کا لقب ملاعب الاسنہ ہے یہ التماس پیش کی کہ مجھے پیٹ کی بیماری نے ستا رکھا ہے جسے دبیلہ کہتے ہیں آپ کے پاس اگر کوئی دوا ہو تو بھیجیے آپ نے ایک مشکیزہ شہد کا اُسے بھیجا اور حکم دیا کہ اسی سے اپنا علاج کر۔

واضح ہو کہ یہ اُس وقت ایسا سخت کافر شریر النفس تھا جس کے بھیجے ہوئے تحفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر رد فرمایا کہ یہ تحفہ نہیں ہے مداہنت کی درخواست ہے لیکن دوا بھیجنے سے اغماض نہ فرمایا۔

وقد رد ھدایۃ الی براء ملاعب الاسنہ وقال انی نھیت عن زبد المشرکین (قال صاحب روض الانف) قولہ علیہ السلام

براء ملاعب الاسنہ کا ہدیہ آپ نے رد فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ مجھے مشرکین کی چکنی چپڑی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے صاحب روض الانف فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

عن زبد المشركين ولم يقل عن هديتهم
يدل على انما كره ملاينتهم ومداهنتهم
لان الزبد مشتق من الزبد كما ان
المداهنة مشتقة من الدهن ۵

علیہ وسلم نے زبد مشرکین کو منع فرمایا اور یہ نہ فرمایا
کہ اُن کے ہدیہ لینے سے منع کیا گیا ہوں اس سے یہ
معلوم ہوا کہ آپ نے مداہنت کو برا جانا اس لئے کہ لفظ
زبد مشتق ہے زبد بمعنی مسکہ سے جیسا کہ مداہنت مشتق
ہے لفظ دہن بمعنی روغن سے۔

ہدیہ دینا اور مشرک سے ہدیہ طلب کرنا

اهدى الى ابى سفيان
عجوة واستهدا الا ادما فاهدا الا
ابوسفيان وهو على شركه
(روض الانف)

رسول پاک نے ابو سفیان کو مدینہ طیبہ
کی بہترین کھجور عجوہ ہدیہ بھیجی اور اُس سے
مصالحہ یعنی نان خورش ہدیہ طلب فرمایا
ابو سفیان نے مصالحہ بھیجا حالاں کہ وہ اُس وقت
تک مشرک تھے۔

کافر کا ہدیہ قبول کرنا

المقوقس صاحب
الاسكندرية كتب بعثت اليك بجاريتين
لهما مكان فى القبط عظيم وقد اهديت
لك كسوة وبغلة تركبها ولم يزد على
هذا ولم يسلم فقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم
هديته واخذ الجاريتين مارية ام
ابراهيم بن رسول الله واختها شيرين
وبغلة بيضاء وهى دلدل وقال رسول الله
ضن الخبيث بملكه ولا بقاء لملكه

مقوقس شاہ اسکندریہ نے بجواب فرمان نبوی
جو خط لکھا اُس میں یہ بھی تھا کہ میں حضور کے لئے
کچھ کپڑا بھیجتا ہوں اور ایک سفید بغلہ اس پر
حضور ہی سوار ہوں اور دو جاریہ لیکن مقوقس
اسلام نہ لایا۔

تحفہ آپ نے قبول فرمایا بغلہ سفید دیا عرب
میں نایاب تھا اُس کا نام آپ نے دلدل رکھا جاریہ
میں سے ایک کا نام ماریہ تھا جن کے بطن سے
سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ

(طبقات ابن سعد)

پیدا ہوئے تھے دوسری کا نام شیریں تھا۔ لیکن اُس کے اسلام نہ لانے پر آپ نے فرمایا خبیث سلطنت کے خیال سے ایمان نہ لایا حالاں کہ ملک وسلطنت اُس کا باقی رہنے والا نہیں ہے۔

دوسری روایت ثم هرقل كتب كتاباً وارسله مع دحية يقول فيه للنبي صلى الله عليه وسلم انى مسلم ولكني مغلوب على امري

ہرقل نے جواب لکھکر حضرت دحیہ کے حوالہ کیا اُس میں یہ لکھا تھا کہ میں مسلمان ہوں لیکن رعایا سے مغلوب ہوں ایمان کا اظہار کر نہیں سکتا۔

وارسل اليه بهدية فلما قرأ النبي صلى الله عليه وسلم كتابه قال كذب عدو الله ليس بمسلم بل هو على نصرانيته وقبل هديته وقسمها بين المسلمين (روض الانف)

جواب کے ساتھ کچھ تحفہ بھی بھیجا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا خدا کا دشمن جھوٹا ہے وہ مسلمان نہیں بلکہ وہ اپنے نصرانیۃ ہی پر ہے ہدیہ قبول فرمایا اور مسلمانوں میں اُسے تقسیم فرما دیا۔

مقوقس نے جو ہدیہ بھیجا تھا اُس میں ذات مبارک کی تخصیص کر دی تھی اس لئے اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم مسلمانوں پر نہ فرمایا لیکن ہرقل نے تحفہ بھیجا اور اُس میں تخصیص نہ تھی اس لئے اُسے آپ نے تقسیم فرما دیا۔

کافر کا ہدیہ ایک قسم مال غنیمت میں سے ہے عنقریب مسائل فقہیہ سے واضح ہوگا۔

تیسری روایت رأى عمر حلة سيراء تباع فقال يا رسول الله ابتع هذه

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ریشمی مخطط حلہ بازار میں فروخت ہوتے دیکھکر رسول اللہ

والبسها يوم الجمعة واذا جاءك الوفود قال انما يلبس هذه من لا خلاق له فاتى النبي صلى الله عليه وسلم منها فارسل الى عمر بحلة فقال البسها وقد قلت فيها ما قلت قال اني لم اعطكها لتلبسها ولكن لتبيعها وتكسوها فارسل عمر الى اخ له من اهل مكة قبل ان يسلم (رواه البخاری)

صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ایک حلہ اپنے لئے خرید لیں جب کوئی وفد آئے یا جمعہ کا دن ہو تو اُسی زیب تن فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر ایسا لباس تو اُس کے لئے ہے جسے عالم آخرت میں کچھ حصّہ اور نصیب نہیں۔ پھر کہیں سے وہی حلے خدمت اقدس میں تحفۃً پہونچے آپنے اُن میں سے ایک حلہ فاروق اعظم کے پاس بھیجدیا حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کپڑے کا میرے پاس کیا مصرف رہا جب کہ اس کے متعلق آپنے ایسا ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر میں نے اس غرض سے تمہیں نہیں دیا کہ تم اُسے خود پہنو بلکہ یہ کہ تم اسے بیچ کر نفع حاصل کرو یا دوسرے کسی کو دے کر احسان و نیکی کرو عمر فاروق نے اپنے بھائی کو جو مکہ میں تھے اور ہنوز ایمان نہ لائے تھے بھیجدیا۔

نفع مسلمین کے خیال سے کافر کو مال دینا

غزوہ خندق میں جب کہ کفار نے ایک بہت بڑی جمعیت سے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا تو اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے اس امر پر صلح فرمانے کا ارادہ ظاہر کیا کہ مدینہ کے نخلستان کا ایک ثلث پھل انھیں سالانہ دیا جائے گا صلح کی کتابت ہوگئی لیکن گواہی وغیرہ ہنوز باقی تھی آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ انصاری سے مشورہ طلب فرمایا ان انصاریوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر یہ ایسا امر ہے کہ جسے آپ پسند فرماتے ہیں تو ہم راضی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے تو پھر تعمیل حکم الٰہی بسر و چشم اور اگر ہمارا نفع مقصود ہے تاکہ دشمنوں کے حملے

ہم محفوظ رہیں تو پھر انھیں ایک کھجور بھی نہ دینا چاہیئے حالت کفر میں۔ کفار مکہ ہم سے بلا قیمت نہ لے سکے اور اب کہ اسلام ہم میں آیا اور ہمیں حضور کے وجود باجود کی عزت و قوت حاصل ہوئی وہ کھجور کے عوض تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک البتہ ہم سے پا سکیں گے آپ نے یہ جواب سن کر صلح نامہ چاک فرما دیا۔

صاحب الروض الانف اس واقعہ کو لکھکر تحریر فرماتے ہیں۔

وفیہ من الفقہ جواز اعطاء المال للعدو اذا کان فیہ نظر للمسلمین واحتیاطاً لهم وقد ذکر ابو عبید هذا الخبر وانہ امر معمول بہ وذکر ان معاویۃ صالح ملک الروم عن الکف عن ثغور الشام بمال دفعہ الیہ قیل کان الف دینار۔

اس سے فقہ کا یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ کافر کو مسلمانوں کے نفع اور احتیاط سے رہنے کے لئے روپیہ دینا جائز ہے اور ابو عبید نے روایت کیا ہے کہ یہ ایسا امر ہے جس پر عمل بھی ہوا ہے حضرت امیر معاویہ نے ایک لاکھ اشرفی روم کے بادشاہ کو اس غرض سے عطا فرمائی تھی کہ سرحد شام پر حملہ آوری نہ کی جائے۔

کافر کے ساتھ رفق ومدارات

ان عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت دخل رھط من الیھود علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا السام علیکم قالت عائشۃ ففهمتها فقلت علیکم السام واللعنۃ قالت فقال رسول اللہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی اور زبان دبا کے السلام علیکم کی جگہ السام علیکم کہا یعنی تم پر موت آئے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے یہودیوں کی شرارت سمجھ لی اور پردے کے پیچھے سے جواب دیا تمھیں موت آئے اور تم پر خدا کی لعنت ہو رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم مہلا یا عائشۃ ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ (وفی روایۃ) علیک بالرفق وایاک والعنف والفحش (رواہ البخاری)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ درگزر کرو ان کی شرارتوں کا خیال نہ کرو بیشک اللہ ہر کام میں نرمی و ملائمت پسند فرماتا ہے (بخاری شریف)

مدارات کی دوسری روایت

عن عائشۃ ان رجلا استاذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما راٰہ قال بئس اخو العشیرۃ وبئس ابن العشیرۃ فلما جلس تطلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی وجہہ وانبسط الیہ فلما انطلق الرجل قالت لہ عائشۃ حین رأیت الرجل قلت کذا وکذا ثم تطلقت فی وجہہ وانبسط الیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشۃ متی عاھدتنی فحاشا ان شر الناس عند اللہ منزلۃ یوم القیامۃ من ترکہ الناس اتقاء شرہ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے حاضری کی اجازت طلب کی آپ نے اسے دیکھکر فرمایا کہ اپنے خاندان کا برا شخص ہے لیکن جب وہ حضوری میں حاضر ہو کر بیٹھا تو آپ خندہ رو ہو کر اور کھل کر ملے۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دیکھکر تو آپنے اُسے ایسا فرمایا تھا پھر آپ خندہ رو کھل کر اس سے ملے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ تم نے مجھے فحش گو کب پایا بیشک خدا کے نزدیک ایسا شخص بہت ہی برا ہے جسے لوگ اُس کے فحش گوئی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ (بخاری شریف)

کسی کی بری عادت کو اس خیال سے اگر ظاہر کر دیا جائے کہ لوگ آگاہ ہو کر اُس کے شر و بدی سے محفوظ رہیں تو یہ جائز ہے اسی غرض سے آپ نے ایک کلمہ فرما دیا کہ اپنے قبیلہ وخاندان میں یہ برا شخص ہے لیکن ملاقات وگفتگو میں انبساط واخلاق سے یہ سبق اُمت کو

دیا گیا کہ مدارات برے کے ساتھ انتہا یہ کہ کافر کے ساتھ بھی کرنا چاہیئے۔ اب

فقہائے کرام کی تحقیقات

ملاحظہ ہو جس سے معلوم ہوگا کہ وہ کون سے امور ہیں جنھیں کافر کے ساتھ مومن کا عمل میں لانا جائز و مباح ہے۔

دشمن کے ملک میں بغرض تجارت جانا

اذا خرج للتجارۃ الی ارض العدو بامان فان کان امراً لا یخاف علیہ منہ وکانوا قوماً یوفون بالعھد یعرفون بذالک ولہ فی ذالک منفعۃ فلا باس (محیط)

جب کوئی مسلمان بغرض تجارت دشمن کے ملک میں اماں لے کر جائے تو اگر ایسا امر ہو جس سے کوئی اندیشہ نہیں اور وہ لوگ عہد پورا کرتے ہوں اور ایفائے عہد میں مشہور ہوں اور اس تجارت میں مسلمان کا نفع ہوتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

دار الحرب میں کس قسم کی بیع حیوان کی اجازت ہے

اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب بامان للتجارۃ لم یمنع ذالک منہ وکذالک اذا اراد حمل الامتعۃ الیھم فی البحر فی السفینۃ لا یمنع من ادخال البغال والحمیر والثور والبعیر (ہندیہ)

جب مسلمان دار الحرب میں بغرض تجارت اماں لے کر جانے کا ارادہ کرے تو وہ اس ارادہ سے روکا نہ جائے گا۔ یہی حکم ہے اگر کشتی پر سامان لاد کر سفر دریا طے کر کے دار الحرب میں مال تجارت لے جائے۔

خچر گدھا بیل اور اونٹ کے لیجانے میں مضائقہ نہیں۔

دار الحرب سے کس قسم اجناس کے بیع کی اجازت ہے

فان کان خز امن ابریشم او ثیابا رقاقا من القز فلا باس

اگر ریشمی کپڑے خز کے یا باریک کپڑے قز کے لیجائے تو کچھ حرج نہیں اسی طرح دھات کی قسم میں سے صُفر و شبہ دار الحرب میں لیجا کر

بادخالها الیھم ولا باس بادخال الصفر والشبہ الیھم لان ھذا لا یستعمل للسلاح (ہندیہ)
بھیجنا ممنوع نہیں کیوں کہ ان معدنی اشیاء کا استعمال ہتیار کے لئے نہیں ہوتا۔

گھوڑا اور ہتیار دار الحرب میں لیجانا منع ہے

قال محمد لا باس بان یحمل المسلم الی اھل الحرب ما شاء الا الکراع والسلاح ۃ (ہندیہ)
امام محمدؒ نے فرمایا کہ بغرض تجارت مسلم جو چاہے لادکر اہل حرب کے ملک میں لیجا لیکن گھوڑا اور ہتیار نہیں (ہندیہ)

دشمن کو ہدیہ بھیجنا

لوان عسکرا من المسلمین دخلوا دار الحرب فاھدی امیرھم الی ملك العدو ھدیة فلا باس به وکذالك لوان امیر الثغور اھدی الی ملك العدو ھدیة واھدی ملك العدو الیه ھدیة (محیط)
اگر مسلمانوں کا لشکر دار الحرب میں داخل ہوا پھر امیر لشکر نے دشمنوں کے بادشاہ کو کچھ تحفہ بھیجا تو اس میں کوئی حرج نہیں اسی طرح مسلمانوں کے امیر سرحد نے دشمنوں کے بادشاہ کے پاس ہدیہ بھیجا یا دشمنوں کے بادشاہ نے مسلمانوں کے امیر سرحد پاس ہدیہ بھیجا تو کوئی حرج نہیں۔

دشمن کا ہدیہ مرسل الیہ کس حال میں تقسیم کریگا اور کس حال میں اُس کا خاص ہوگا

قال محمد ما یبعثه ملك العدو من الھدیة الی امیر جیش المسلمین اوالی الامام الاکبر وھو مع الجیش فانه لا باس بقبولھا ویصیر فیأ للمسلمین کذالك اذا اھدی ملکھم الی قائد من قوائد
امام محمدؒ نے فرمایا کہ دشمن کے بادشاہ نے سردار لشکر مسلمین کے پاس یا امام اکبر کے پاس ہدیہ بھیجا درآں حالیکہ لشکر ہمراہ ہو تو اُس کے قبول کرنے میں کچھ حرج نہیں مسلمانوں کے لئے یہ ہدیہ حکم میں مال غنیمت کے ہے۔ اسی طرح جائز ہے جب اُن کا بادشاہ مسلمانوں کے کسی فوجی افسر کے پاس ہدیہ بھیجے درآں حالیکہ

المسلمین له منعة ولو کان احد من احاد المسلمین الی واحد من کبار المسلمین لیس له منعة یختص هو بها (محیط)

قوت مانعہ فوجی اُس کے ساتھ ہو اس لئے کہ یہ ہدیہ مسلمانوں کے حق میں حکم مال غنیمت کا رکھتا ہے اور اگر مسلمان کے کسی ایسے بڑے کے پاس بھیجا جس کے ساتھ قوت مانعہ نہیں تو یہ ہدیہ اُس بڑے کا ذاتی ہوگا اور خاص اُسی کا ہوگا۔

کافر کا نوکر رکھنا من ارسل اجیرا له مجوسیا او خادما فاشتری لحما فقال اشتریته من یہودی او نصرانی وسلم وسعه اکله (ہدایہ)

کسی نے اپنے مجوسی نوکر یا خادم کو بھیجا اُس نے گوشت خریدا اور یہ کہا کہ میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلم سے خریدا ہے تو مسلمان کو گنجایش اُس گوشت کے کھا لینے کی ہے۔

واضح ہو کہ مجوسی و دیگر اہلِ کفار (سوائے کفار اہلِ کتاب) کسی کا قتل کیا ہوا جانور مسلمان کو کھانا جائز نہیں۔ اہلِ کتاب خدا کا نام لے کر ذبح کرتے تھے شریعت نے ان کا ذبیحہ حلال کیا لیکن آج کل نصرانی ذبح نہیں کرتے لہذا اُن کا کھانا حرام ہے۔

کافر کی نوکری کرنا مسلم اجر نفسه من مجوسی لا باس به (فتاوی امام طاہر بخاری)

کسی مسلمان نے مجوسی کی مزدوری کی تو کچھ حرج نہیں۔

کافر کو امور کفار کے لئے مقرر کرنا الکافر یجوز تقلید ه القضاء لیحکم بین اهل الذمة ذکرہ زیلعی فی التحکیم (درمختار)

کافر عہدۂ قضا پر اس لئے مقرر کر دیا جائے تاکہ ذمیوں کے معاملات و مناقشات کا فیصلہ کرے تو یہ جائز ہے امام زیلعی نے تحکیم میں اس مسئلہ کا ذکر فرمایا ہے۔

مفتیانِ سیاسی کی خیانت یہ مسئلہ بار بار زبان قلم پر آچکا کہ موالات کے سیاسی

مفتیوں نے دو ترجمے کئے ہیں ایک محبت و دوستی اور دوسرا مناصرۃ (یعنی مدد دینا یا مدد لینا)
مفتیان سیاسی مناصرۃ سے مطلق مدد دینا یا لینا ارادہ کرتے ہیں تاکہ نان کوآپریشن
کے حدود دائرہ شریعت میں آجائیں اور یہی اُن کی خیانت ہے۔

موالات جب مناصرۃ کے معنیٰ میں لیا جائے گا تو وہاں نصرۃ علی المومنین مراد ہوگا
یعنی ایسی مدد جس سے مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو یا نصرۃ الکفر مراد ہے یعنی کفر کی مدد۔
معاشرتی تمدنی اور اخلاقی امور میں مناصرۃ ہرگز ہرگز ممنوع نہیں۔

مفتیان سیاسی کی فریب دہی

لیڈروں کو اس وقت کفارِ ہند سے موالات حقیقی چوں کہ مرکوزِ
خاطر ہے اس لئے سیاسی مفتیوں نے یہ فریب آمیز مغالطہ پیش
کیا کہ عدم موالات یا عدم وداد کا حکم عام کفار سے متعلق نہیں بلکہ یہ حکم اُنہیں کفار سے
مخصوص ہے جو مسلمانوں سے قتال فی الدین کریں یا اُنھیں اُن کے مکانوں سے نکالیں یا
اُن کے اخراج پر دشمنان اسلام کی مدد کریں اس فریب کی بہت اچھی طرح قلعی کھولی جا چکی
روز روشن کی طرح یہ ثابت کر دیا گیا کہ آیات الٰہیہ پکار پکار کر یہ حکم دے رہی ہیں کہ مطلقاً
کفار سے موالات اور وداد حرام ہے منعی عنہ ہے کوئی مفسر کوئی مجتہد نسخ اطلاق کا قائل
نہیں موالات کے معنیٰ شرعی بیان کرنے کے بعد تفاسیر مفسرین سے شہادت بھی گزر چکی
اب احادیث و سیر و نیز کتب فقہ سے روایات صحیحہ معتبرہ نقل کر دی گئیں ہر شخص بجائے
خود فیصلہ کرے کہ موالات یا مناصرۃ کے اگر یہ معنیٰ جو مفتیان سیاسی اختراع کر رہے ہیں
لئے جائیں تو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ خود صاحب وحی و کتاب شارع علیہ السلام
نے کفار سے یہود سے بطرز گوناگوں موالات پیدا کی کبرت کلمۃً تخرج من افواہہم
ان یقولون الا کذبا۔

فرزندانِ اسلام دین کی غیرت مذہب کی حمایت دشمنانِ ایمان کی عداوت کلام اللہ
کا فہم کیا تمہاری ہی قسمت کے لئے روزِ ازل سے امانت تھا موالات کے اگر یہ معنی ہوتے
جسے تم بیان کر رہے ہو مناصرۃ کا اگر یہ مفہوم ہوتا جسے تم سمجھانا چاہتے ہو تو سب سے پہلے وہ
وجود مقدس جس کا آستانہ مہبطِ جبریل تھا اس حکم کی تعمیل کرکے عملی نمونہ امّتِ مرحومہ کے لئے
چھوڑ جاتا۔

غزوۂ خندق کی روایت پڑھو مدینہ طیبہ پر اُنھیں کفار نے ہجوم کیا تھا جنھوں نے
مسلمانوں کو قتل کیا تھا مکانوں سے نکالا تھا دشمنانِ اسلام کی مدد کی تھی لیکن دیکھو انھیں
مدینہ کا ایک ثلث ثمر دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح فرمانا چاہتے ہیں اور اسے کافر
کی امداد نہیں خیال فرماتے اگر تم ہوتے تو سورۂ ممتحنہ کی آیت تلاوت کرکے معنی موالات
سمجھا دیتے۔

تمہارے فتوے کی رُو سے دارالحرب میں مال لیجانا کفار کی مدد ہے کافر کو
ہدیہ دینا کفار کی مدد ہے کافر سے ہدیہ لینا کفار کی مدد ہے خاص کر جب کہ حالت جنگ ہو
اُس وقت تو تمہارے فتوے کی بلند آہنگی کا کیا کہنا۔

لیکن اے شریعتِ اسلام سے بیگانہ محض مفتی احادیثِ صحیحہ اور مسائل فقہیہ تو یہ بتاتے
ہیں کہ یہ سارے امور بنفسِ نفیس حضور پُرنور ہادیٔ سُبل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے
برت کر فرق موالات و مدارات فرق وداد و معاشرت جمیل واضح فرما دیا۔

دشمن کا ملک ہے عساکر اسلامیہ دارالحرب میں خیمہ زن ہیں سپہ سالار اسلام دشمن کے
بادشاہ کو ہدیہ بھیجتا ہے شریعت اجازت دیتی ہے دشمن کا بادشاہ سپہ سالار اسلام کو ہدیہ بھیجتا ہے شریعت قبول
کرنیکی اجازت دیتی ہے جن چیزوں کو کلام اللہ حدیث رسول اللہ اجتہاد ائمہ دین جائز بتائیں اس چودھویں صدی کا مفتی نا سمجھ کر

ناجائز بلکہ حرام قطعی کہنے کا حق رکھتا ہے جو اُسے جائز سمجھے اُسے وہ دائرہ ایمان و اسلام سے خارج کر سکتا ہے۔ اللھم انا نجعلك فی نحورھم ونعوذ بك من شرورھم

کفار کا عمل بائیکاٹ ایضاح حق جس تثبیت کا خواہاں تھا بعونہ تعالیٰ اس سے فارغ ہو چکا ہوں لیکن باین خیال کہ تا در بابیدرسانید چند مشہورہ معتبرہ روایتیں نقل کرتا ہوں تاکہ نان کوآپریشن نے جو موالات کی عبا پہنکر ممبر مسجد تک اپنے کو پہنچایا ہے اُس کے اس پیراہن مغصوب ومسروق کا کوئی تار جسم کفر پر باقی نہ رہ جائے۔

روایت اوّل بائیکاٹ جس کا ترجمہ لیڈروں نے عدم تعاون ومقاطعہ کیا ہے اس کی تحریک آغاز عہد اسلام میں کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کی غرض سے کی تھی۔

دار الندوہ میں بائیکاٹ کی تحریک دار الندوہ میں کفار مکہ جمع ہوئے اور ایک عہد نامہ لکھا حاضرین کے دستخط سے اُس کی توثیق کی گئی مضمون اُس کا یہ تھا۔

لا ینکحوا الیھم ولا ینکحو ھم ولا یبیعوھم شیئاً ولا یبتاعوا منھم (ابن ہشام) پیغمبر خدا اور اُن کے ساتھ بنی ہاشم کی نہ چیزیں خریدیں گے نہ اُن کے ہاتھ کسی قسم کی چیز بیچیں گے ہمارے شادی بیاہ اُن کے یہاں نہ ہوں گے نہ اُن کے شادی بیاہ ہمارے یہاں ہوں گے۔

یہی خاموش مقابلہ اور مقاومت مجہول ہے جسے کفار مکہ نے ایجاد کیا۔

ایک روایت کی رو سے تین برس اور دوسری روایت کی رُو سے دو برس تک کفار مکہ اس عہدنامہ پر سختی سے مصر رہے شعب ابی طالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عرصہ میں تشریف فرما رہے اس مقاطعہ نے آل ہاشم کو سخت تکلیف پہونچائی آخر آپ نے

حضرت ابوطالب کی وساطت سے انھیں ہدایت کا پیام بھیجا کہ تمہارے عہد نامہ کو دیمک نے چاٹ لیا اُس میں سے صرف اسم ذات اللہ باقی رہ گیا ہے یہ آپ کا معجزہ تھا بعد تصدیق اس خبر کے عہد نامہ فسخ ہوا اور خاندان ہاشم نے اس بندش سے راحت پائی۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر لین دین اور کاروبار دنیاوی میں کفار سے مدد لینا حرام و منہی عنہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ہزار چند زیادہ تکلیف برداشت فرماتے لیکن حاشا وکلا کبھی کفار کو اس بندش کے توڑنے کی ہدایت نفرماتے۔

یہ حیلہ نہ پیدا کیا جائے کہ اُس وقت تک عدم موالات کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی وہ سب آیتیں جن میں موالات کفار سے نہی وارد ہے مدنی سورتوں میں ہیں اس حیلہ کی یوں گنجائش نہیں کہ مداہنت جس کا رتبہ موالات سے کہیں کم ہی قیام مکہ میں ممنوع ہوچکا تھا جس سے اس نتیجہ پر پہونچے کہ معاشرت دُنیاوی میں لین دین موالات تو کجا مداہنت بھی نہیں۔

یہ امر مخفی نہیں کہ کفار نے سو سو طرح سے چاہا کہ کچھ بھی دین کے باب میں حضور نرمی فرمائیں کم ازکم ہمارے معبودوں کو باطل نہ فرمائیں لیکن وہ مجسمہ حق وصداقت جسے اپنے رب کے جناب سے یہ حکم ملا تھا کہ فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین یعنی جس کا تمھیں حکم دیا جاتا ہے اُسے کھول کر پہونچا دُو اور مشرکین کی پروانہ کرو اُس کی بارگاہ سے ہمیشہ کفار کے کانوں میں یہی صدا پہونچتی رہی انکم وما تعبدون حصب جہنم یعنی تم اور تمہارے معبود سب کے سب جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔

آیہ کریمہ ودوا لو تدھن فیدھنون کی ہی یعنی کفار تو دل سے چاہتے ہیں کہ اگر تم کچھ ملایم پڑو تو وہ بھی ملایم ہوجائیں اس آیہ شریفہ میں انتہائے بلاغت کے ساتھ اللہ تعالے نے

اس کی خبر دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مداہنت محال ہے۔

حق سبحانہٗ نے اِنْ تُدْهِنُ نہ فرما کر لَوْ تُدْهِنُ فرمایا یہ اس لئے کہ اگرچہ حرف شرط لَوْ اور اِنْ دونوں ہیں لیکن اِنْ کی وضع امکان کے لئے ہے اور لَوْ کی وضع محال کے لئے اوّلاً یہ کہ جملہ قضیہ شرطیہ ہے اور ظاہر کہ شرطیہ بغیر صدق مقدم و تالی بھی صادق ہوتا ہے انتفائے مداہنت کے لئے شرط کے ساتھ بیان کرنا کافی تھا۔ لیکن نہیں اسی پر اکتفا ہوا بلکہ حرف شرط لَوْ بجائے اِنْ کے ارشاد فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو کہ مداہنت رسول سے محال ہے دونوں مثلوں کی دلیل آیۃ لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا میں موجود ہے۔

بائیکاٹ اور ہڑتال کو اب بھی موالات کہنا دراصل خدمت دین سے چشم پوشی کا مرادف ہے۔ اس روایت سے اس قدر یاد رکھیے کہ مقاطعہ کی رسم عرب میں تھی کفار نے اس پر عمل بھی کیا تھا دو برس تک اس کی تکلیف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم برداشت فرما چکے تھے اس قدر یادداشت کسی موقع پر کام آئیگی۔

جنگ بدر مسلمانوں سے یہ پوشیدہ نہیں کہ کفار مکہ سے جنگ بدر میں اولین مقابلہ عساکر اسلامیہ کا تھا لیکن اسی ایک مقابلہ نے جہاد اسلامی اور حرب تمدنی کا فرق ایسا آشکارا کر دیا جس کے زریں حروف صفحات تاریخ پر ہمیشہ یادگار رہیں گے جہاد خدا کی ایک ایسی رحمت ہے کہ جس خطۂ زمین پر اس کی حقیقت مشہود ہوئی وہاں کی زمین اور زمین کے بسنے والوں نے وہ حیات پائی ہے جو خلق وجود کا حقیقی راز اور مایۂ ناز تھا لیکن اسی کے مقابلہ میں حرب تمدنی خدا کا ایک قہر ہے جو گوناگوں تباہی قومی ملکی اخلاقی اور علمی اپنے ساتھ ساتھ لاتی ہے۔

یورپ کو اپنی تہذیب پر ناز ہے لیکن وہ آئے اور دیکھے کہ اسلام جب میدانِ جنگ

میں اپنی فوجوں کو آراستہ کرتا ہے اور پھر حکم الٰہی مجاہدین فی سبیل اللہ کی شمشیر دستان کو جنبش دیتا ہے تو اُس کی ہر حرکت کس طرح دائرہ حکم الٰہی میں گردش کرتی ہے۔

خواہش نفس ہیجان غضب شدت کینہ خیرگی حواس اور غیر متعدل جوش ان کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا۔

مجاہد کا ہاتھ تحت امر الٰہی اُس انجن کے مانند ہے جسے اُس کا سائق ایسی قوت دمہارت سے چلا رہا ہو کہ بال برابر بھی ریل کی پٹری سے وہ اُترنے نہیں پاتا انجن اگر ریل سے اُتر جائے تو ہزاروں جانوں کا خون ہو جائے اسی طرح مجاہد فی سبیل اللہ اگر راہ حق سے راہ ہوا میں حرکت کر جائے تو للیت و اخلاص کا خون ہو جائے۔

واقعۂ بدر میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ وہی کفار مکہ ہیں جنھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں بانواع مختلفہ پہونچائی ہیں تیرہ برس پیغمبر اور اُس کے متبعین مسلمین پر کفار مکہ نے ستم وجفا کی مشاقی کی ہے ہجرت کے بعد بھی جس کے ایمان واسلام کا وہ پتہ پا گئے ہیں اُس کی ہستی تہ وبالا کر ڈالی ہے۔

آج اُنھیں کفار نے ایک بہت بڑی تعداد میں فوج واسلحہ سے مسلح ہو کر مدینہ پر فوج کشی کی ہے ادھر اللہ کا حبیب تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کو لے کر اُن کی مدافعت پر روانہ ہوا ہے بدر کے مقام پر حق و باطل کا مقابلہ ہوتا ہے قادر مطلق مولیٰ تعالےٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل فتح عطا فرماتا ہے ستر کافر مومنین کے ہاتھوں سے جہنم واصل ہوئے ستر کافر مومنین کے ہاتھوں میں قید وگرفتار ہوئے۔

اب سورۂ ممتحنہ کی آیۃ پھر تلاوت کر لیجئے تا کہ واقعات مابعد کے سمجھنے میں اِس آیۃ کی تفسیر آپ کو فعل رسول سے معلوم ہو سکے۔

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظالمون ؁	اللہ ان لوگوں کے متعلق جو دین کے معاملہ میں تم سے نہیں لڑے اور نہ انھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اس سے منع نہیں کرتا کہ تم ان کے ساتھ بھلائی اور منصفانہ سلوک کرو بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو چاہتا ہے اللہ تعالےٰ اُن لوگوں کی دوستی سے روکتا ہی جو تم سے دین کے معاملہ میں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں امداد پہونچائی اور جو ان کو دوستی رکھیں وہی ظالم ہیں۔

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیۃ لا ینھاکم اللہ سے شروع ہوئی ہے اور دوسری آیۃ کا انما ینھاکم اللہ سے آغاز ہے۔ لیکن اسے اچھی طرح دیکھلو کہ پہلی آیۃ میں جس چیز کی اجازت ہے یعنی بر و اقساط جس کا ترجمہ بھلائی اور منصفانہ سلوک کیا گیا ہی دوسری آیۃ میں اس سے منع نہیں فرمایا ہاں دوسری آیۃ میں جس سے منع فرمایا ہے یعنی ولا جس کا ترجمہ دوستی اور رعد کیا گیا ہی اُس کی اجازت پہلی آیۃ میں عطا نہیں فرمائی۔ آیۃ پڑھو اور ترجمہ سے مطابقت دیتے جاؤ (یہ ترجمہ بعینہٖ تمہارے شیخ الہند مفروض کے فتوے سے نقل کیا گیا ہے اس طرح اجازت اور نہی کیوں وارد ہوئی اس کی تفصیل صفحات سابق میں گزر چکی اجازت اور سکوت میں جو فرق ہی وہ ظاہر ہے لیکن جب کہ اجازت پر ترغیب بھی دلائی جائے تو اب فرق بہت ہی اجلی اور نمایاں ہوگیا اسی کے ساتھ اس قدر اور سمجھ لیجئے کہ دونوں آیتوں میں دونوں حکم تعمیم کے ساتھ ہیں کسی فرقہ کی تخصیص ان دو آیتوں میں سے کسی ایک میں بھی

نہیں کی گئی افعال و اعمال پر حکم جواز و نہی صادر ہوا ہے نہ کہ ملت و مذہب پر اب احکام عدم موالات کا استقصا کر لیجئے۔

پہلا حکم لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء یعنی مومنین اپنا دوست یا مددگار کافر کو نہ بنائیں۔

دوسرا حکم یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء یعنی اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست و مددگار نہ بناؤ۔

ان دونوں آیتوں میں علت عدم موالات ان گروہوں کا کافر ہونا ہے مسلمانوں کے ساتھ پیروان ادیان باطلہ کا کیسا ہی برتاؤ کیوں نہ ہو لیکن محض اس وجہ سے کہ وہ کافر ہیں موالات مومن سے محروم رہیں گے۔

تیسرا حکم انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اُن لوگوں کی دوستی اور امداد کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے مقاتلہ کیا اور تمہارے گھروں سے تم کو نکالا اور تمہارے دشمنوں کی تمہارے اخراج پر مدد کی اور جو کوئی تم میں اُن ظالموں سے دوستی رکھے یا اُن کی مدد کرے تو وہی ظالم ہے۔

اس آیۃ میں عدم موالات کی علت افعال قبیحہ اور اعمال شنیعہ ظلم و ستم کو قرار دیا ہے ان افعال خبیثہ کا جو بھی مرتکب ہوگا اُس سے مسلمانوں کو ترک موالات کرنا ضروری ہے خواہ وہ نصرانی ہو یا یہودی ہو یا کافر مشرک ہو یا مدعی اسلام ہو۔

ان تمام تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے واقعات ہند کی طرف نظر ڈالئے۔

کافر کے ساتھ وفا اور انصاف | جماعت کفار میں ایک کافر ہے جس کا نام ابوالبختری ہے اس کے متعلق حکم ہوتا ہی کہ اگر میدان جنگ میں اس کا مقابلہ ہو جائے تو مسلمان اسے قتل نہ کریں بلکہ زندہ میرے حضور میں حاضر کیا جائے صحابہ عرض کرتے ہیں کہ اُس کی حیات بخشی آپ نے کیوں فرمائی ارشاد ہوتا ہے کہ قیام مکہ میں اس نے اپنے ہاتھ اور زبان سے مجھے تکلیف نہیں پہونچائی تھی آج اُس کا عوض یہ ہی کہ اس کی جان بخشی کیجائے ابوالبختری کا مقابلہ ہوتا ہے صحابہ اُسے امان دیتے ہیں لیکن وہ اپنے ساتھی کی بھی اماں طلب کرتا ہی اُس کے متعلق اجازت نہ تھی صحابہ عذر کرتے ہیں ابوالبختری لڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور آخر کار مارا جاتا ہی صحابہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں

فقال والذی بعثك بالحق لقد جهدت علیه ان یستاسر فاٰتیك به فابیٰ الا ان یقاتلنی فقاتلته فقتلتهٗ

صحابی نے عرض کیا قسم ہی اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نے اُس کے قید کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اُس نے انکار کیا اور مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا پھر میں بھی مقابلہ پر اُس کے تیار ہوا اور آخر میں نے اُسے قتل کر دیا۔

دوسری روایت | سہیل بن عمرو ایک کافر بدر کے روز گرفتار ہوا یہ شخص بلا کا مقرر تھا مخالفت اسلام پر مجامع کفار میں پُر زور تقریریں کیا کرتا تھا فاروق اعظم اس کی سزا کے متعلق ایک تحریک پیش فرماتے ہیں رحمۃ للعالمین اُسے نامنظور فرماتے ہیں اور جواب میں ایسا کلمہ ارشاد ہوتا ہی جو عدل و انصاف کی ایک بے نظیر مثال ہی:-

ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال لرسول الله صلی الله علیه

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت ہو تو سہیل بن عمرو کے اگلے دو دانت

وسلم یا رسول اللہ دعنی انزع ثنیتی سہیل بن عمرو ویدلع لسانہ فلا یقوم علیک خطیباً فی موطن ابداً قال

اُکھاڑ دوں اُس کی زبان باہر نکل پڑے گی تو آپ کے خلاف تقریر کرنے پر کھڑا نہ ہوا کرے گا۔

فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا امثل بہ فیمثل اللہ بی وان کنت نبیاً۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اُسے مثلہ نہ بناؤں گا پھر تو مجھے بھی اللہ مثلہ بنا دے گو کہ میں نبی ہوں۔

تیسری روایت ان دونوں سے زیادہ واضح اور لائق وہ سلوک پیغمبر ہے جس کی رعایت کا فر قیدیوں کے ساتھ کی گئی خوب یاد رہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں آج جو گرفتار ہیں کل تک انھیں نے مسلمانوں کو قتل کیا تمام مکانوں سے نکالا تھا قیدی ہیں کافر ہیں ظالم ہیں دشمن جانی ہیں لیکن خدا کا برگزیدہ رسول انھیں حالت اسیری میں دیکھکر اپنے یاروں کو حکم دیتا ہے

استوصوکم بالاساری خیرا قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میں تمھیں وصیت کرتا ہوں

اس وصیت رسول کی صحابہ نے کیوں کر تعمیل فرمائی اُسے قیدیوں کی زبان سے سُنئے۔

فکانوا اذا قدموا غداء ھم او عشاء ھم خصونی بالخبز واکلوا التمر لوصیۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایاھم۔

قیدیوں کا بیان ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا جب اُن کا کھانا یا رات کا کھانا آتا تو روٹی ہمیں دیتے اور کھجور خود کھاتے یہ ایثار و خاطر داشت یوں تھی کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی۔

چوتھی روایت فکان فداء المشرکین بدر کے روز مشرکین کا فدیہ کم از کم فی

يومئذ اربعة آلاف درهم
بالرجل الى الف درهم الا من لاشئ
له فمن رسول الله صلى الله عليه وسلم

مشرک چار سو درہم اور زیادہ سے زیادہ ہزار
درہم تھا لیکن جس مشرک کے پاس کچھ نہ تھا
اُس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرمایا۔

چوتھی روایت کی مزید تفصیل

ابوعزة عمرو بن عبد الله
كان محتاجا ذا بنات فكلم رسول الله
صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله
لقد عرفت مالي من مال واني لذو
حاجة وذو عيال فامنن علي فمن
عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم
واخذ عليه ان لا يظاهر

قیدیوں میں ابوعزہ عمرو بن عبداللہ بہت ہی
محتاج شخص تھا اور اس کے کئی لڑکیاں تھیں
اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ خود جانتے ہیں
کہ میرے پاس مال نہیں اور میں ایک مرد محتاج اور
عیال دار ہوں مجھ پر منت رکھیے اور کرم فرمائیے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر احسان فرمایا
اور یہ قول لے کر کہ پھر کافروں کی مدد نہ کرنا ہے
چھوڑ دیا۔

کافر کو معلم بنانا

فمن لم
يكن عنده شئ امر ان يعلم
غلمان الانصار الكتابة

جن قیدیوں کے پاس کچھ نہ تھا اور وہ لکھنا جانتے تھے اُن کا
فدیہ یہ مقرر ہوا کہ وہ اطفال انصار کو لکھنا سکھائیں جب
انھیں لکھنا آجائے تو یہ قید سے آزاد ہیں۔

اقساط کی کھلی مثال

لما كانت
اسارى بدر كان فيهم العباس
عم رسول الله صلى الله عليه وسلم
فسهر النبي صلى الله عليه ليلته فقال
له بعض اصحابه ما اسهرك يا نبي الله

بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے چچا حضرت عباس بھی تھے قیدیوں کی مشکیں
باندھ دی گئی تھیں حضرت عباس کراہنے لگے
بغل میں قیدیوں کے خیمہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا تھا حضرت عباس کے کراہنے سے

فقال انين العباس فقام رجل
فارخى من وثاقه فقال رسول اللّٰه
صلے اللّٰه علیه وسلم مالی لا اسمع
انين العباس فقال رجل
من القوم انی ارخیت من وثاقه
شیئا قال فافعل ذالك بالاساری
کلهم ؕ

آپ بے کل ہو گئے آنکھوں سے نیند اڑ گئی
بعض صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ بیخوابی
کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا عباس کی کراہ
سن کر حاضرین میں سے ایک صحابی اُٹھے اور
حضرت عباس کے بند ڈھیلے کر دیے۔ تھوڑی
دیر بعد آپنے پوچھا کہ عباس کے کراہ کی آواز کیوں
نہیں سنتا ہوں حاضرین میں سے ایک نے عرض
کیا کہ میں نے اُن کی بندش ڈھیلی کر دی ہے
آپنے فرمایا کہ سارے قیدیوں کی بندش ڈھیلی کر دی جائے

اے مفتیان شریعت گاندھی ان واقعات کو پڑھو اور ہمیں بتاؤ کہ قیدیوں کے
ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا یہ احسان وانصاف ہے یا بدی اور ظلم۔ اگر یہ واقعات ترحم
رحمت شفقت عدل اور انصاف بتاتے ہیں تو پھر تمہارا یہ کہنا کہ سورۂ ممتحنہ کی آیۃ ایک
اصول تقسیم ہے کس قدر لغو اور باطل ہے۔ یا یہ کہو کہ یہ احسان وانصاف اُن لوگوں کے
ساتھ ہوا جو اقسام ثلٰثہ ظلم میں سے ایک کے بھی مرتکب نہ تھے نہ تو انھوں نے مسلمانوں کو
قتل کیا تھا نہ مکانوں سے نکالا تھا نہ اُن کے دشمنوں کی مدد کی تھی تو آفتاب پر خاک
ڈالنا ہے یا یہ کہو کہ یہ موالات و مداہنت ہے اگر تمہارے نزدیک یہ موالات ہے یا
مداہنت تو تمھیں تمہارا فتویٰ مبارک ہو ہمیں اُسوۂ حسنہ رسول کی تعمیل کرنے دو تمھیں
اپنے پیشوا کی تعلیم اور اُس کی تعمیل نصیب ہو یوم ندعوا کل اناس بامامھم کا
جس روز ظہور ہوگا تم گاندھی کے ساتھ ہو گے اور مسلمین رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کے وار محمد کے نیچے ہوں گے۔

فتح مکہ سے نظیر | سورۂ ممتحنہ فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی پر لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا اُس وقت اُنھی کفار کے ساتھ جنھوں نے تیرہ برس تک مسلمانوں پر ظلم وستم کی مشاقی کی تھی جن کی شرارتوں نے مسلمانوں کو بے خانماں بنا کر ہجرت پر مجبور کیا تھا جن کے پیہم حملوں نے مدینہ طیبہ میں بھی راحت و سکون سے بیٹھنے نہ دیا تھا اب کہ مکہ فتح ہوتا ہے اور کفر کے سارے گھمنڈ خاک مذلت میں فنا ہو رہے ہیں رسول کا برتاؤ ایسے فریق محارب جنگجو جفا کار کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

روایات معتبرہ ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ کا نقیب مکہ کی ہر گلی کوچہ میں یہ صدا دے رہا ہے کہ

من دخل دار ابی سفیان فھو	جو ابوسفیان کے مکان میں داخل ہو جائے اُسے
امن ومن اغلق علیہ بابہ فھو	امن ہے جو اپنے مکان کا دروازہ بند کر لے اُسے
امن ومن دخل المسجد فھو امن	اماں ہے۔ جو مسجد الحرام میں داخل ہو جائے اُسے اماں ہے۔

ایک صدائے امان ہے کہ ہر در و دیوار سے گونج رہی ہے کفار کی جماعت سامنے کھڑی ہے سطوت محمدی نے سارے حوصلے پست کر دیئے ہیں اپنی جفائیں یاد ہیں لیکن وہ ذات جسے خود اُس کا رب العزۃ یہ فرمائے کہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اُس کے رحمت و کرم پر کفار و مشرکین مکہ کو بھی یہ اعتماد ہے کہ جب اُن سے بارگاہ نبوت سے یہ سوال ہوتا ہے۔

قال یا معاشر قریش ما	اے جماعت قریش تمہارا کیا خیال ہے آج تمہارے خونخوار ظلم وستم کا
ترون انی فاعل فیکم	کیا عوض دیا جائے گا تو وہ فوراً جواب میں یہ کہہ اُٹھتے ہیں

اخ کریم وابن اخ کریم آپ کرم کرنے والے بھائی ہیں اور ایسے باپ کے بیٹے ہیں جو کرم کرنے والا بھائی تھا۔

ارشاد ہوتا ہے۔

انتم الطلقاء جاؤ تمھیں آزاد کیا۔

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالی تمھیں بخشے اور وہ لکم وھو ارحم الراحمین ۃ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

الحق کل اناء یترشح بما فیہ ہر ظرف سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے وہ سینہ جو کہ رحمت و کرم شفقت و عطا کا ایک دریائے ناپیدا کنار ہو اس میں جب جوش آئیگا تو شفقت و کرم ہی کی موجیں لہریں مارتی ہوں گی۔

انھیں مشرکین میں کچھ مرد و زن ایسے بھی مجرم و خطا کار تھے جن کا خون ہدر کر دیا گیا تھا ہدر کے یہ معنی کہ جہاں کہیں پائے جائیں فوراً قتل کر دیے جائیں ان میں سے ایک نے خانۂ کعبہ کے پردوں میں اپنے کو جا چھپایا اصحاب نے یہ خبر پہونچائی حکم ہوا وہیں تہ تیغ کیا جائے۔ لیکن ان میں سے بھی اگر کسی کی سفارش کی گئی تو اُسے قبولیت کا شرف عطا فرمایا گیا۔

حضرت عکرمہ کا واقعہ | عکرمہ بن ابی جہل کا بھی خون ہدر کیا گیا تھا اُن کی بی بی ام جمیل ایمان لائیں اپنے شوہر کی جان بخشی کی سفارش کی حکم ہوا معاف کیا۔

عکرمہ بن ابی جہل ہدر کی خبر سُن کر فرار کر چکے تھے بی بی نے پیچھا کیا جہاز پر سوار ہو کر قصد روانگی کا تھا جو بی بی نے پالیا جان بخشی کا مژدہ سُنایا عکرمہ کو یقین نہیں آتا کہ اپنی اذیت رسانی یاد کرتے ہیں تو بی بی کا پیام مشکوک معلوم ہوتا ہے آخر بڑی رد و کد

کے بعد اُنھیں یقین آتا ہے اب نہایت بیتا بانہ شوق میں حاضر بارگاہ رسالت ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یہ عورت یعنی ام جمیل یہ کہتی ہے کہ آپ نے میرے گناہوں کو معاف فرما دیا کیا اس کا قول سچ ہے ارشاد ہوا ہاں سچ کہتی ہے میں نے معاف کیا عرض کرتے ہیں کہ یہ کرم یہ عفو سوائے نبی برحق کے کسی بشر میں ہو نہیں سکتا یہ کہا اور کلمہ طیبہ پڑھکر داخل اسلام ہوئے۔

حضرت عثمان بن طلحہ کا واقعہ حضرت عثمان بن طلحہ کلید بردار خانہ کعبہ کی تلاش میں حضرت بلال بھیجے جاتے ہیں جب وہ حاضر ہوئے خانہ کعبہ کی کنجیاں پھر انھیں کو یہ فرما کر عطا کر دی گئیں کہ ہمیشہ کے لئے کلید برداری تمھارے خاندان کو مبارک ہو۔

فخطب الناس یومئذ ودعا عثمان بن طلحة فدفع الیه المفتاح وقال خذوھا یا بنی ابی طلحة تالدة وخالدة لا ینزعھا منکم احد الا ظالم۔

فتح کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ القا فرمایا حضرت عثمان بن طلحہ کی طلبی ہوئی یہ فرماتے ہوئے کعبہ کی کنجیاں اُن کے حوالہ کی گئیں اے بنی ابو طلحہ کے ہمیشہ کے لئے یہ کنجیاں لو اب تم سے کوئی چھین نہ سکے گا مگر وہ جو کہ ظالم ہو۔

اس کے بعد ارشاد ہوا۔

یا عثمان الیوم یوم بر و وفا

اے عثمان آج کا دن وفا اور بر کا دن ہے۔

حضرت عثمان بن طلحہ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے تھے لیکن قیام مکہ میں تھا

میں نہیں سمجھ سکتا کہ باوجود ان واقعات کے پھر بھی جو شخص یہ کہتا ہے کہ برو اقساط فریق غیر محارب کے ساتھ مخصوص ہے وہ ان واقعات کو کیا سمجھتا ہے اگر اس کا نام احسان اور عدل نہیں تو کیا ہے خود حضور ہی نے اس دن کا نام یوم بر و وفا قرار دیا تو

اب اسے مسلمان بر و احسان نہ کہیں تو کیا کہیں ؟

صفحات ماسبق میں واضح بیان ہو چکا کہ آیۃ انما ینھاکم اللہ الخ میں جو موالات منع اور بر و اقساط سے سکوت فرمایا گیا اس کی وجہ تنوعات حالت ہو اور ہر حالت کے لئے فرقان حمید میں حکم موجود اب ہر حکم کی تعمیل فعل رسول سے واضح و لائح کر دی گئی۔

بدر کی لڑائی میں ستر قیدی تھے ان میں سے بعض قتل کئے گئے بعضوں کو زرفدیہ لے کر رہا کیا گیا بعضوں کو تعلیم کتابت کی خدمت لے کر چھوڑ دیا گیا بعض جو نادار تھے انھیں احساناً و امتناناً آزاد کیا گیا غرض جس کے مناسب حال جو طرز عمل تھا وہی ہوا۔

فتح مکہ کے روز گیارہ مرد اور چھ عورتوں کا خون آپ نے ہدر فرمایا تھا جن میں سے چار مرد اور چار عورتیں قتل ہوئیں بقیہ مجرمین دولت ایمان اور نعمت اسلام سے سعادت اندوز ہوئے جن میں سے ایک حضرت عکرمہ بن ابو جہل ہیں اور ان کا واقعہ اوپر مذکور ہو چکا اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہو کہ تفسیر المنار کی عبارت پیش کر دوں شاید یہی عبارت موجب ہدایت ہو۔

ولا تنس ان ھذہ الآیات نزلت قبل فتح مکۃ وکان المشرکون فی عنفوان طغیانہم واعتدائہم وقد عمل علیہ الصلوٰۃ والسلام یوم الفتح بھذہ الوصایا فعفا عن قدرۃ وحلم عن عزۃ وسلطۃ وقال انتم الطلقاء۔ واحسن الی المؤمن

ہاں یہ فراموش ہونے پائے کہ آیات عدم موالات کا نزول فتح مکہ سے قبل ہو اس زمانے میں کفار کی سرکشی اپنے جوش شباب اور حد افراط پر تھی فتح مکہ کے دن بیشک پیغمبر خدا نے ان وصیتوں کی اس طرح تعمیل فرمائی کہ باوجود کمال قوت اور انتہائے سطوت و شوکت کفار سے ارشاد ہوا کہ تم سب آزاد ہو احسان و کرم کا ایسا دریا رواں تھا جس سے مومن کافر

والكافر والبر والفاجر ومثله اهل للفضل والاحسان — نیکوکار اور بدکار ہر ایک سیراب ہو رہا تھا۔

ولقد كان للمؤمنين فيه اسوة حسنة ولكن بعد تحمو المسلمين اليوم من سنته ومن كتاب الله الذى تادب هو به اللهم اهد هؤلاء المسلمين بهداية كتابك ليكونوا بحسن عملهم حجة له بعد ما صار اكثرهم بسوء العمل حجة عليه ؕ

مسلمانوں کے لئے فتح مکہ کے واقعات اسوۂ حسنہ ہیں ضرورت سے زیادہ مسلمان بننے والے آج اپنے پیغمبر کی سنت راشدہ اور وہ کتاب الٰہی جس کی تعلیمات سے اُس نے اُن کی ادب آموزی کی تھی دُور ہو گئے ہیں اے اللہ تو مسلمانوں کو ہدایت قرآنی کی طرف رہبری فرما تاکہ نیک عمل اُن کے لئے حجت ہو نہ کہ بُرے اعمال اُن پر حجت ہو جائیں۔

اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ آیات سورۂ ممتحنہ کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے جس کے دل میں کچھ بھی نور ایمان ہے اور قوت مدرکہ اُس کی باطل نہیں ہوئی ہے وہ ان تمام منقولات کے مطالعہ سے فارغ ہو کر ضرور اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ موالات کسی کافر سے کسی حال میں درست نہیں اور وہ امور جو موالات حقیقی سے ماسوا ہیں اُن کا تعامل ہر حال میں جائز و صحیح۔

لیکن اب ہم ایک ایسی صاف اور بین حدیث بخاری شریف سے پیش کرتے ہیں کہ اگر ایمان کا شعبۂ حیا کچھ بھی سرسبز ہے تو تمہارے لیڈر خود ہی کہہ اُٹھیں گے کہ نان کوآپریشن و ترک موالات کہنا سراسر کذب اور افترا ہے جس کے ترک پر ہم مصر ہیں نہ یہ دین کی خدمت ہے نہ اتباع سنت رسول ہے نہ کہیں اس مقابلہ کا سراغ حیات مقدس رسول اکرم میں پایا جاتا ہے نہ یہ جہاد ہے نہ مسلمانوں کی خیر خواہی ہے بلکہ محض حکم گاندھی کی تعمیل ہے

اور سرکار کفر و شرک کی غلامی۔

حدثنا عبد الله بن يوسف قال حدثني
الليث قال حدثني سعيد ابن سعيد سمع
ابا هريرة قال بعث النبي صلى الله عليه
وسلم خيلا قبل نجد فجاءت برجل من
بني حنيفة يقال له ثمامة ابن اثال
فربطوه بسارية من سواري المسجد
فخرج اليه النبي صلى الله عليه وسلم فقال
ما عندك يا ثمامة فقال عندي خير
يا محمد ان تقتلني تقتل ذا دم وان تنعم
تنعم على شاكر وان كنت تريد المال
فسل منه ما شئت فتركه حتى كان الغد
ثم قال له ما عندك يا ثمامة قال
عندي ما قلت لك ان تنعم تنعم على
شاكر فتركه حتى كان بعد الغد
فقال ما عندك يا ثمامة

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
دستہ سواروں کا نجد کی طرف روانہ
فرمایا اُس فوج نے بنو حنیفہ میں سے
ایک شخص کو گرفتار کر لیا مدینہ
پہونچکر ستون مسجد سے اُسے باندھ
دیا اس شخص کا نام ثمامہ بن اثال تھا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف
فرما ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ ثمامہ کیا
ارادہ ہے اُنھوں نے کہا نیک ارادہ
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر
آپ مجھے قتل فرمائیں گے تو میرا خون
رائیگاں نہ جائے گا میں جتا
رکھنے والا ہوں۔

فقال عندي ما قلت
لك فقال اطلقوا ثمامة فانطلق
الى نخل قريب من المسجد فاغتسل

اور اگر آپ انعام فرمائیں تو ایسے شخص پر انعام ہوگا
جو شکرگزار ہوگا اور اگر مال کا ارادہ ہے تو جس قدر
چاہیے مانگئے دیا جائے گا یہ جواب سن کر آپ نے

ثم دخل المسجد فقال اشهد
ان لا اله الا الله وان محمدا
رسول الله يا محمد والله ما
كان على الارض وجه ابغض
الي من وجهك فقد اصبح وجهك
احب الوجوه الي والله ما كان
من دين ابغض الي من دينك
فاصبح دينك احب الدين الي
والله ما كان من بلد ابغض
من بلدك فاصبح بلدك احب
البلاد الي وان خيلك اخذتني
وانا اريد العمرة فما ذا ترى فبشره
رسول الله صلى الله عليه وسلم
وامره ان يعتمر فلما قدم مكة
قال له قائل صبوت قال لا
ولكن اسلمت مع محمد رسول الله صلى الله
عليه وسلم ولا والله لا تاتيكم
من اليمامة حبة حنطة حتى ياذن
فيها النبي صلى الله عليه وسلم

انھیں ستون سے کھول دیا دوسرے دن صبح کو جو
ملاقات ہوئی تو آپ نے پھر وہی سوال کیا کہ کیا
ارادہ ہے جواب میں ثمامہ کے انھیں کلمات گذشتہ کا
اعادہ تھا پھر تیسری بار صبح کو سوال ہوا اور جواب میں
وہی الفاظ سابقہ تھے اب حکم ہوا کہ ثمامہ آزاد کر دئیے
جائیں وہ آزاد ہو کر چلے اور مسجد نبوی کے قریب
جو نخلستان تھا وہاں پہونچکر اچھی طرح غسل کیا اور
پلٹ کر پھر مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور کہا
اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ کلمہ طیبہ
پڑھنے کے بعد عرض پرداز ہوئے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
قسم ہے اللہ کی روئے زمین پر آپکے چہرے سے زیادہ مبغوض
چہرہ میرے نزدیک کوئی دوسرا نہ تھا لیکن آج روئے زمین میں
کوئی صورت آپکے چہرۂ انور سے زیادہ محبوب میرے نزدیک
نہیں قسم اللہ کی آپکے دین سے زیادہ مبغوض کوئی دین نہ
تھا لیکن اب آپکے دین سے زیادہ محبوب کوئی دین نہیں
قسم اللہ کی آپکے شہر سے زیادہ مبغوض کوئی شہر نہ تھا لیکن
آپکے شہر سے اب زیادہ کوئی شہر محبوب نہیں اس کے بعد
یہ التماس پیش کی کہ آپکے سواروں نے مجھے اس وقت گرفتار
کیا ہے جبکہ میں نے عمرہ کی نیت کر لی تھی اب کیا
ارشاد ہے:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں صدق ایمان پر بشارت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اب مسلمان ہوکر مسلمانوں کی طرح عمرہ ادا کرو۔

جب ثمامہ مکہ پہنچے اور لبیک کا نعرہ بلند کیا کفار نے اُن سے کہا کہ ثمامہ کیا تم بے دین ہوگئے فرمایا نہیں میں نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا قسم ہے اللہ کی اب یمامہ سے ایک دانہ گیہوں کا تمہارے پاس نہ آئے گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پروانگی نہ عطا فرمائیں (بخاری شریف)

بخاری شریف کی روایت ختم ہوئی قطع نظر اس الطاف کے جو حضرت ثمامہ پر بحالت کفر مبذول رہا قابل لحاظ آخر کا واقعہ ہے کفار مکہ کا آذوقہ یمامہ کے غلہ پر تھا ثمامہ یمامہ کے رئیس تھے مکہ سے واپس آکر جب یمامہ پہنچے تو اس کی بندش کردی کہ ایک دانہ اناج کا مکہ نہ جانے پائے غلہ کا بند ہونا تھا کہ کافروں کو تارے نظر آنے لگے بدحواس ہوکر بارگاہ نبوت میں مستغیث ہوئے ثمامہ کو حکم دیا گیا کہ غلہ کی بندش نہ کرو جس طرح معاملہ ہوتا تھا جاری رکھو۔

بخاری شریف میں ثمامہ کا یہ کہنا مذکور ہے کہ بغیر اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دانہ بھی گیہوں کا مکہ نہ آنے پائے گا لیکن بقیہ حصہ روایت کا ابن ہشام اور طبقات ابن سعد میں مذکور ہے۔

صحیح بخاری کے تمام شراح ابن ہشام کی روایت قبول کرتے ہیں فتح الباری اور عینی شرح بخاری ملاحظہ ہو ابن ہشام کے الفاظ ان دونوں محدثین نے نقل فرمائے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ فتح الباری اور عینی کے بعد یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ قسطلانی و کرمانی نے بھی نقل کیا ہے۔

ابن ہشام نے اُن چند ایام کی مہمانی جو حالت کفر میں کی گئی اُس کی تفصیل بھی لکھی ہے مہمانی کے متعلق ابن ہشام کے یہ الفاظ ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسنوا اسارہ ورجع الی اهله فقال اجمعوا ما کان عندکم من طعام فابعثوا به الیه وامر بلقحته ان یغدی علیه بها ویراح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے یہ فرمایا کہ اپنے قیدی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ پھر آپ ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے کہ تمہارے پاس جو کچھ کھانا ہو اُسے جمع کرو اور ثمامہ کو بھیجو علاوہ اس کھانے کے ایک شیر دار اونٹنی مقرر کر دی گئی جو صبح و شام دونوں وقت ثمامہ کے پاس دُودھ کی غرض سے جاتی تھی۔

غلہ کی بندش اور اُس کی پروانگی کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔

ثم خرج الی الیمامة فمنعهم ان یحملوا الی مكة شیئاً فكتبوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انك تأمر بصلة الرحم وانك قد قطعت ارحامنا وقد قتلت الآباء بالسیف و الابناء بالجوع فكتب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الیه ان یخلی بینهم وبین الحمل (ابن ہشام)

پھر یمامہ پہنچکر ثمامہ نے وہاں کے بیوپاریوں کو منع کر دیا کہ کچھ بھی غلہ مکہ نہ جانے پائے کفار مکہ نے آنحضرت کی خدمت میں خط بھیجا کہ صلہ رحم کا سبق دیتے ہو اور اور خود قطع کرتے ہو باپوں کو میدان جنگ میں مار ڈالا اور بیٹوں کو بھوک سے مارے ڈالتے ہو آپ نے ثمامہ کو لکھ بھیجا کہ بار برداری غلہ کی بندش اُٹھا لو اور کاروبار کو حسب معمول جاری رہنے دو۔ (ابن ہشام)

یہ واقعہ اُدھر گزر چکا کہ ایک وقت میں کفار مکہ نے یہی معاملہ پیغمبر خدا کے ساتھ

کیا تھا اور دو برس تک خاندان ہاشم مصیبت و تکلیف برداشت کر چکے تھے اب ایک موقع ایسا آیا تھا کہ کفار مکہ سے پورا عوض اُس مقاطعہ کا لیا جاتا تو بہ چند وجوہ خلاف عدل نہ تھا۔

(۱) اہلِ مکہ کافر تھے (۲) مسلمانوں سے بارہا قتال فی الدین کر چکے تھے۔

(۳) مسلمانوں کو گھروں سے نکالا تھا (۴) مسلمانوں کے اخراج پر مدد کی تھی۔

(۵) مسلمانوں سے بلکہ خود پیغمبر سے دو برس تک مقاطعہ جاری رکھا تھا نہ چیز خریدتے تھے نہ اُن کے ہاتھ کچھ بیچتے تھے۔

(۶) یمامہ سے غلہ کا بند ہو جانا انھیں مضطر کر چکا تھا اگر اس پر ذرہ زیادہ زور دیا جاتا تو کفر کی کمر ٹوٹ جاتی۔

(۷) کفار نہ صرف مکہ بلکہ خانہ کعبہ پر متصرف تھے بیت اللہ کو کثرت اصنام سے صنم خانہ بنا رکھا تھا۔

(۸) مسلمان حج اور عمرہ ادا نہیں کر سکتے تھے خود ثمامہ کو لبیک کہنے پر کفار نے پکڑ لیا تھا لیکن اے لیڈرو باوجود ان تمام باتوں کے مقاومت مجمول جس کی ایجاد پر تمہیں ناز ہے پیغمبر خدا نے اس بندش و بائیکاٹ کے توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔

بخاری و مسلم شریف کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمامہ نے حمایت دین کے خیال سے بطور خود غلہ کی بندش کی تھی شروح بخاری اور سیر کی معتبر کتابیں مثل ابن ہشام و ابن سعد یہی بتاتی ہیں اصابہ کی عبارت بھی یہی ظاہر کرتی ہے لیکن علامہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو اسی عہد پر رہا فرمایا تھا کہ کفار مکہ کو وہ غلہ نہ بھیجیں گے۔

بہرحال اس قدر مسلم ہے کہ غلہ کی آمد یمامہ سے بند ہو گئی اور جب کفار مکہ پریشان ہو کر مستغیث بارگاہ رسالت ہوئے تو وہ بندش توڑ دی گئی۔

کفار نہ تو اپنے کفر سے باز آئے نہ انہوں نے خانہ کعبہ سے بتوں کو ہٹایا نہ حرم محترم سے اپنا قبضہ اٹھایا نہ یہ وعدہ کیا کہ آیندہ سے نہ تو مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں گے نہ کبھی دعوت اسلام کے سنگ راہ ہوں گے صرف قحط کی مصیبت بلکہ یہ بھی وہ بھی تلخ الفاظ میں اس حدیث جلیل سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱) بائیکاٹ یا نان کوآپریشن کا عرب میں دستور تھا (۲) بائیکاٹ کے موجد کفار مکہ ہیں۔ (۳) کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بائیکاٹ کیا تھا جس کا سلسلہ دو برس تک جاری رکھا تھا۔ (۴) ثمامہ نے کفار مکہ سے بائیکاٹ کیا (۵) کفار مضطر و بیقرار ہوئے (۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کے فعل کو اپنے حکم سے منسوخ فرما دیا اور بائیکاٹ اٹھ گیا (۷) اقسام جہاد میں سے اگر بائیکاٹ کوئی قسم جہاد ہوتا اور اس طرز عمل سے دشمن کو مغلوب بنا لینا اگر دین کی خدمت ہوتی تو اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی منسوخ نہ فرماتے بلکہ اور ترغیب و تحریص فرما کر اسی مقاومت مجہول سے مکہ معظمہ کو کفار و مشرکین سے خالی کرا لیتے۔

(۸) بائیکاٹ یا نان کوآپریشن ہرگز مرادف ترک موالات نہیں۔

(۹) بائیکاٹ یا نان کوآپریشن کو جو ترک موالات کہتا ہے وہ بڑا گستاخ و بے ادب ہے کہ اس کے نزدیک مشرکین مکہ سے پیغمبر خدا نے موالات کی جو غلہ کی بندش توڑنے کا حکم فرمایا۔

(۱۰) اس گستاخی کے خیال میں کفار کی منت و خوشامد یا گریہ و زاری پر مسلمانوں کو

اپنا مذہب چھوڑ دینا یا کفر قبول کر لینا یا مسلمانوں کا اُن کے دین کا ضرر و نقصان کرنا سب جائز ہے پس ہی جس نے رد و کرا در ہاتھ کہنیوں تک جوڑ کر مذہب گاندھی میں داخل ہونے کی سعادت پائی ہو اُس کے سامنے اگ کا فر و کرا شد ترین کفر کی تحریک کرے تو اُس وقت یہ گستاخ نہ صرف کفر قبول کرے گا بلکہ اُسے شادی مرگ نصیب ہوگی۔ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ہ

مسئلہ نان کوآپریشن کی حقیقت اب بالکل ہی عریاں ہو گئی علماء کا یہ ادعا کہ یہ ہمارے اجتہاد اور قوت دماغی کا نتیجہ ہے واضح ہو چکا نان کوآپریشن کے متعلق مولٰنا عبدالباری صاحب کا خط پھر ملاحظہ فرمالیجئے اُن کا یہ فرمانا کہ اس کار کا واقف کار نہیں ہوں جو وہ کہتے ہیں وہی کرتا ہوں بالکل بجا و درست اور محض صدق وحق ہے۔ شریعت اسلام ایک شریعت معروف ہے اس کا قول معروف اس کا عمل معروف اس کی مقاومت معروف۔ لیکن مذہب کفر و بت پرستی مجہول اس کا قول مجہول اس کا عمل مجہول اُس کی مقاومت مجہول پھر پرستاران ہنود مجہول ہی مجہول کی صدا نہ بلند کریں تو اور کیا کریں۔

انقلاب عالم کے ارکان ثلاثہ حقیقت اسلام سے ناآشنا و بیگانہ ملک گیر و متسلط بادشاہ کو مبلغ توحید اور مزکی اخلاق کا شریک عمل جانتا ہے ملکوں کا فتح کرنا قوموں کا مغلوب بنا لینا انسانوں کے قوائے جسمانیہ و دماغیہ پر چھا جانا اس ناآشنا کے نزدیک دین ہے مذہب ہے اسی لئے وہ طریقہ جسے کسی وقت کفار مکہ نے ایجاد کیا تھا اور جس سے اس مقاومت مجہول سے صدائے حق کو پست اور مبلغ اسلام کو شکست دینا چاہتے تھے آج اسی کو ہمہ گیر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

گاندھی سے ایسا ہوتا تو تعجب نہیں اگر کسی کافر کی مُردہ تحریک کوئی کافر زندہ کرے تو اس میں تعجب کا کیا موقع ہے، ہاں تعجب یہ ہے کہ علماء جنھیں ورثۃ الانبیاء ہونے کا دعویٰ علوم دینیہ کے ضامن وکفیل ہونے کا ادعا اور اسی کے ساتھ بعض طے منازل سلوک میں کامل ومکمل ہونے کے مدعی وہ بھی کافر کے ساتھ ہم نوا ہو کر یہ کہنے لگے کہ یہ خاص قرآن کریم کا حکم ہے اور ایسے وقت میں یہی طریق کار اور نظام عمل ہے یہ کہا اور سارے ملک میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا گھر گھر مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیا ایسی تحریک جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اُسے عین شریعت کہہ کر خاندانوں میں جنگ و جدل پیدا کر دی حدیث شریف میں وارد ہے۔

من احدث فی امرنا ہٰذا — جو شخص دین میں ایسی باتیں پیدا کرتا ہے جو دین سے نہیں تو اس کی

ما لیس منہ فھو رد — یہ ایجاد دین کے نزدیک مردود ہے۔

اسلام کا درد ہوتا مسلمانوں کی محبت ہوتی زوال خلافت کا اگر صدمہ ہوتا تو قوت پیدا کرنے کے صحیح ذرائع اختیار کرتے اسوۂ حسنہ جسے حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے اُس کی پیروی نہایت سرگرمی سے کرتے لیکن جب کہ حکومتِ ہند قربان ہے کا سرور پیدا کر رہی ہو تو پھر اس کے سوا اور کیا چارۂ کار تھا کہ سوراج چاہنے والوں کی کفش برداری کی جائے۔

یہ خاکدان ہستی عالم کون وفساد ہے تغیر وتقلب کی گوناگوں ہستیاں یہاں اپنی اپنی نوبت سے آئیں اور سطح خاکی کے بسنے والوں کو تہ وبالا کر ڈالا جزئی انقلابات سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر ان تغیرات کو شمار کر لیا جائے جو بمنزلہ اصول کلیہ ہیں اور جن کے تحت میں سارے جزئیات داخل ہو جاتے ہیں تو وہ تین قسموں میں منحصر ہو جاتے ہیں۔

(۱) سلطنت (۲) تہور (۳) علم وفن

سلطنت کا اثر | جب کبھی سلطنت ایک قوم کے ہاتھ سے نکل کر دوسری قوم کے ہاتھ میں پہونچی یا خود
اپنی ہی قوم نے نظام سلطنت کے تغیر میں کامیابی حاصل کی ہے تو اس انقلاب و تغیر نے اُس
ملک کی تاریخ کا نیا باب شروع کر دیا ہے مفتوح نظام یا مفتوح قوم کے نقش مٹتے
جاتے ہیں اور فاتح نظام یا فاتح قوم کے نقش و نگار ہر شعبہ میں اپنا جلوہ دکھاتے ہیں
لیکن حکومتوں کا قایم کرنا یا قوۃ کو مرتبہ سلطنت تک پہنچانا کوئی انسانی کمال نہیں دنیا
کا دکھ اور اہل دنیا کا درد سلطنت و حکومت سے نہ کبھی زائل ہوا نہ آیندہ زائل ہو یہ واقعہ ہے
کہ سلطنت کسی قسم کی بھی کیوں نہ ہو اُس کا خلاصہ ہمیشہ یہی ہو گا کہ تمام محکوم آبادیوں کے جذبات
اور قوائے دماغیہ شخص واحد جیسے بادشاہ یا ایک محدود افراد کی جماعت جنھیں ممبر پارلیمنٹ
یا ارکین مجلس سے خطاب کریجئے ان میں جذب ہو کر فنا ہو جائے۔

انسان کے جذبات جس سے فنا ہوتے ہوں انسان کے قوائے عقلیہ اور احساسات
دماغیہ جس سے برباد و تباہ ہوتے ہوں کیا اُسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے دکھ کی دوا
یہ ہے یہ خدا کا عتاب ہے کہ انسان بھیڑ بکری کی طرح چند آدمیوں کے ہاتھوں میں گرفتار
رہ کر اپنے حیات کے دن پورے کرے سلطنت و حکومت کا وجود دنیا کا سخت مہلک
مرض ہے نہ کہ دوا و علاج۔

تہور کا اثر | اسی طرح تہور جب کہ ملک گیری و جہانداری کے لئے اس کی نمائش کی گئی ہو تو
زمین کے بسنے والوں پر یہ قہر آسمانی ہے کوئی جماعت یا قوم یا شخص واحد جب کہ نشہ تہور سے
مست ہو کر کسی آبادی کا رخ کرے تو راحت و سکون درس و تدریس صنعت و حرفت شعبہائے
معاشرت و تمدن اور آئین مذہب و ملت کا بیشمار انسانوں کے ساتھ ساتھ خون ہو جاتا ہے
جس قدر نفوس شمشیر و سناں سے محفوظ رہے وہ جوش تہور سے ایسے پامال ہوئے کہ اب

اُن کا سکون و حرکت فاتح و منصور کے چشم و ابرو کا مظاہر بن گیا فی الحقیقت جوش تہور بھی انسانوں کے غلام بنانے کا ایک دوسرا نام ہے اس لئے یہ دوسری قسم مرض کی ہے نہ کہ دوا و علاج -

علم کا اثر | اب علم و فن کو لیجئے اگرچہ اس کا لباس بیدردی و بیرحمی کے نقش و نگار سے صاف معلوم ہو رہا ہے اس کی شکل و صورت سلطنت و تہور کی طرح خونخوار بھی نہیں اس کی سنجیدگی و متانت میں دلکشی بھی پائی جاتی ہے لیکن باعتبار واقعہ یہ اپنے دونوں شریکوں سے کچھ کم جفاکار نہیں اعضاء و جوارح پر جس بیرحمی سے ایک مستولی سلطان حکومت کرتا ہے قوائے ذہنیہ اور دماغیہ پر علم و فن اسی شدت سے اپنی فرماں روائی کرتے ہیں بلکہ اگر امعان نظر سے کام لیا جائے تو علم کی ہمہ گیری سلطنت و تہور سے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوگی مال و زر جیدہ و مناصب امن و امان و ازیں قبیل دیگر امور کا تعلق سلطنت و حکومت سے ہوا کرتا ہے بادشاہ انھیں چیزوں میں نرمی یا گرمی کرنے کا اختیار و قدرت رکھتا ہے لیکن وہ امور جن سے فی الحقیقت قوم قوم بنتی ہے وہاں حکومت و قوت دونوں پا بریدہ و دست شکستہ ہیں قوم کی اخلاقی زندگی جو ہر طرح کی ترقیوں کا راز ہے قوم کا علمی شغف جس پر دارمدار فضیلت انسانی ہے قوم کے مراسم و دستور جس پر اقتصاد و تمدن کی بنیاد ہے اور سب سے بڑھکر قوم کی دماغی زندگی جس سے حوصلہ میں وسعت خیالات میں بلندی ضمیر میں روشنی پیدا ہوتی ہے ان سب کا سرچشمہ اہل علم کا گروہ ہوتا ہے -

مالکان قلم نے بارہا نبرد آزماؤں کے نیزوں کو شکست دی ہے ان کی سیف لسانی نے بارہا شمشیر زنوں کے منہ پھیر دیئے ہیں دور نہ جائیے ملک غیر اور عہد ماضی کی مثال نہ ڈھونڈھئے حالات حاضرہ پر ایک نظر ڈالئے آج ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ نتیجہ ہے

صرف چند تعلیم یافتگان ملکی کا۔

واقعات گزر رہے تھے لیکن ملک بے خبر تھا گلے پر چھری چل رہی تھی لیکن احساس مٹ چکا تھا جو کلوروفارم انہیں سنگھایا گیا تھا اس کی بیہوشی میں یہ مدہوش تھے چند تعلیم یافتہ اشخاص اُٹھے واقعات کی اصلی خون آلود شکل دکھائی ناظرین دیکھکر متاسف ہوئے اور دو آنسو غم کے بہائے لیکن تصویر دکھانے والوں نے انہیں دم لینے نہ دیا بلکہ کچھ اس طرح ان کے پیچھے پڑ گئے کہ اپنی بزم ماتم میں انہیں نوحہ خوان بنا کر چھوڑا۔

اب وہ باتیں جن کا خیال اگر وہم میں بھی گزر جاتا تو کسی کسی روز تک خوف و ہیبت سے نیند اُڑ جاتی بھوک ساقط ہو جاتی لیکن آج کا دن ہے کہ ہر کوچہ و برزن میں وہی ہولناک خیالات ایک ایک کے مُنہ پر آ رہے ہیں کہنے والا کہتا ہے اور سُننے والے کو مزہ نہیں آتا سُن کر منہ بناتا ہے کہ پھیکا ہے بے مزہ ہے کچھ تلخی نہیں آخر یہ ماجرا کیا ہے ہندوستانیوں کے جذبات اکبارگی کیوں متغیر ہو گئے یہ علمی گروہ کی وہی زبردست حکومت ہے جس کی قوت نے اب ظہور کیا ہے۔

اگر پبلک کی آواز یا اُن کا اتفاق خیال چاہیئے تو تعلیم یافتہ گروہ کی ایک کافی مقدار کو اپنا ہم آہنگ بنا لیجئے پھر پبلک آپکے ساتھ ہے۔

یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ عوام نہ اپنی رائے رکھتے ہیں نہ اُن کی کوئی آواز ہے ملک میں تعلیم یافتہ گروہ جب کسی خیال کی ترویج یا ہمہ گیری چاہتا ہے تو وہ اپنی تقریر و تحریر سے عوام میں اسی خیال کو پیدا کر دیتا ہے وہ اپنے خیال کے صور کو اس بلند آہنگی سے پھونکتا ہے کہ عوام کے خیال اسی کے خیال کا عکس اور عوام کی آواز اسی کی صدائے بازگشت ہوتی ہے۔

اس وقت ہندوستان کا ہنگامہ بالکل اپنی مثال میں صحیح ہے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کی

آوازہ اور ان کا جوش تو ہو بہو چند تعلیم یافتوں کے خیال اور آواز کا فریب ہے اخلاق
تہذیب اور مذہب اس بیدردی سے پارہ پارہ کئے جارہے ہیں کہ شاید آیندہ کے لئے
ایک تار بھی باقی نہ رہے گا۔

خلافت سے جنگ انگریزوں کی موالات | اس اجمال کی ہم ایک مختصر تفصیل پیش کرتے ہیں اٹلی کی سلطنت
حملہ آور ہوئی اور جنگ طرابلس شروع ہو گئی اس وقت چند تعلیم یافتوں نے تحریک چندہ کی بنیاد ڈالی جس کا
سلسلہ جنگ بلقان تک جاری رہا اسی اثنا میں اٹلی کا مال بائیکاٹ کیا گیا ترکی ٹوپیاں
وہاں کی بنی ہوئی جن کے سروں پر تھیں انھیں آگ کے سپرد کیا گیا۔

قسطنطنیہ وفد طبیہ کے جانے کی تجویز پیش ہوئی اور کامیابی کے ساتھ یہ کام انجام
پہونچا اس کے بعد خلافت اور اس کی ہمدردی کی تحریکیں نسیاً منسیاً کردی گئیں اب تعلیم یافتہ
گروہ کی توجہ قسطنطنیہ سے منعطف ہوکر سیاست ہند کی طرف پلٹی پبلک کی توجہ بھی ادھر ہی
مڑ گئی اٹلی و دیگر بلاد یورپ کا مال فروخت ہوتا رہا اور مسلمان بلاجھجک اُسے خریدتے رہے اور
علماء کے فتاوے بائیکاٹ سے جو متعلق تھے جب تعلیم یافتوں کے آفس سے خارج کردیئے
گئے تو عوام نے بھی انھیں ردی میں ڈال دیا ہاں جو نغمہ تعلیم یافتوں نے چھیڑا تھا اس راگ کو
پبلک برابر الاپتی رہی اس عرصہ میں ترکی یا خلافت مٹتی رہی فنا ہوتی رہی لیکن کسی کی آنکھ
نم بھی نہیں ہوئی طرفگی یہ کہ جب ہندوستانی فوجیں میدان جنگ میں بھیجی جانے لگیں تو ہندو
اور مسلمان دونوں نے مل کر رنگروٹوں کی بھرتی میں پوری کوشش کی اب قرضہ جنگ کا چندہ
ہوا دل کھول کر ہندو اور مسلمانوں نے روپیہ دیا تحریک ہوئی کہ دعائیں ہوں ہندو مندروں
میں اور مسلمان مساجد میں جمع ہوئے اور یہ رسم بھی ادا کی گئی پھر تحریک ہوئی کہ آور ڈے منایا
جائے ملک کی دونوں بڑی آبادیوں نے مل کر یہ جشن بھی منایا۔

سب سے بڑی روسیاہی یہ ہوئی کہ وفد طبیہ جب قسطنطنیہ جا رہا تھا تو سامان جراحی و لوازم شفاخانہ جس کی خریداری خالص اُس روپے سے ہوئی تھی جو محض مجروحین ترک ہی کے لئے جمع کیا گیا تھا آج اُسے وفد طبیہ کا صدر اُن دشمنوں کو بخشش کئے دیتا ہے۔ جو خلافت اور علم برداران خلافت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔

اس امانت میں خیانت کرتے ہوئے نہ تو عطا کرنے والے کو خوف الٰہی دامنگیر ہوتا ہے نہ اس وقت کے بےشمار مفتی و مجتہدوں میں سے کسی کو مسئلہ شرعی یاد آتا ہے نہ عوام ہی اسے کچھ معصیت سمجھتے ہیں۔

ہاں یہ بحث علما میں ضرور آئی کہ سلطنت سے اس قرضۂ جنگ کا سود لینا مسلمانوں کو حلال ہے یا نہیں بعض علماء نے فتویٰ حلت کا دیا اور مثال اس جزئے سے لائے کہ ذی ثمر درخت میں سے اگر کوئی پھل ٹپک پڑے اُسے کوئی راہ رو اُٹھا لے تو وہ پھل اس کے لئے حلال ہے پس یہ سود و ربو نہیں سلطنت خود بخود بغیر مطالبہ دیتی ہے تو کیا وجہ جو مسلمان اس کے لینے سے پرہیز کریں۔

فوجوں کی بھرتی کا یہ حیلہ پیدا کیا گیا کہ سلطنت انگلستان حملہ آور نہیں ہوئی ہے بلکہ خود ترکوں کی جانب سے حملہ آوری ہوئی ہے ایسی صورت میں فوجی مدد ممنوع نہیں۔

غرض سخت سے سخت روسیاہ کن امور وقوع پذیر ہوتے رہے اور مسلمان نہایت اطمینان و سکون سے بیٹھے ہوئے تباہی کا نہ صرف تماشا دیکھا کئے بلکہ اپنے ہاتھ اور مال سے اُس میں شریک ہوئے اس عرصہ میں ہندوستان کی پالیسی میں ایک تغیر عظیم اتفاقی طور پر پیدا ہو گیا اور یہ رولٹ بل کے ثمرات تھے۔

اب تعلیم یافتوں نے خیر طلبی ہند کے لئے جو اپنی آواز اسلامی لحن میں بدل کر مسلمانوں کو

للکارا تو سب کے سب خلافت خلافت پکارنے لگے۔

واقعہ کربلا سے مثال کتب تاریخ میں واقعہ کربلا کے متعلق ایک روایت ہے کہ بعد شہادت شہزادۂ مظلوم حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ و دیگر اہل بیت و فدائیان اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین جب قافلہ اسیران اہل بیت کا اونٹوں پر روانہ ہوا تو جوق درجوق اہل کوفہ کا مکانوں کی چھتوں پر ہجوم تھا اس مقدس گروہ دودمان نبوت کو حالت اسیری اور بے سروسامانی میں دیکھکر مرد و زن روتے جاتے تھے۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا خواہر امام علیہ السّلام اُن کوفیوں کی طرف ایک نظر ملامت و نفرت انگیز ڈال کر مستفسر ہوئیں کہ اے اہل کوفہ تم ہماری مظلومیت و بیکسی پر آنسو بہاتے ہو تو آخر میرے بھائی کو شہید کس نے کیا گلزار نبوت کو تاراج کرنے کی شقاوت و روسیاہی کس نے حاصل کی افسوس ہے تم پر اور تمہاری ہمدردی پر۔

یہی الفاظ آج خلافت کی زبان ہندوستانیوں کو کہہ رہی ہے مسٹر گاندھی جنھوں نے رنگروٹوں کی بھرتی و دیگر اعانت جنگ میں ایسی سرگرمی دکھلائی کہ بقول اُن کے اُن کی صحت خطرناک مرض میں مبتلا ہو گئی" خیر انھیں تو جانے دیجئے اس لئے کہ اسلام کا اضمحلال اگر کفر و شرک کا مقصود و مرغوب نہیں تو وہ کفر ہی کیا ہوا نہیں ان نوحہ خواں مسلمانوں سے پوچھئے اور علی الخصوص اُن علماء سے جن کا تقریباً آج کل روزنامچہ اخباروں میں چھپا کرتا ہے جن کی تعداد جمعیت اس وقت پانچ سو کہی جاتی ہے ان سے سوال کیجئے کہ جس وقت ہندوستانیوں کا خزانہ جارہا تھا اور مسلمان چند سکہ چاندی کے لئے خلافت مٹانے کو جارہے تھے تمہارے علم کو کیا ہو گیا تھا تمہاری جرأت کہاں سو رہی تھی تمہاری حق گوئی کس گوشہ میں چھپی ہوئی تھی تمہارا ایمان کس تہ خانے میں بند تھا تمہاری حریت اور تمہاری بیخوفی کہاں مدہوش غش کھائے پڑی تھی کیا تمھیں اُس وقت یہ حدیث یاد نہ آئی۔

(۱) من حمل علینا السلاح فلیس منا ۔ — (۱) جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔

(۲) من اشار الی اخیہ بحدیدۃ لعنہ اللہ — (۲) جو اپنے مسلمان بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کرے اُس پر خدا کی لعنت۔

(۳) لا یشیر احدکم علی اخیہ بالسلاح ۔ — (۳) خبردار کوئی تم میں سے اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ بھی نہ کرے۔

اس معنی میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں اگر حدیث تم نے پڑھی نہیں یا موقع پر تمہیں یاد نہ آئی تو کیا تم تلاوت قرآن بھی نہ کرتے تھے کیا یہ آیتہ تمہاری تلاوت میں نہیں آتی تھی۔

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما ۔ — جو مسلمان کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے تو اُس کی سزا ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے خدا کا غضب اور اُس کی لعنت قاتل پر ہے اور ایسوں کے لیے بہت بڑا عذاب تیار ہے۔

اسے بھی چھوڑو وہی آیتیں جنھیں ترک موالات کے لیے پیش کر رہے ہو کیا کل تک وہ بھی تمہیں یاد نہ تھیں لیکن

علمائے سوء کی نسبت پیشین گوئی اگر وہ ناخدا ترس لالچی جماعت علماء سوء یوں کہو کہ یہ احادیث اور یہ حکم الٰہی تو آج تمہیں نیا نیا ملا ہے اس لیے کہ تمہارا رہبر اور تمہارا مذکر تو گاندھی ہے آج تک اُس نے تمہیں یاد نہ دلایا تو پھر تمہیں یاد کیوں کر آئے اگر قرآن شریف یا کتب احادیث و سیر تمہارے رہبر و مذکر ہوتیں تو تمہیں سب کچھ یاد آجاتا فی الحقیقت تم معذور ہو تمہارا مرتبہ عوام کا ہے تمہارے دماغ علوم سے خالی تمہارے سینے جذبات سے کورے تمہارے قلوب دولت ایمان سے مفلس تمہاری زبانیں گنگ اور تمہارے اقلام خشک تم تو ایک قالب بیجان ہو جو تمہارے

لیڈر کہتے ہیں تم اُسی کی محاکات کر دیتے ہو اور اُن لیڈروں کا منبع فیض مسٹر گاندھی اور اُن کی ہنود پارٹی ہے سلسلہ یوں ہے کہ ایک تحریک مسٹر گاندھی پیش کرتے ہیں تعلیم یافتہ مسلمان اُسے لبیک کہتے ہیں علمار سیاسی کا جبہ و عمامہ اُسے شرعی جامہ پہناتا ہے ان علمار کی یہ مجال نہیں کہ وہ بطور خود کوئی تحریک پیش کر سکیں یا کسی تحریک کے سامنے امنا و صدقنا کے سوا کوئی آواز بلند کرنے کی جرأت بھی کریں۔

ان علمار کا کیا ذکر خود اُس عالم کو لیجئے جسے لیڈروں نے شیخ الہند کا لقب دے کر ایک عجیب و غریب ہستی ثابت کیا ہے اُس کے قلم میں بھی یہ قوت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اُن افعال خبیثہ کی شناعت و معصیت بتا سکے جسے موالات کفار میں علی التوالی والتواتر لیڈران مع گروہ مسلمین بار بار عمل میں لا رہے تھے مسئلہ قربانی گاؤ کے متعلق دبی زبان سے اتنا کہنے پائے تھے کہ مسلمانوں نے جو طریقہ انسداد قربانی کا ایجاد کیا ہے وہ مذموم ہے اُنھیں ایسا کرنا نہ چاہیے تو لیڈروں نے وہیں زبان پکڑ لی اس آواز کو مردہ کر دیا گیا اور بادِ صحرا سے زیادہ حیثیت اس ہدایت کو نہ دی گئی نہ تو صحائف و جرائد ہی میں اس کی اشاعت عامہ ہوئی نہ لیڈروں کے رزولیوشن میں تغیر آیا نہ اپنی خطا و غلطی کا کسی نے اعتراف کیا۔ اگر کسی نے اُن کے شیخ الہند کا قول متعلق قربانی گاؤ یاد بھی دلایا تو ہنس کر ٹال گئے کہ یہ ناآشنائے حقیقت کہتا کیا ہے اس چودھویں صدی میں شریعت جب کہ تلقینات گاندھی کا نام ہے تو پھر شریعت اسلام کا ذکر ہی عبث ہے۔

قشقہ لگا یا گیا علمار سیاسی خاموش رہے کافر کی ٹکٹکی اُٹھائی گئی علمار سیاسی خاموش رہے کافر کا ماتم سر و پا برہنہ ہو کر کیا گیا علمار سیاسی خاموش رہے رام لچھمن پر پھولوں کا تاج رکھا گیا علمار سیاسی خاموش رہے گاندھی کی جے پکاری گئی گئو ماتا کی جے بلند کی گئی علمار

سیاسی خاموش رہی حد یہ کہ گاندھی کو کہا گیا کہ اگر نبوۃ ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا علماءٔ
سیاسی اب بھی خاموش رہے اس خاموشی سے شیخ الہند بھی مستثنیٰ نہ ہو سکے اگرچہ خادمان
اسلام تقریراً و تحریراً انھیں اعمال کفریہ پر بیدار بھی کرتے رہے لیکن پھر بھی کسی عالم سیاسی
میں اتنی جرأت نہ ہوئی جو وہ چالیس اعمال و اقوال کفریہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی
اپنے قلم کو جنبش دیتا تا آنکہ بماہ نومبر ۱۹۲۰ء دہلی میں جلسہ جمعیۃ العلما منعقد ہوا وہاں یہ
مسائل کسی نے پیش بھی کئے لیکن یہ کہکر کہ مصلحتِ وقت اس کی مقتضی نہیں بات ٹال دی
گئی حالاں کہ اس اجلاس کی کرسی صدارت ایک عالم ہی کی نشست کا فخر رکھتی تھی ہاں
مسٹر شوکت علی نے ایک مذاق ضرور کیا کہ بجب عادت قدیم مزاح میں ایک تقریر فرمائی
جس میں تلک کی ٹکٹی اٹھانے پر ظریفانہ جلسوں میں توبہ کی گئی تھی شاید یہ کہنے کی حاجت
نہیں کہ ان کا فعل مسلمانان ہند کا فعل اور ان کی توبہ مسلمانان ہند کی توبہ لیکن ستم ظریفی
یہ ہوئی کہ بعض ناآشنا متعصب ہندو مذاق کو حقیقت سمجھے اور اپنے اخبارات میں خوب
غیظ و غضب کے مضامین شائع کئے لیکن یہاں سے سکوت رہا اس لئے کہ جو مقصد تھا
وہ حاصل ہو چکا تھا بات رفع دفع ہو گئی لیکن علمار سیاسی کے سکوت میں اب بھی فرق نہ
آیا جمعیت کے پانچسو علمار میں سے کسی ایک میں بھی اس کی ہمت نہ ہوئی کہ مسٹر شوکت علی کے
پر مذاق توبہ کے دامن میں پناہ گزیں ہو کر ان اعمال و اقوال کفریہ کے متعلق جن کی تعداد
تقریباً چالیس سے بھی متجاوز ہے کسی ایک قول یا ایک فعل کی بھی شناعت بیان کردے
یہ ہراس و سکوت علمار سیاسی کا ان مسائل کے متعلق ہے جن سے ہندوؤں کو کوئی
شغف نہیں یہ تو محض لیڈروں کا جوش کفر پرستی ہے رہا وہ مسئلہ جس کا استیصال مسٹر گاندھی
چاہتے ہیں یعنی گائے کی قربانی اس کے متعلق اگر علمار سیاسی خاموش رہتے تو یہ ناقابل

عفو گناہ نہ معلوم اُنھیں کیلئے کیا بنا دیتا لہٰذا اس پر فتوے ہوئے مضامین لکھے گئے رسائل تصنیف کئے گئے اور یہ عجیب تماشا دکھایا گیا کہ گزشتہ سال تک گائے کی قربانی ہندوؤں کے ویدا ور شاستر سے ثابت کی جاتی تھی لیکن جب ایک فرقہ کے امام مسٹر گاندھی ہوئے تو اُن کے گروہ کو اب عدم جواز قربانی گاؤ قرآن وحدیث سے معلوم ہونے لگا۔

حقیقت یہ ہے کہ علماء اور اُن کے متبعین جب غالب ہوتے ہیں تو عوام اگر دین کے خلاف کوئی کلمہ نکالنا چاہتے ہیں تو غالب گروہ اُن کا گلا دبا دیتا ہے لیکن جب عوام غالب ہوتے ہیں اور علماء اور اُن کے متبعین مغلوب تو عالم جب کوئی بات دین کی کہنا چاہتا ہے تو غالب گروہ یعنی عوام علماء کا گلا دبا دیتے ہیں یہ وہی زمانہ ہے جس کی خبر حدیث شریف میں دی گئی ہے۔

جمعیت اسلامی کی تخریب دوستو یہ واقعات وحقایق ہیں دشنام دہی کہ وہ رو سیاہی کیوں کٹ جائیگی جو موالات کفار کی وجہ سے تم انوکھے دینداروں کے چہرہ پر چڑھ رہی ہے علماء سیاسی جس بے حسی کے ساتھ لیڈروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہیں وہ ان کی ایک ایک حرکت سے نمایاں ہے جمعیت کے جس عالم نے اپنے ایمان پر بہت بڑا احسان کیا اس نے یہ کہا کہ ہم سیاسیات میں مسٹر گاندھی کی پیروی کرتے ہیں اُن کا کہا مانتے ہیں لیکن مذہبی امور میں ہم ہرگز اُن کی بات نہ مانیں گے نہ اپنا مذہب چھوڑیں گے نہ احکام مذہبی میں کوئی تغیر وتبدل کریں گے یہ کہا اور اپنے قوت ایمان کا متعدد اخبارات میں خوب ڈنکا بجایا۔

حالاں کہ جمعیت میں جو عالم شریک ہو جائے اس کی خالص توحید صلابت ایمان شیفتگی اسلام اور اخلاص عمل کے متعلق جملہ اوہام وشکوک کا استیصال ہو جاتا ہے نہ معلوم اراکین جمعیت کو اس کہنے کی ضرورت ہی کیا پیش آئی۔ جن اعمال واقوال کا اس نے دُودھ میں

ایجاد ہو رہا ہے وہ اس امر کی کافی دلیل ہی کہ یا قرن اول میں ایسے علمار ربانی پائے جاتے تھے یا پھر اس مجلس میں جسے جمعیۃ العلمار کا لقب دیا گیا ہی۔

علمار جمعیت ناحق اس کے باور کرانے کی کوشش فرماتے ہیں یہاں شبہ کسے ہوا تھا جو آپ نے دفع دخل مقدر کی زحمت اٹھائی خود آپ کی تحریریں اور آپ کے متبعین کے اعمال و حرکات آپ کے ایمان و اسلام کا آئینہ ہیں۔

اسلام نے اپنے متبعین کو کفار سے بیگانگی کا حکم اس تاکید و مبالغہ سے دیا تھا کہ معاشرتی امور میں بھی یہ ہدایت کی گئی تھی کہ کفار کی تقلید اس میں کبھی نہ ہونے پائے وضع لباس شکل و صورت ماکل و مشارب سلام و تحیۃ تعزیۃ و تہنیت غرض جملہ شعبہائے حیات مسلم تقلید کافر سے مصئون و محفوظ رہے چنانچہ آج تک مسلمان یہی جانتے تھے اور بقدر توفیق الٰہی کو اُن کا عمل بھی تھا لیکن اس دَور میں مسلمانوں کی عصبیت اس طرح فنا کر دی گئی کہ معاشرتی و تمدنی امور کا کیا ذکر دینی امور میں کفار کی تقلید کمال ارادت و عقیدت سے ہونے لگی اور اسے ایمان و اسلام کا لقب عطا کیا گیا۔

کہنے والا منہ بھر کر کفر کا کلمہ کہتا ہی سامع اُسے سنتا ہے اور جوش طرب میں آکر رقص کرتا ہی علمار سیاسی دیکھتے ہیں سنتے ہیں لیکن کہیں اپنے سکوت کہیں اپنی مداہنت اور کہیں اپنے فتاوے سے ایجاد کفر و تکرار کفر پر ترغیب و تحریص دیتے ہیں یہ وہی زمانہ ہی جس کے متعلق مسلم شریف میں روایت موجود ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی اٰخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الاحادیث	حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں جھوٹے دجال تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جنھیں نہ تم نے کبھی سنا ہوگا

بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔ | نہ تمہارے باپ کے کان آشنا ہوئے ہوں گے اُن کو اُن سے اور اُن کو اپنے سے بچانا خبردار وہ تمہیں گمراہ نہ کرنے پائیں اور نہ تمہیں فتنہ میں ڈالیں۔

جس مسلمان میں ایک ذرہ ایمان کا باقی ہے وہ دیکھ لے کہ یہ زمانہ وہی زمانہ ہے یا نہیں دیکھ لو ہندوؤں کے متعلق جس قدر احادیث و آیات قرآنیہ آج پیش کی جارہی ہیں اسے مسلمانوں کے کان کبھی آشنا ہوئے تھے تاریخ کی کتابیں موجود ہیں ہمیں بتاؤ کس بھی کسی ہندوؤں کو مسلمانوں نے اپنا رہبر بنایا تھا مسلمانوں نے ہندوستان پر سات سو برس تک فرماں روائی وجہاں بانی کی ہے ہزاروں علماء اس خاک ہند سے پیدا ہوئے لیکن اس کا پتہ بتاؤ کہ کس صدی کے علماء نے کفار ہند کو اہل کتاب قرار دیا رام چھمن پر پھولوں کا تاج مسلمانوں نے کس زمانے میں رکھا آج سے پیشتر جس قدر علماء کرام گزرے اُن کی تصانیف یا اُن کے حالات زندگی میں کہیں اس کا سراغ ملتا ہے اس طرح ہندو پرستی تو اسی صدی کے مدعیان علم کے لئے مخصوص تھی تاکہ مخبر صادق کا ایک ایک حرف صحیح ہو جائے۔

نبوت و سلطنت کا فرق بہرحال اس بحث کو چھوڑ کر اصل مدعا کی طرف آئیے کہ ایک مستول بادشاہ ایک نبرد آزما فاتح یا ایک صاحب علم و فن ان سب کی حکومت دنیا کے لئے موجب ہلاکت و بربادی ہے اس لئے کہ ان سب کا نصب العین انسان کے جذبات و قوائے دماغیہ کا اپنی تحقیقات و اختراعات یا اپنے اختیارات و قدرتوں میں جذب کر لینا ہے لیکن نبوت و رسالت کا نصب العین انسان کو ہر طرح کی غلامی سے آزاد کرنا قوانین انسانی کی بندش سے رہا کرنا اور تقرب الی اللہ کا راستہ بتانا ہوتا ہے اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کی حکومت ہوتی ہے اُس کے خلق کئے ہوئے اعضا و قوا اسی کے فرمان کے بموجب حرکت کرتے ہیں

نشو ونما پاتے ہیں خلاصہ یہ کہ انسان پر اُس کے خالق کی حکومت ہوتی ہے نہ کہ خود انسان ہی کی۔ قانون الٰہی یعنی کتاب آسمانی جو پیغمبر اپنے رب العالمین کی طرف سے لاتا ہے اُس کا نشر و تبلیغ اور اُسی کے ماتحت انسان کے سارے شعبہائے زندگی کی تعلیم اُس کا مقصد ہوتا ہے قوانین الٰہیہ کی حکومت اور اس کے ماتحت زندگی بسر کرنے میں کوئی فرق مراتب نہیں ہوتا شخص خواہ مفلس ہو یا سلطان ذی جاہ بدوی ہو یا متمدن جاہل ہو یا علامہ امر الٰہی کی حکومت سب پر یکساں ہوتی ہے ہر ایک مسلمان اس واقعہ سے آگاہ ہے کہ فاروق اعظم جیسا جلیل الشان خلیفہ جب کہ ایک مجمع عام میں جمعہ کے روز خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے اسمعوا واطیعوا مسلمانوں سنو اور کہا مانو تو ایک شخص کھڑا ہو کر بید ھڑک کہہ دیتا ہے لا اسمع ولا اطیع نہ میں سنوں گا نہ کہا مانوں گا سوال ہوتا ہے کہ اس اعراض کی علت کیا جواب ملتا ہے کہ تقسیم کے وقت جو حلہ تمہارے حصہ میں آیا تھا وہ عبا کے لئے ناکافی تھا تم نے اپنی عبا کہاں سے پوری کی فاروق اعظم کے بیٹے کھڑے ہو کر گواہی دیتے ہیں کہ میں نے اپنا حصہ باپ کی نذر کر دیا تھا اس شہادت کے بعد معاملہ طے ہو جاتا ہے اور معترض مطمئن ہو کر یہ کہتا ہوا بیٹھ جاتا ہے کہ الآن اسمع واطیع اب سنوں گا اور کہا مانوں گا اسی روایت سے قانون الٰہی اور قانون شاہی کا فرق تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا لیکن مزید اطمینان کے لئے ایک اور واقعہ یاد کرو فاروق اعظم کے ایک بیٹے پر ایسی خطا ثابت ہوتی ہے جس سے تعزیر شرعی اُن پر لازم آتی تھی فاروق اعظم بعد استماع جرم مکان تشریف لے جاتے ہیں بیٹے کو دستر خوان پر سے اٹھا کر کشاں کشاں مجمع عام میں لاتے ہیں حد شرعی جاری ہوتی ہے ہنوز ضرب تازیانہ کی تعداد پوری نہیں ہوئی ہے جو بیٹا پیاس سے بیتاب ہو کر پانی مانگتا ہے باپ اور بیٹے کی گفتگو حدیث کے

الفاظ میں سنیے۔

حتیٰ بلغ سبعین فقال یا ابتِ	جب ستر کوڑے مارے جا چکے تو بیٹے نے کہا
اسقنی شربۃ من ماء فقال یا بنیّ	اے باپ تھوڑا پانی پلا دیجے فاروق اعظم نے فرمایا
ان کان ربک یطہرک یسقیک	اے بیٹا اگر خدا نے تجھے گناہ سے پاک فرما دیا تو
محمد صلی اللہ علیہ وسلم شربۃ	جنت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے تجھے ایسا
لا تظمأ بعدھا ابداً یا غلام	جام پلائیں گے کہ جس کے بعد تو کبھی پیاسا نہ ہوگا یہ جواب
اضربہ ؕ	دے کر غلام کو حکم دیا کہ ہاں کوڑے کی ضرب پوری کرو۔

جب بیٹے کی حالت بہت ہی زار ہو گئی تو اُس وقت باپ بیٹے میں جو وداعی گفتگو ہوئی ہے اُسے بھی سنیے۔

حتیٰ بلغ ثمانین فقال یا ابتِ	جب اسی کوڑے پڑ چکے تو بیٹے نے کہا کہ اے
السلام علیک	باپ السلام علیک رخصت ہوتا ہوں۔
فقال وعلیک السلام ان رایت	فاروق اعظم نے فرمایا وعلیک السلام اے بیٹے اگر
محمداً فاقرءہ منی السلام وقل لہ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدمبوسی نصیب ہو تو عرض کرنا کہ
خلفت عمر یقرء القرآن و یقیم الحدود	آپ نے عمر کو چھوڑا وہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور حدود
یا غلام اضربہ ؕ	شرعیہ کو قایم کرتا ہے اس کے بعد غلام کو حکم دیا کہ
	ہاں عدد پورا کیا جائے۔

پہلے واقعہ میں خود ذات امیر المومنین پر احتساب بھرے مجمع میں کیا گیا ہے اعتراض ایسا خفیف ہے کہ امیر المومنین کی ذات اور شان کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ ایسی ضعیف جرح کی حاجت ہی کیا تھی رُعب شاہی اور داب جہانداری لیسے معترض کو

گردن زدنی بتائے گا لیکن درسگاہ نبوت کا تعلیم یافتہ چیں بہ جبیں بھی نہیں ہوتا سعاً خطبہ موقوف کر دیتا ہے اور مدعا علیہ کی حیثیت سے صفائی کا گواہ جب پیش کر لیتا ہے اور معترض مطمئن بھی ہو جاتا ہے تب خطبہ شروع کرتا ہے پھر یہ بھی دیکھو کہ آئندہ زندگی میں بھی کہیں اُس کا گلہ اور شکوہ نہیں آتا۔

دوسرا واقعہ حکم الٰہی کی ہمہ گیری کی ایک عجیب مثال ہے امیر المومنین ہے اگر چاہتا بیٹے کے لئے کوئی سبب پیدا کر دیتا لیکن نہیں جذبۂ احتساب کی یہ شدت ہے کہ مجرم کو پانی دینے کی بھی رعایت گوارہ نہیں ذرہ نظر بلند کیجئے اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کو دیکھئے بیشمار مثالیں اس کی تمھیں ملیں گی جس سے فرق ملک گیر اور نبی کا روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا محض تبرکاً و تیمناً میں دو واقعوں پر اکتفا کرتا ہوں جنگ بدر کا موقع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کی صف جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آراستہ فرما رہے ہیں سواد بن غزیہ صف سے آگے نکلے ہوئے ہیں اُن کے پیٹ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر کی لکڑی سے چوکا دے کر فرمایا کہ صف میں داخل ہو سواد عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ مجھے آپ نے تکلیف پہونچائی اس کا عوض دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتہ شکم مبارک سے اُٹھا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہاں عوض لے لو سواد شکم مبارک کو بوسہ دیتے ہیں اور جسم اطہر سے لپٹ کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ بے ادبی معاف ہو معرکہ سخت ہے دشمن کی فوج بیکراں پیش نظر ہے ہو سکتا ہے کہ میرا رب مجھے مرتبہ شہادت عطا فرمائے تو اُس کے جناب میں ایسا جسم لے کر پہنچو نگا جو اُس کے حبیب کے جسم سے مس ہوا ہے اسی کی برکت سے رحمت و مغفرت کی اُمید ہے

کیا ایک سپاہی اپنے بادشاہ سے محضر عام میں ایسا کہنے کی مجال رکھتا ہے کیا ایک

بادشاہ اس طرح حق العباد ادا کرنے پر اس خندہ پیشانی کے ساتھ آمادہ ہو سکتا ہے کبھی نہیں اور ہرگز نہیں۔

دوسرا واقعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ آخری وعظ ہے جو آپ نے مرض وفات میں ارشاد فرمایا ضعف کا استیلا ہے سر میں درد اس شدت کا ہے کہ پٹی سے سر مبارک باندھ دیا گیا ہے اسی حالت میں مسجد نبوی میں تشریف لا کر ممبر کو زینت وسعادت دی جاتی ہے اُمت اپنے پیغمبر کی آخری وصیت سننے کے لئے جوق در جوق جمع ہو رہی ہے جب مسلمان جمع ہو کر ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اُس وقت ارشاد ہوتا ہے کہ اگر میں نے کسی کو مارا ہو تو آج وہ شخص اپنا عوض لیلے اگر کسی کو گالی دی ہو تو وہ بھی اپنا عوض پورا کرے اگر کسی کا قرض ہو تو وہ اپنا مطالبہ پیش کرے حاضرین میں سے ایک شخص تین درہم کا مدعی ہوتا ہے جو علی الفور ادا کیا جاتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر کا حقوق العباد کے متعلق اس طرح کہنا محض زبانی نہ تھا بلکہ عملاً اُسے کر کے دکھا دینا تھا کہ جن احکام الٰہی کو اُمت تک پہونچایا گیا ہے خود پیغمبر کی زندگی انھیں احکام کی کس قدر تابع و مطیع ہے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم دل چاہتا تھا کہ اس مبحث کو اور کھول کر بیان کرتا اپنے آقا اپنے مولیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھنے کی سعادت حاصل کرتا لیکن اس وقت چوں کہ کفار و مشرکین سے موالات کرنے والوں کی ہدایت منظور ہے اس لئے اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور لیڈران قوم سے نہایت عاجزانہ التماس کرتا ہوں کہ ایک سیاست اسلامی ہے اور ایک سیاست یورپ دونوں میں فرق آسمان وزمین کا ہے سیاست اسلامی عین دین ومذہب ہے اور سیاست یورپ سرتاسر کید وحیل۔

عود الی المقصود ہو سکتا ہے کہ تمہاری تحریک نان کوآپریشن اصول یورپ کے موافق تمہیں کامیابی کا یقین دلاتی ہو لیکن یہ کیا ستم ہے کہ تم اسے تعلیم دینی و مذہبی قرار دے کر سیاست اسلامی کو واغدار بنا رہے ہو ملک گیر اور داعی الی اللہ کا فرق مٹا رہے ہو وہ اصول جسے ایک ملک گیر اپنے دشمن و مقابل کے حق میں روا رکھتا ہے تم اُسے تعلیم قرآن قرار دیتے ہو۔

فقیر کی یہی عاجزانہ التماس ہے کہ مسائل کی صورت مسخ نہ کیجیے شریعت کو یورپ کی پالیسی کا مرادف قرار دے کر اپنے ہاتھوں کا کھلونا نہ بنائیے جو کچھ تمہیں کرنا ہو اُس کو شوق سے کرو روکنے والا کون ہے لیکن خدا کے لئے دین اسلام کو ذبح نہ کرو اپنے عروج اور چندروزہ عزت و وجاہت کے لئے قرآن و حدیث میں تحریف نہ کرو اسلامی مسائل کو اپنے حرص و آز کا شکار نہ بناؤ۔

جنگ بدر اور فتح مکہ کے واقعات گزر چکے خلافت فاروقی اور عہد نبوت کے بعض حالات بھی پیش کئے جا چکے اس پر بھی اگر تمہیں بادشاہت و نبوت میں فرق نہ معلوم ہو اور نان کوآپریشن و ترک موالات میں تم تمیز نہ کر سکو تو پھر تمہارے ایمان پر انا للہ وانا الیہ راجعون تلاوت کرنا چاہیئے۔

دوستو خدا کے واسطے اپنی جانوں پر رحم کرو اپنے اعمال قبیحہ اقوال کفریہ اور تحریف مسائل شرعیہ سے توبہ کرو ایمان کی حقیقت سمجھو اور اُس کی قدر پہچانو خدمت اسلام کا خدام اسلام سے طریقہ سیکھو مسٹر گاندھی اور ان کے ہنود یا رسلُ کا جام ولا کب تک پیتے رہو گے دنیا چند ست آخر کار با خدا وند ست۔

ایک اور شبہ کا ازالہ اس جگہ ایک یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ تحریکات جب کہ تحت احکام شرعیہ نہیں اور وہ امور جنہیں ترک موالات کہا جاتا ہے وہ ہرگز داخل موالات نہیں تو پھر آخر اس کی

کیا وجہ جو یہ تحریک عالم گیر ہو رہی ہے۔

اس شبہ کے دو جواب ہیں ایک کو مجمل اور دوسرے کو کسی قدر مفصل بیان کرتا ہوں پہلا مجمل جواب تو یہ ہے کہ اس تحریک میں حکومت و بادشاہت کی چاشنی دی گئی ہے مسلمانوں کو دینی زندگی اور اسلامی اخلاق سے بیگانہ وحشی اور دنیا طلبی میں غلو و انہماک تو تھا ہی اس پر جو حکومت کا سبز باغ لیڈروں نے دیکھایا تو سب کے سب اس طرف ٹوٹ پڑے چھوٹوں کو بڑوں پر جاہلوں کو عالموں پر فساق کو پرہیزگاروں پر منہ آنے اور گالیاں دینے کا ایسا موقع کب ملا تھا خود بینی و خودرائی اور رواج کی دلکشی ہے جس نے اس تحریک کو عالم گیر بنا رکھا ہے اس وقت اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خود حکومت ہند نے اپنے انداز حکمرانی سے ہندوستانیوں میں ایسا مادہ پیدا کر دیا ہے کہ ایک ادنیٰ اشارہ انہیں برانگیختہ کر دینے کے لئے کفایت کرتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ

حکومت سے عام گلہ | حکومت کے لئے جہاں سیاست کا جز بہت ضروری ہے وہاں عدالت کا عنصر اس سے بھی زیادہ اہم و ضروری ہے شش کے بعد سے جس طرح کہ حکام ہندوستان میں آتے رہے ان کی طرز عملداری میں سیاست کا جز اس قدر غالب ہوتا گیا کہ رفتہ رفتہ عدالت کا عنصر معدوم ہو گیا ہندوستانی آخر انسان تھے جب ضبط کا یارا نہ رہا تو ان سے فریاد کی آوازیں بلند ہونے لگیں اسی بزم فغاں کا نام کانگریس پنڈال ہے۔

فقدان عدالت کی توضیح اس سے ہوتی ہے کہ ہندوستان کی آبادی اگر تقسیم کی جائے تو باستثنا بعض پانچ قسموں پر منقسم ہوگی تعلیم یافتہ ملازم پیشہ مزدور پیشہ زمیندار اور کاشتکار تعلیم پانے والوں کو یہ شکایت رہی کہ طریقہ تعلیم نصاب تعلیم اور معیار امتحان ایسا تباہ کن ہے

کہ یونیورسٹی سند فراغ جب ایک ہاتھ میں دیتی ہے تو اُسی کے ساتھ صحت جسمانی و دماغی بھی الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے رخصت ہو جاتی ہے دولت کا ایک کثیر حصّہ عمر کا بیش بہا زمانہ تعلیم کی نذر ہو جاتا ہے اور پھر بھی قابلیت و استعداد سے ذہن ناآشنا و بیگانہ ہی رہتا ہے طرفگی یہ کہ ان نقائص و شدائد کے ساتھ عمر کی پابندی ایک بلا انگیز بند و قید ہے سولہ برس سے کم عمر والا میٹرک میں شریک نہو اور جس کی عمر پچیس برس سے متجاوز ہو جائے وہ صیغۂ ملازمت کی اُمید نہ رکھے تعلیم کا ایسا طریقہ رکھا گیا کہ بجز دفاتر کی محرری اور پیشی کے کسی اور کام کا سلیقہ ہی نہ آیا۔

امتحانات کی سختی کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ سینٹ ہال الٰہ آباد میں طالب العلم داخل ہوتا ہے پرچہ سوال کا ہاتھ میں لیتا ہے محنت سے خستہ دماغ پر ایسا زور پڑتا ہے کہ دفعتہً پاگل ہو جاتا ہے اسی دیوانگی میں دو تین روز زندہ رہکر مر جاتا ہے اس طرح کا واقعہ مکرّر ہوتا ہے لیکن یونیورسٹی کا ظالم و خونخوار دیوتا رحم کی طرف مائل ہوتا نہیں جانتا وہ طلبہ جو اپنی آنکھوں کو رو بیٹھے یا وہ انگریزی خواں جن کا پھیپھڑا زخمی ہو گیا یا جنہیں ضعف معدہ نے گوشۂ گمنامی و ناکامی میں بٹھا دیا اُن کا وجود شہر کے ہر محلہ میں موجود ہے تعلیم پر دلچسپی رکھنے والے چلّاتے ہیں لیکن ان کی آواز کی شنوائی نہیں ہوتی۔

نہ نصاب تعلیم ایسا رکھا جاتا ہے جس کا پڑھنا اور یاد کرنا سہل ہو نہ طریقۂ تعلیم میں وہ شان پیدا کی جاتی ہے جس سے طالب العلم میں صحیح استعداد و قابلیت پیدا ہو نہ نوعیت امتحان میں تغیر آتا ہے جس سے ہندوستانیوں کی صحت کو اماں نصیب ہو یونیورسٹیوں کا جب یہ بیداد ہو تو پھر تعلیم یافتہ جماعت گلہ سے کیوں لبریز نہو (۲) پچیس برس کے اندر جس خوش نصیب نے یونیورسٹی کے دست تطاول سے فراغت پائی تو اُس نے ملازمت کی سلسلہ جنبانی شروع

کی رہی سہی ہستی خاک میں ملاتے ہوئے جب کسی عہدہ کا منہ دیکھنا نصیب ہوا تو اس
حالت میں گزر کرنے لگے کہ نہ پیٹ بھر کھانا نہ راحت رساں لباس تنخواہ ماہ بماہ ملتی ہے
لیکن باوجود انتظام بیں روز سے زیادہ کفایت نہیں کرتی اُس پر کام کا یہ عالم کہ باوجود
اس کے کہ سارا دن کچہری میں صرف ہوا پھر بھی شام کے وقت بستہ دبا کر گھر پہنچے خانیت
وراحت کے عوض چراغ کے سامنے دیدہ ریزی و دماغ سوزی ہو رہی ہے یہ واقعہ
ہے کہ دو آدمیوں کا کام ایک کو انجام دینا پڑتا ہے اور ایک کی تنخواہ دو آدمیوں کو
ملتی ہے رشوت ستانی اور خامی اخلاق کی یہی تنگدستی بنیاد ہے اسی کے ساتھ اس قدر
اور شامل کر لیجئے کہ اعلیٰ عہدہ و منصب اور ایسے امتحانات کی سندیں جن سے اعلیٰ عہدہ
کا استحقاق ہو ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لئے ممنوع رہا انصاف شرط ہے کہ
ایسی صورت میں ملازم پیشہ اپنے سینہ میں وسعت کہاں سے لائے۔

(م و ہ) زمینداروں کا یہ حال ہے کہ قانون کی بندش میں ایسے جکڑ دیئے گئے ہیں کہ
کاشتکاروں سے کچھ بول نہیں سکتے رعایا پر کہ سر پر چڑھی آتی ہے اُس پر تحصیلدار اور
نائب تحصیلدار کا دورہ اور بھی زمینداروں کو پیسے ڈالتا ہے جہاں تحصیل کا دستور نہیں بلکہ
بندوبست دوام ہے وہاں سرشے بھیجکر زمینداروں کو خستہ و شکستہ کر دیا گیا۔

قانون ایسے پر پیچ بنائے کہ کاشتکار زمیندار سے اور زمیندار کاشتکار سے برابر گتھا
رہے کچہریوں کی ساری رونق زمینداروں اور کاشتکاروں کے تنازعات کی بدولت ہے
اسی تنازع کا نتیجہ ہے کہ نہ کاشتکار راحت و رفاہیت کی زندگی بسر کرتا ہے نہ زمیندار چین
سکھ سے بیٹھنے پاتا ہے اس بے چینی اور بدمزہ زندگی نے زمیندار اور کاشتکار دونوں
کو بددل بنا رکھا ہے۔

علاوہ ازیں روزمرہ کے معاملات میں ہندوستانیوں سے ایسا ذلیل وخوار برتاؤ کیا جاتا ہے کہ جذبہ غیرت جل کر خاک سیاہ ہو جاتا وہ اجتماع جس کی غایت ہم نوالہ وہم پیالہ ہونا ہے اُس میں بھی تلخی وخشکی ایسی ہوتی کہ لقمہ گلو گیر ہو جاتا ریل کا سفر جس میں ہر ایک مسافر کی حیثیت مساویانہ ہوتی ہے وہاں بھی تفضیح وتوہین کا عمل بکثرت پیش آیا کیا غرض رعب وداب قایم رکھنے کے لئے اس افراط سے کام لیا گیا کہ سیویلین کی ہر ادا اس کا بلیغ درس دیتی تھی کہ تم جب ہندوستانی ہو تو پھر تمھیں قالب بیجان ہو کر میری غلامی کے لئے زندہ رہنا چاہیئے یہ تسلیم کہ تم نے یونیورسٹی کی سند حاصل کر لی انگلینڈ بھی ہو آئے بیرسٹری کی سارٹیفکٹ ودیگر علمی سندیں بھی یورپ کی یونیورسٹیوں سے حاصل کر لیں لیکن آخر ہو تو ہندوستانی لہذا اپنے احساسات وحیات کا ہمارے سامنے نام لینا جرم عظیم سمجھو والیان ملک کے ساتھ قطع نظر دیگر حالات صرف ریزیڈنٹ صاحبوں کے غیرت سوز تعلقات ہی ہر خوشگواری کے منقطع کر دینے کے لئے کافی تھے یہ حالات وواقعات ایسے نہ تھے جو عام بے چینی پیدا کئے بغیر رہ سکتے ۔ جب ضبط کا یارا نہ رہا تو کانگریس میں رزولیشن پاس ہونے لگے اور ہندو اخبارات اُس کی تائید ونشر میں معین ومددگار ہوئے اگرچہ چشم نمائی کا سلسلہ مسلسل جاری رہا لیکن کانگریس کی الاپ بڑھتی ہی گئی واقعہ پنجاب سے نوبت یہاں تک ہو پہنچی کہ سر نہیں پاسر ہی نہیں۔

مسلمانوں کا مخصوص گلہ | مذکورہ بالا شکایتیں ایسی تھیں کہ جن میں ہندو اور مسلم دونوں قومیں بحیثیت مساوی فریادی وماتمی تھیں لیکن مسلمانوں کی افسردگی کے وجوہ کچھ ان سے ماورا بھی ہیں۔

(۱) ہندوؤں نے کانگریس قایم کی گورنمنٹ کا منشا اس کے خلاف تھا مسلمانوں نے گورنمنٹ کا ساتھ دیا اور نہایت زور وقوت سے کانگریس کی مخالفت کی جس کا یہ اثر تھا کہ

کانگریس کا پنڈال ہمیشہ مسلمانوں سے خالی دکھائی دیا۔

(۲) گورنمنٹ نے تحفظ ہندو وغیرہ کے نام سے جس قدر قانون وضع کئے ہندوؤں نے مخالفت کی مسلمانوں نے گورنمنٹ کی تائید میں اپنی آوازیں بلند کیں عام مسلمانوں کو سمجھایا کہ قانون کی سختی سے وہ ڈرے جس کے دل میں چور ہو تم خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہو آں راکہ حساب پاک ست از محاسبہ چہ باک۔

(۳) گورنمنٹ نے قانون مطابع پاس کیا ہندوؤں نے مخالفت کی مسلمانوں نے یہاں بھی تائید ہی کی لیکن ان سارے موافقات و تائیدات کا صلہ یہ تھا کہ اخبارات ان کے بند ہوئے مدیران کے قید ہوئے ضمانتیں ان کی ضبط کی گئیں حقوق ملکی میں یہ پس پشت ڈالے گئے۔

(۴) ان سب سے بڑھکر مسجد کانپور کا واقعہ ہے جس میں مسلمانوں کی مذہبی توہین کی گئی مسٹن صاحب اپنے نام سے ایک سڑک بنانا چاہتے ہیں اُس کے دست و استوار کے لئے مسلمانوں کی مسجد شہید کردی جاتی ہے۔

مسلمانان ہند نے اپنی فریاد لندن تک پہنچائی لیکن مسٹن صاحب کی ضد کچھ ایسی نہ تھی جو مسلمانوں کی فریاد کی شنوائی ہوتی یہ معاملہ کس قوم کے ساتھ ہوا اور اس نے کیا اثر پیدا کیا اس کے لئے صفحات تاریخ میں سے اس واقعہ کو پڑھ لیجئے۔

جامع مسجد دمشق سے متصل ایک گرجا تھا جس کا نام یوحنا کا گرجا تھا امیر معاویہ کے زمانہ میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ گرجا مسجد میں شامل کرلیا جائے دربار خلافت نے عیسائیوں سے طلب کیا وہ دینے پر راضی نہ ہوئے ضرورت ملتوی رکھی گئی۔

عبدالملک بن مروان نے اُس ضرورت کو اپنے عہد میں پورا کرنا چاہا درخواست کے ساتھ رقم کثیر بھی اُن کے سامنے پیش کی لیکن عیسائی پھر بھی راضی نہ ہوئے ضرورت

ملتوی کردی گئی۔

اب زمانہ ولید کا آیا اس نے بھی زر خطیر پیش کیا اور گرجا عیسائیوں سے طلب کیا لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے ولید نے غصہ میں جھلا کر کہا کہ اگر بزور لے لوں تو کیا کرو عیسائی بولے کہ جو شخص گرجا توڑتا ہے وہ پاگل یا کوڑھی ہو جاتا ہے اب ولید کا غصہ بھڑکا خیال گزرا کہیں لوگوں میں یہ وہم عقیدہ کا مرتبہ نہ حاصل کرے خود ہی ولید نے کدال لے کر گرجا کی دیوار ڈھانی شروع کر دی عیسائی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور گرجا شامل مسجد ہو گیا۔

جب زمانہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا آیا عیسائیوں نے استغاثہ دائر کیا کہ ہمارا گرجا زبردستی چھین کر شامل مسجد کر دیا گیا ہے تحقیقات ہوئی واقعہ صحیح ثابت ہوا حکم ہوا کہ اس قدر حصۂ مسجد کا توڑ کر عیسائیوں کے حوالہ کر دیا جائے۔

مسلمان بیتاب ہوئے کہ جس زمین پر برسوں اذاں پکاری نمازیں پڑھیں اب وہ پھر گرجا ہوئی جاتی ہے لیکن بیتاب ہو کر کیا کر سکتے تھے جب کہ امیر المومنین کا حکم نافذ ہو چکا تھا آخر انھیں عیسائیوں کی خوشامدیں کیں اور غوطہ کے کل گرجے جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھے وہ سب عیسائیوں کو دیدیئے تب عیسائی راضی ہوئے اور مسجد قایم رہی۔

مسلمانوں نے گرجا لے کر اپنی مسجد وسیع و مستوی بنائی تھی عیسائی معبد کو اسلامی مسجد کر لیا تھا اس سے زمین کی صفائی اور پاکی میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں آتا تھا مگر صرف اس خیال سے کہ عیسائیوں پر زبردستی نہ ہونے پائے دو بادشاہوں نے اپنی خواہشگاری طلب کا رائیگاں ہونا پسند کیا لیکن عیسائیوں کی دل آزاری روا نہ رکھی ولید نے بیشک قبضہ کر لیا لیکن یہ نتیجہ اُن کے سوء کلام کا تھا جس سے اعتقاد کا خطرہ تھا لیکن جب زمانہ عمر بن عبد العزیز کا آیا تو نہایت فیاضی سے عیسائیوں کے حق میں فیصلہ صادر کیا گیا مِش اور اُن کے حامی

اس واقعہ کی طرف نظر کریں اور دیکھیں کہ وہ قوم جس کی مسجد شہید کی جاتی ہے اُس نے اپنے
ایام سلطنت میں عیسائیوں کے ساتھ کیا کیا تھا اور آج اُس کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے کسی وقت
مسلمانوں کی قوم بھی طاقت و قوت رکھتی تھی ایک وہ زمانہ بھی تھا کہ سارا یورپ اُس کے
چشم و ابرو کے اشارہ پر چلنے کے لئے کمربستہ و آمادہ تھا بہت بڑی عیسائیوں کی آبادی
مسلمانوں کی رعایا بن کر صدیوں تک زندگی بسر کرتی رہی ہے آج اُس قوم کے بے شمار
احسانوں کا اگر عوض آپ ادا نہیں کر سکتے تو کم از کم اُسے تختہ مشق ستم تو نہ بنائیے۔

بیشک مسٹن روڈ بن کر تیار ہو گئی اور مسٹن صاحب کو اس کی خوشی بھی ہوئی کہ اُن کے
نام کی ایک سڑک یادگار رہی لیکن یہ یاد رہے کہ اس سڑک کا نام جب تک باقی ہے
شہید مسجد ہر اُس سڑک کے گزرنے والے کو آپ کی بیداد اور اپنی مظلومیت و شہادت
یاد دلاتی رہے گی۔

حیف صد حیف سڑک کی وسعت دیکھی گئی لیکن مسلمانوں کی تنگ دلی کا لحاظ نہ کیا
گیا سو سڑکیں تنگ ہوں لیکن رعایا کا دل جب کشادہ ہے تو کیا مضائقہ۔

سڑک پیچ در پیچ خم در خم ہو مگر رعایا کے قلوب و روابط راست و مستقیم ہوں تو لطف
حکومت و فرماں روائی ہے آپ نے سڑک سیدھی بنائی لیکن قلوب منحرف ہو گئے آپ نے
سڑک میں وسعت پیدا کی لیکن قلوب تنگ ہو گئے۔

اس واقعہ نے مسلمانوں کو بہت ہی مایوس کر دیا تھا لیکن پھر بھی ضبط و تحمل سے کام
لیتے رہے فتنہ و فساد مسلمانوں کی سرشت نہیں اس لئے خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے اگرچہ
مسلمانوں کے لیڈر جو معاملہ مسجد کانپور میں سرگرم کار تھے کسی مخفی دلنواز اثر سے متاثر ہو کر
انہوں نے ایک مغالطہ آمیز صورت بنام مخلص ایسی پیش کر دی کہ عوام یہ سمجھے کہ مسجد کا حصہ محفوظ

رہ گیا اور مسٹر صاحب کی ضد پوری ہو گئی۔

قیدی رہا کر دیئے گئے اور اس مسرت میں بڑی شاندار گارڈن پارٹی مسلمانوں کی طرف سے آراستہ کی گئی عالم صاحب فتوے دے کر انگریزوں کے منظور نظر ہوئے اور جنٹلمین صاحب اسی ہزار کی تھیلی لے کر کامیاب واپس ہو گئے، افسوس اس کا ہے کہ عالم صاحب کو بجز ایک نگاہ شاباش مسٹر صاحب کی جناب سے اور کچھ نصیب نہوا لیکن اصل حقیقت کب تک چھپی رہتی آخر سچے مسلمانوں پر کھل کر رہی۔

(۵) افسردہ و پژمردہ کر دینے والے واقعات ہندوستان میں ہو ہی رہے تھے جو خلافت کے متعلق لائڈ جارج وزیر انگلستان نے اپنا فیصلہ شائع کیا اس فیصلہ نے کھلے لفظوں میں یہ بتا دیا کہ نہ صرف ہندوستان کے مسلمان بلکہ پوری قوم مسلم خواہ وہ کسی سرزمین میں بستی ہو وزیر انگلستان کے خیال میں ایک سر دلاش ہے جسے پیوند خاک کر دینا چاہئیے۔

مسئلہ خلافت | مسلمانوں کی بیتابی کی سب سے زیادہ قوی علت اُن کی یہی مذہبی ذمہ داری ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ اس کی کچھ تفصیل کر دی جائے تاکہ عالم اسلامی کے نہ مٹنے والے اضطراب کی حقیقی علت معلوم ہو جائے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات کو حق سبحانہٗ نے خاتم النبیین فرما کر ہمیشہ کے لئے نبوۃ کا دروازہ بند فرما دیا اب محال قطعی ہے کہ کوئی دوسرا نبی یا رسول ہو اسی طرح شریعت محمدی کو خاتم الشرائع اور ہر پہلو سے کامل و تمام فرما کر اس سے آگاہ کر دیا کہ قیامت تک یہی شریعت قایم رہے گی کسی نئی شریعت کا نزول نہو گا۔

پس ایک ایسی شریعت جسے قیامت تک دنیا میں قایم رکھنا تھا اُس کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ اس خاکدان عالم میں جہاں فرزند آدم بستے ہیں نہ کہ ملک و فرشتہ

اس کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ مذہب کا بازو سیاست سے قوی کر دیا جائے۔

یہ ایک حقیقت واقعی ہے کہ جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا یا اپنی مامون زندگی کے لئے طاقت روا نہیں رکھتا اُس کا وجود محالات عادیہ میں سے ہے ایسا مذہب فلسفہ خیال سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ہاتھ جس میں اخلاق حسنہ کی کتاب ہو محفوظ و فائدہ بخش اُسی وقت ہوگا جب کہ دوسرے ہاتھ میں خونچکاں شمشیر بھی نظر آ رہی ہو مذہب اسلام پاکیزہ سے پاکیزہ تر اخلاق کی ہمیں تعلیم بھی دیتا ہے اور پھر ارتکاب جرائم پر حدود تعزیر سے سد باب عصیاں بھی کرتا ہے اس کی تبلیغ کے یمین و یسار سیف و سنان میمنہ و میسرہ بن کر حمایت و حفاظت میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں قلب سلیم کے لئے تذکیر و موعظت ہے اور مفسدین و اعدا کے لئے تیغ جوہر دار ؎

آں کہ میگویند آں بہتر ز حسن

یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

اسلام کے محفوظ و مامون رہنے کے لئے تین اصول قرار دیئے گئے پہلا اصل یہ تھا کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز ہونا چاہیئے دوسرا اصل یہ تھا کہ مرکزی مقام کا ایک امیر ہونا چاہیئے تیسرا اصل یہ تھا کہ مرکزی مقام پر ایسی قوت مجتمع رہے کہ کوئی بد اندیش نظر اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہ کرے۔

حرمین شریفین یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً مرکز اسلام قرار پائے جزیرۃ العرب کے شمول سے مرکزی مقام کا استحفاظ تصرف اغیار سے پورا کر دیا گیا ذات مقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام مرکزی کے امیر اور مسلمانوں کے ہر طرح کی حاجتوں کا ماوا و ملجا۔ سارے کلمہ گو مسلمان مرکزی مقام اور امیر مرکز کے خادم و مطیع

قرار پائے۔

کتب احادیث و سیر کے جاننے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ شریعت کی روشنی اُسی ذات پاک سے تھی تزکیۂ نفس اُسی روح پرور کے انفاس قدسیہ سے تھا میدانِ جنگ میں وہ سپہ سالار تھا انتظامات ملکی میں ایک بڑا مدبر سلطان تھا نزاعات باہمی و مناقشات کے فیصلوں میں ایک بے نظیر حاکم عادل تھا۔

غرض کہ مسلمانوں کی کوئی ضرورت و حاجت ایسی نہ تھی جس میں بجز اپنے پیغمبر کے کسی اور طرف وہ متوجہ ہوتے جب یہ مجمع الانوار عہد ختم ہوگیا اور پیغمبر نے اپنی امت سے پردہ کیا تو تعلیم گاہ نبوت کے ارشد تلامذہ یعنی خلفاء اربعہ کا زمانہ نوبت بہ نوبت اسی جامعیت کے ساتھ اُمّت محمدی کی نگہبانی کرتا رہا۔

ہاں جب بنو اُمیہ کا عہد آیا تو اُس وقت بارگاہِ خلافت میں یہ جامعیت باقی نہ رہی معاش خلیفہ کی بارگاہ میں لے جاتا معاد ائمہ اہل بیت کے آستانوں پر حاضر کرتا تھا اور مسائل شرعیہ کے لئے محدثین و فقہا کا حلقہ درس تھا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خلیفۃ المسلمین کی اطاعت و خدمت اُس وقت بھی ائمہ دین و عامہ مسلمین نے اپنے اوپر واجب ہی سمجھی جس وقت کہ بارگاہ خلافت سے جامعیت مٹ چکی تھی اس کے وجوہ و دلائل جسے دیکھنے کا شوق ہو وہ فقیر کا رسالۃ الابلاغ مطالعہ کرے اس مقام پر محض سلسلہ سخن قایم کرنے کے لئے اس قدر کہہ دینا ضرور تھا کہ وہ شمشیر اسلامی جس کے سایہ میں بیٹھکر علماء فقہ و حدیث کا درس دیتے صوفیہ تزکیۂ نفس و صفائے باطن کی تعلیم فرماتے اُس کا قایم و باقی رکھنا جملہ مسلمانان عالم پر فرض کفایہ ہے۔

سلطنت ترکی اس وقت تک مسلمانان عالم کی طرف سے اُن کے سارے فرائض جو تحفظ دین سے متعلق تھے ادا کرتی تھی مرکزی مقام جس کی خدمت فرض کفایہ ہے سلطنت ترکی ہی نے اسے اپنے ذمہ لے لیا تھا ساری دنیا اپنے قصر و ایوان باغ و راغ کی تعمیر و تزئین میں مصروف تھی لیکن سلطنت عثمانیہ کا تاجدار بیت اللہ و مدینۃ الرسول کی خدمت میں مشغول تھا۔

حرمین شریفین کا انتظام ان مقامات کی تحسین و تزئین قنادیل کا روشن کرنا ائمہ و موذنین و مفتیان دین متین کی خدمت حکام سیاسی انتظامی کا تقرر و تنخواہ سب خزانہ سلطانی سے ادا ہوتا رہا غلاف خانہ کعبہ کی تیاری اور اس سُنّت رسول کے قایم رکھنے کی سعادت اُسی کو نصیب ہوتی رہی خلیفۃ المسلمین نے اس میں کبھی کوتاہی کی نہ کبھی مسلمانوں کی طرف استمداد کا ہاتھ بڑھایا ان کے مال و دولت کو اُس نے انھیں کے لئے چھوڑ دیا تھا جس طرح خدمت حرمین شریفین فرض کفایہ ہے اسی طرح اُس کی محافظت بھی فرض کفایہ ہے اس وقت کہ خلافت عثمانیہ کو چھ صدیاں گزر چکی ہیں کوئی بتائے کہ بجز خلیفۃ المسلمین کے کس نے مرکزی مقام کی حفاظت میں اپنا خون بیدریغ بہایا ہے۔ خلیفۃ المسلمین نے حفاظت کی خدمت اپنے ذمہ لے کر تمام مسلمانان عالم کو اس فرض سے ایسا سبکدوش کر دیا کہ ان کے لئے راحت رساں مکانوں میں عیش کی فرصت تھی لیکن اُس کے لئے میدان جنگ تھا اور دشمنوں کا مقابلہ خویش و اقربا یار و احباب زن و فرزند کے اجتماعی معاشرت سے ہم لطف لیتے رہے لیکن وہ خدا کی راہ میں اپنا گلا کٹا کر اپنے بچوں کو یتیم بیویوں کو بیوہ بناتے نوجوان والدین کو داغ مفارقت دے جاتے ہم راتوں کو سکھ کی نیند سوتے تھے لیکن انھیں توپوں کی گرج اور بندوقوں کی سنسناہٹ آوازوں کے ساتھ اعزہ و احباب کے کھا۔۔۔

اور دم توڑنے کی صدمت سُننے سے مُہلت نہ تھی ہم نرم لبتر اور گرم لحاف میں لپٹ کر راحت کے مزے لوٹتے لیکن وہ تھے کہ خاک وخون میں برابر تڑپتے رہے چھ سو برس سے خلافت عثمانیہ مسلمانوں کے گوناگوں خدمات اسلامیہ کی ضامن وکفیل تھی۔

بیبادہ فوج کی سپہ سالاری لوار جہاد کی علم برداری رفاد حجاج کے کھانے کا انتظام سقایہ حجاج کے پانی کی سبیل یہ جملہ امور بارگاہ خلافت ہی سے سرانجام پاتے تھے آج اُس کی ہستی فنا کردی گئی مسلمانوں کا ایسا محسن مٹادیا گیا آستانہ نبوت کے خادم کا گلا گھونٹ دیا گیا پھر مسلمان بے چین نہوں تو کیا ہوں۔

کسی کا جگر ٹکڑے کردیا جائے قلب پاش پاش کردیا جائے جسم ریزہ ریزہ کردیا جائے اور پھر اس سے یہ پوچھا جائے کہ تو تڑپتا کیوں ہے عجیب بیرحمانہ اور حیرت انگیز طرز کلام ہے

فرض کرلیجئے کہ اس وقت مسلمان بے حیائی اور بیدردی کے مجسمہ بن جائیں اور سب کے سب خاموش وساکت ہو جائیں تو اس سے صورت واقعہ اور نفس مسئلہ کیوں کر بدل جائے گا اگر مخدر دوا مثل کوکین وغیرہ گلے پر مل دی جائے اور پھر دارو بے ہوشی سنگھا کر کوئی مدہوش کردیا جائے اس کے بعد اُس کا گلا کاٹ دیا جائے سرتن سے جدا کردیا جائے تو بیشک مقتول نہ واویلا کرے گا نہ تڑپے گا لیکن اُس کے سربُریدہ ہونے سے انکار کیوں کر کیا جائے گا۔

یہ مسئلہ ابھی کہہ چکا ہوں کہ مقامات مقدسہ کی خدمت اور حفاظت دونوں مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے جب اُس کا خادم ومحافظ نہ رہا تو یہ فرض اب سارے مسلمانان عالم کی گردن پر ہے جب تک وہ اسے انجام نہ دیں گے اس فرض کا مطالبہ برابر ان سے متقاضی رہے گا یہ ہو نہیں سکتا کہ لیت ولعل اور تن آسانی وتن پروری کے اعذار بارد،

پیش کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

یہ مسئلہ بالکل قطعی ہے کہ نصب امام امت پر واجب ہے شرائط امام میں توالبتہ گروہ مسلمین کا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن نصب امام کے واجب ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، رہی قوت دفاعی اُس کا ہمہ وقت موجود رکھنا فرض ہے اس سے تو کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

اسی جگہ ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیجئے خلافت یعنی نیابت نبی جسے امامت کبریٰ کہتے ہیں بعد امام حسن علیہ السلام حضرت عمر بن عبدالعزیز میں پائی گئی ان نفوس قدسیہ کے سوا جس قدر خلفا بنو امیہ یا بنو عباس میں گزرے ان میں سے کسی کی بھی خلافت امامت کبریٰ کے معنی میں نہ تھی یہ سب اسلام کے قوت دفاعی تھے انھیں خلیفہ جو کہا جاتا تھا اور ان کی اطاعت جو ضروری سمجھی جاتی تھی وہ محض اسی وجہ سے کہ شمشیر اسلامی کے یہ محافظ تھے اور حرمین شریفین کے خادم مرکزی مقام کی سیادت اور خدمت وحفاظت ان سے متعلق تھی جب خلفائے عباسیہ کا عہد تمام ہو گیا اور یہ نعمت باسعادت خاندان عثمان میں آئی تو اب مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہوئی یہ مسئلہ نہ تو اجتہادی ہے نہ اس میں ظن واحتمالات کی گنجایش ہے بلکہ یہ قطعی ویقینی اور ضروریات دین میں سے ہے کہ مسلمانوں پر حرمین شریفین کی خدمت فرض ہے اور ایسی قوت کا قایم رکھنا جو اعدائے اسلام کو ان مقامات مطہرہ سے دفع کر سکے یہ بھی فرض ہے اس سے انکار کرنے والے کا وہی حکم جو فرضیت نماز کے منکر کا حکم ہے خلافت عثمانیہ معنی امامت کبریٰ نہ سہی لیکن قوت دفاعیہ ہونے میں کسے مجال دم زدن ہے

جنگ یورپ نے جب کہ اسلام کی قوت دفاعی کو فنا کر دیا تو اب مسلمانوں پر یہ فرض ہو گیا کہ اُس قوت کو وہ پیدا کریں انگلستان کے وزیر اعظم اور اُس کے حواریین کو یہ ہرگز بھولنا نہ چاہیے کہ یہ وہ فرض ہے جو ادا ہو کر رہے گا۔

یہ ایسا فرض نہیں جو کسی خاص خطہ پر بسنے والے مسلمانوں ہی کا فرض ہو یورپ نے خود ہی سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر کے یہ تحریک عام عالم اسلامی میں پیدا کر دی کہ جو مسلمان جہاں کہیں بھی ہے اپنے اس فرض کے ادائیگی کے لئے آمادہ ہو جائے۔

رہا انجام سو خواہ موجودہ نسل مسلمانوں کی اسے انجام دے یا قادر مطلق کسی اور قوم کو دائرہ اسلام میں لاکر اس خدمت کی سعادت بخشے یا آئندہ آنے والی نسل اس برکت کی حاصل کرنے والی ہو یہ ایسا فرض نہیں جسے مسلمان بھول جائیں یا ان کا رب انھیں بھولنے دے لائڈ جارج! یہ دل کا خار ہے اس کی ٹیس اس وقت تک بیتاب رکھے گی جب تک یہ کانٹا نکل نہ جائے۔

(۶) مسلمانوں کے مذہب نے انھیں یہ بتایا ہے کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ناحق قتل کرے گا تو یہ ایک ایسا گناہ ہوگا کہ اس سے بڑا گناہ صرف کفر ہی ہے لیکن یہی قتل جب کہ اس وجہ سے عمل میں آئے کہ کسی قوم کافر کا غلبہ مقصود ہو اور مسلمانوں کے مقبوضات کو محروسات کفار میں شامل کرنا منظور ہو تو یہ نہ صرف گناہ ہے بلکہ کفر ہے۔ ایک مسلمان جب کہ کسی مسلمان کی زمین لیلے یا اس کے ملک پر فوج کشی کرے تو یہ جرم عظیم ہے لیکن مسلمان سے چھین کر کافر کو متصرف کر دینا نہ صرف ایک مسلمان کی حق تلفی ہے بلکہ حقوق مذہب کا اتلاف ہے اسلام کے تصرف سے نکالنا ہے یہ دین کا ایسا سچا اور کھرا مسئلہ ہے جس کا صریح و بیّن حکم کلام پاک میں موجود ہے لیکن سلطنت برطانیہ جب کہ خلافت سے برسر جنگ ہوئی تو مسلمانوں سے روپیہ قرض کے نام سے لیا انھیں فوج میں بھرتی کیا اور مقامات مطہرہ میں لے جا کر اس پاک سرزمین کو واجب الاحترام باشندوں کو جو خلافت کے جاں نثار تھے ان کے ہاتھوں سے قتل کرایا گیا۔

مسلمانانِ ہند جو سر تا سر افلاس کے شکار ہو رہے ہیں اگر ان سے روپیہ نہ لیا جاتا اور ان کی جماعت مقاماتِ مقدسہ پر جنگ کے لئے نہ بھیجی جاتی تو برطانیہ کے فوج و خزانہ میں کیا کمی آجاتی لیکن انھیں مُردہ قوم سمجھ کر ان سے صریح مذہب کے خلاف تعمیل کرائی گئی یہ اندوہناک غم ہر ذی فہم کے دل پر رہا۔

(۷) سلطنت برطانیہ کے فتح کی خبریں آئیں جشن منانے پر مسلمان بھی مجبور ہوئے بعض عمالِ سرکاری نے اپنی اظہار کارگزاری کے لئے مسلمانوں کو ایسا مجبور کیا کہ گھی کے چراغ جلوائے درگاہوں پر چادریں چڑھائیں اور روپیہ انھیں مصیبت زدوں سے لیا اخبارات میں یہ واقعات آتے رہے لیکن کسی افسر اعلیٰ نے یہ نہ پوچھا کہ تم نے کیا کیا اور کیوں کیا۔

رعایا بادشاہ کی خوشی سے خوش ضرور ہو گی بشرطیکہ مذہب سے تصادم نہ ہو تاہم یہ خوشی ایسی تھی کہ مسلمانوں کے لئے انتہائی بزم ماتم کا دن تھا رعایا ہونے کی حیثیت سے اگر انھوں نے نالہ و شیون نہیں کیا تو ثبوت وفاداری کے لئے یہی بہت کافی تھا لیکن انھیں جشن و طرب پر مجبور کرنا شاعروں سے قصائد لکھوانا زخمی دلوں پر نمک چھڑکنا تھا اہل درد تڑپ کر رہ گئے۔

(۸) یورپ نے اس جنگ کو حرب صلیبی قرار دیا فیصلہ جنگ کرتے ہوئے ترکوں پر ایسے اتہامات و الزامات عائد کئے جس سے سخت توہین مسلمانوں کے مذہبی گروہ کی ہوتی ہے اس سے مسلمانوں کے دلوں پر اور بھی چوٹ لگی۔

(۹) اگر دورانِ جنگ کے سارے واقعات ایک پلہ میں اور لائیڈ جارج کا تلخ جواب بعد مواعید شیریں دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو بھی دوسرا پلہ بھاری رہے گا اس حقیقت کو

فراموش کیوں کر کیا جائے کہ ایک انسان اپنے قول و عہد کو سچا اور موثق ثابت کرنے کے لیے جو کچھ کہہ سکتا ہے ایام جنگ میں وزیر انگلستان نے مقامات مقدسہ کے متعلق وہ سب کچھ کہا پھر ان مواعید کی اس طرح تکرار کی گئی کہ اس سے زیادہ تکرار کسی سلطنت کے ذمہ دار نے کبھی نہیں کی ہے لیکن جنگ کے بعد جگر خراش کلمات کہے گئے اور جس طرح اتحادیوں نے خلافت کے ٹکڑے اپنی سلطنتوں میں پیوند کر لیے اس سے جو کچھ اضطراب اور لوازم اضطراب نہ پیدا ہو جائیں وہی تعجب ہے۔

اُن مواعید کے علاوہ جو لندن سے پیام وزرا بن کر آئے خود ہندوستان کے سارے ذمہ دار افسروں نے ہر جگہ مسلمانوں کا مجمع کیا اور یقین دلایا کہ اس وقت لڑائی ہو پڑی ہے جب ختم ہو جائے گی تو فیصلے کے وقت خلافت کا اقتدار اور اس کی قوت علیٰ حالہٖ برقرار رکھی جائے گی لیکن آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ ناقابل فراموش بے رحمی و بے اعتمادی کی خود اپنی نظیر ہے۔

وزیر اعظم کا یہ کہنا کہ مقبوضات خلافت جب کہ فاتحانہ حیثیت سے حاصل کیے گئے تو پھر ان کی واپسی کیوں کی جائے یہ عجب طرز استدلال ہے۔

کیا مسلمانان ہند سے جو وعدہ ہوا تھا اُس کا ایفا اُس وقت ہوتا جب کہ ترک غالب و فاتح ہوتے مغلوب و ہزیمت خوردہ قوم کا فاتح و منصور کو ملک واپس کر دینا ایسی عجیب منطق ہے جسے دماغ وزارت ہی سمجھ سکتا ہے۔

تخلف وعدے کی ایک وجہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ اس جنگ میں دیگر دول یورپ بھی شریک و شامل تھے دولت عثمانیہ کے حصّے ہر ایک کی قسمت میں آئے ہیں شرکاء میں سے کوئی بھی جب کہ واپسی پر راضی نہیں تو پھر میں اپنا حصّہ کیوں واپس کر دوں۔

اس کے جواب میں یہ بحث فضول ہو کہ واقعہ کیا ہے لیکن اس قدر گزارش کی اجازت دیجئے کہ وعدہ تو آپ کا اور آپ کے ہم قوم حکاموں کا تھا نہ کہ وزرائے فرانس و روس وغیرہ کا اُن کے وعدہ بھی آپ ہی کی زبان سے ہم تک پہنچے تھے آپ اپنا وعدہ وفا کریں دوسروں سے آپ کو کیا غرض۔

لائڈ جارج! اس سوال کی اجازت دیجئے کہ ہندوستانیوں نے روپیہ آپ کی جناب میں نذر کیا تھا یا دیگر دول یورپ کے سامنے پیش کیا تھا ہندوستانی آپ کے محکوم ہو کر آپ کی طرف سے گلا کٹانے گئے تھے یا فرانس و روس کے ہمدرد بن کر قربان گاہ میں پہنچے تھے

اُس پر فتن زمانے میں مسلمانان ہند کی خاموش اطاعت نے آپ کے محروسہ و مقبوضہ ہند کو آپ کے قبضہ میں برقرار رکھا یا اس اطاعت گزاری سے فرانس و روس کا کوئی ملک محفوظ رکھا گیا۔

اگر ان سب جاں نثاریوں کا یہی صلہ ہے کہ سات کروڑ مسلمانوں کی مودبانہ اور جائز التماس اس طرح قدموں سے ٹھکرا دی جائے تو پھر اس ہنگامہ کی ذمہ داری آپ پر ہے نہ کہ کسی اور پر۔

آخر میں اس سوال کی اجازت اور چاہتا ہوں کہ اس وقت تو خلافت کے اجزا اس جرم میں باہم تقسیم کر لئے گئے کہ سلطنت عثمانیہ نے میدان جنگ میں اپنے کو بحیثیت مقابل شامل و شریک کیا لیکن اہل مصر کب آپ سے برسرپیکار ہوئے تھے جو اُن پر برسوں آپ کی نوازش رہی اور آج بھی کرم کا بادل اُن سے نہیں ہٹتا۔

جزیرۂ قبرص پر قبضہ کس جرم میں کیا گیا اُس وقت کس نے آپ سے جنگ کی تھی جو اس جزیرہ کو آپ نے اپنے مقبوضات میں داخل کر لیا۔

یونان نے سرکشی و فسوق جستجی کی غازی ادہم پاشا نے تھسلی پر جا کر اسلام کا ہلالی جھنڈا نصب کر دیا اُس وقت کون تھا جو یونان کا دست و بازو بنا جس نے ترکوں کو فتح کئے ہوئے ملک سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا۔

علم برداران تثلیث تنازع للبقا کا مسئلہ یہی حکم دیتا ہے کہ قوی کی ہستی ضعیف کو مٹنے سے قایم رہیگی مسلمانوں نے توحید و خدا پرستی کی طاقت و قوت کی قدر نہ جانی آخر کمزور و ناتواں ہو کر نمونہ عبرت و بصارت ہو گئے یہ اپنی شامت اعمال اور سوء اعتقاد کا نتیجہ ہے جو سامنے ہے لیکن تم یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہو جو اپنے فیصلہ کو اخلاق و انصاف کا مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہو۔

اضطراب و بے چینی کے ایسے واقعات جو بہت ہی اجلیٰ و روشن ہیں انھیں میں نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے اب گورنمنٹ کو اختیار ہے کہ رعایا کی بے چینی جس طرح چاہے دفع کرے مسلمانوں کے مذہب کا یہ نہایت سچا اور مستحکم مسئلہ ہے کہ مسلمان ہر اُس حصہ زمین پر آباد ہو سکتا ہے جہاں ارکان دینی میں مزاحمت نہ کی جائے لیکن مرکزی مقام کا کسی کے نظر تو تم پر چھوڑ دینا مسلمانوں کے لئے ایک ایسا گناہ عظیم ہے کہ جس کا کچھ کفارہ نہیں

اس جگہ کے لئے صرف اسی قدر کافی نہیں کہ ہم وہاں ارکان مذہبی بآزادی ادا کرتے ہیں بلکہ اس کو اس حیثیت میں ہونا چاہیئے کہ اگر بالفرض کوئی طاقت اُس مقام پہ مانع و مزاحم بھی ہونا چاہے تو مزاحمت اُس کے حیطہ وسعت و امکان سے خارج ہو مرکزی مقام پر مسلمانوں کی ایسی قوت ہر وقت مجتمع و مہیا رہنا چاہیئے کہ دینی و مذہبی ارکان کی تعمیل بزور و قوت ہو سکتی ہو نہ کہ کسی کی عنایت و رعایت کے طفیل میں گورنمنٹ کے سامنے اضطرار کی سچی اور صحیح تصویر پیش کرنے کے بعد مسلمانان ہند سے گزارش ہے کہ

کہ لفظ موالات کی تحقیق و تنقیح جو کچھ بیان کی گئی اُس سے ہر شخص بجائے خود فیصلہ کرلے کہ وہ کون سے تعلقات و روابط ہیں جنھیں گورنمنٹ سے (جو علاوہ کافر ہونے کے فریق محارب بھی ہے) پیدا کرنا یا باقی رکھنا جائز ہے اور کون سے تعلقات کا قطع کرنا واجب ۔

مقاطعہ کی تحقیق بھی گزر چکی بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت کر دیا گیا کہ مقاطعہ ہرگز داخل موالات نہیں ایسے فریق محارب کے ساتھ جو خانہ کعبہ پر متصرف تھے مسلمانوں کو عمرہ و حج ادا کرنے سے مانع آتے تھے بیت اللہ کو صنم خانہ بنائے ہوئے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعہ جاری نہ رکھا اور عمل مقاطعہ سے ان پر غلبہ پانے کی کوشش نہ فرمائی تو اب کسی کا یہ کہنا کہ یہ قرآن کا حکم ہے اور مقاطعہ فرض ہے کھلی بیدینی ہے۔ مباح کا فرض ہو جانا کہا جاتا ہے کہ اس وقت جب کہ جہاد بالسیف کی طاقت مسلمانوں میں نہیں تو وہ چیز جو مسلمانوں کو دشمن اسلام پر غلبہ عطا کرے وہ قایم مقام جہاد کے ہو گی اور وہ نہیں ہے مگر خاموش مقابلہ دشمن سے مقابلہ کے وقت بہت سے مسائل کی صورت متغیر ہو جاتی ہے مثلاً جاسوسی اخلاقاً و شرعاً مذموم ہے لیکن فریق محارب کے مقابلہ میں جاسوس مقرر کرنا اُن کے سرائر و مخفیات کا پتہ لگانا مستحسن و ضروریات جنگ میں سے ہے۔

فریق محارب پر بحالت محاصرہ یا مقابلہ غلہ اور پانی تک بند کر دینا جب کہ جائز ہے تو اس وقت انگریزوں سے مسلمانان ہند کا جو مقابلہ ہو گیا ہے اگر وہ چیزیں جو بحالت امن جائز تھیں اس مقاومت مجہول کی حالت میں جو قایم مقام جہاد ہے ناجائز بھی سمجھی جائیں تو کیا محذور شرعی لازم آتا ہے علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ ہم حکومت سے دست و گریباں نہیں ہوتے بلکہ نہایت خاموشی و سکون سے اپنے ہر طرح کے تعلقات اُن سے منقطع کر لیتے ہیں

اس انقطاع کا لازم نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت اپنے وطن کا رُخ کرے اور گھر پہونچکر خانہ نشین ہو جائے اُس وقت دو فائدے حاصل ہوں گے ایک تو حکومت ہند خود مختار ہو کر سوراج حاصل کرلے گی دوسرے مسلمانوں کا بڑا حریف دُنیا سے اگر دفع نہو گا تو کمزور ضرور ہو جائے گا لہذا مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ انقطاع کلی کریں۔

اس کے جواب میں فقیر نہایت ادب سے گزارش کرتا ہے کہ سوال جواز و عدم جواز کا نہیں گفتگو تو آپ کے اس ادعا میں ہے کہ آنجناب کی تحریکات کی تعمیل مسلمانان ہند پر فرض ہے اور جو شخص تامل و فکر کرے یا اصلاح و ترمیم پیش کرے وہ مرتکب حرام دائرۂ اسلام سے خارج اور پختہ منافق ہو گیا۔

لیڈران قوم بیشک یہ دین کا مسئلہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ سزاوار نہیں جو وہ اپنی ہستی کو مضمحل و ناتواں بنا کر رکھیں بیشک اصول زندگی مسلمانوں کو ایسا قرار دینا چاہیے کہ دیگر اقوام ان کی طرف محتاج ہوں نہ کہ یہ دوسروں کے دست نگر ہوں یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں جن سے کسی کو کسی وقت انکار نہیں لیکن تقویت و حصول غلبہ کی جو صورتیں آپ پیش فرما رہے ہیں وہ مسئلہ شرعی نہیں ہے بلکہ وہ آپ کی رائے ہے۔

غایتہ مافی الباب یہ کہ لیجئے کہ آپ کی رائے ایک مسئلہ شرعی کی تائید میں ہے لیکن اپنی رائے کو شریعت کا فتویٰ اور قرآن کا حکم قرار نہ دیجئے اگر کوئی آپ کی تجویز سے اختلاف کرتا ہے تو اُسے فرض کا منکر نہ کہیے فرائض تو وہی ہیں جنھیں حق سُبحانہٗ نے فرض کر دیا کیا آپ کی رائے اور حق سُبحانہٗ کا ارشاد ایک مرتبہ رکھتا ہے ایسا دعویٰ کرتے ہوئے کچھ تو حیا کیجیے۔

جنگ بدر کا موقع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر منزل قرار دیتے ہیں

حضرت حباب ابن المنذر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ اس مقام کو منزل گاہ آپ نے
بموجب حکم آلٰہی قرار دیا ہی یا موقع و تدبیر جنگ کا لحاظ ہے آپ نے فرمایا نہیں یہ رائے
اور جنگ ہی حضرت حباب عرض کرتے ہیں تو پھر یہ مقام مناسب نہیں بلکہ فلاں مقام
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حباب ابن المنذر کی رائے کو شرف قبول فرماتے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالے کہ ایک امر مذہبی اور فرض دینی کے انصرام و انجام
کی جب کہ شریعت نے صورت متعین و مشخص نہ کر دی ہو تو اختلاف رائے کی گنجایش
ہے اپنی رائے کو عین فرض اور امر دینی قرار دینا خلاف شرع ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے
بارہا اپنی رائیں رسول خدا کے حضور میں پیش کیں جو قبول سرکار رسالت ہوئیں لیکن آپ کا
آستانہ ایسا رفیع و بلند پایہ ہے جہاں اصلاح و ترمیم تو کجا عرض و معروض کی بھی مجال نہیں یا
جنبش لب پر تکفیر کا فتویٰ موجود ہے نہایت ادب سے چند امور گزارش خدمت ہیں خواہ آپ
قبول فرمائیں یا کافر و منافق کہیں اس کی پروا نہیں۔

ترمیم کے پانچ وجوہ | اولاً یہ کہ آپ فرماتے ہیں کہ مقاطعہ اس وقت فرض ہی دوسرا فریق عرض کرتا ہی
کہ اس طریق مقابلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ فرما دیا دلیل میں حضرت ثمامہ
بن اثال کا واقعہ پیش کرتا ہی لیکن آنجناب کے پاس بجز فرمان گاندھی اور کیا دلیل فرضیت ہی
مسلمانوں کو وہ طریقہ بتائیے کہ جس کے عمل کا نتیجہ مطلقاً کفار سے بے نیازی ہی۔

ثانیاً یہ گزارش ہی کہ مقاطعہ کا دائرہ جب تک اس حد کے اندر ہے جس کہ گورنمنٹ
کا کوئی نقصان بین نہیں اس وقت تک تو آپ خاموش رہ سکتے ہیں لیکن جب اس کے
حدود وسیع ہوں گے اور گورنمنٹ کے منافع سے آپ کی خاموشی کا تصادم ہوگا تو اس وقت
آپ ہزار چپ رہنا چاہیں لیکن یہ تکرار تو مہر سکوت توڑ کر ہی رہیگی آخر اس موقع کی بھی تو

سبیل بتایئے ؎

اے حضرت مومنؔ یہ مسلم ہے بجا ارشاد — بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے
لیکن جو بتوں ہی نے کہیں آپ سے کی بات — پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے

ثالثاً یہ عرض ہے کہ خاموش رہنا بھی ایک زبردست قوت کا خواہاں ہے ہندو بیشک اس قدر طاقت رکھتے ہیں کہ وہ اپنی خاموشی کو نباہ لے جائیں گے بلکہ اگر چاہیں گے تو اپنے مقابل کو خاموش بھی کر دیں گے لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں میں کسی طرح کی طاقت کا نام ونشان بھی نہیں ہے ان میں نہ مالی طاقت ہے نہ اخلاقی نہ دینی قوت ہے نہ روحانی لیڈری کا غرور اگر آپ گرامی قدر حضرات کو ایک لمحہ کی فرصت عطا کرے تو اس حقیقت سے انکار نہ کیجئے پہلے اس امر کی کوشش فرمایئے کہ مسلمانوں میں قوت پیدا ہو پھر چاہے خاموش مقابلہ کیجئے یا ناطق وگویندہ مقابلہ سے پہلے استطاعت مقابلہ فرض ہے جس طرح نماز سے پہلے وضو۔

رابعاً یہ التماس ہے کہ اصلاح کا موقع ہنوز باقی ہے اگر خدمت اسلام واقعی آپ کا مقصد ہے تو وہ کام شروع کیجئے جس سے مسلمانوں میں طاقت واستقامت پیدا ہو اجتماع وجماعت کے آثار ان میں پائے جائیں دیکھئے انبوہ اور بھیڑ پر نازاں نہ ہوجیے ان سے خاموش مقابلہ کی بھی توقع نہ رکھئے ان کے لئے حکومت کی تھوڑی سی سختی بھی کفایت کرتی ہے خدانخواستہ اگر آپ اب بھی نہ سمجھے اور اس بھیڑ کو اسی حالت سے مقاومت مجہول اور خاموش مقابلہ کے سامنے پیش کر دیا تو پھر یاد رکھئے کہ مہر خاموشی اس طرح ٹوٹے گی کہ گلے پھاڑ پھاڑ کر اس طرح چیخیں ماریں گے کہ برسوں تک اس کی گونج فضا میں سے عبرت وبصارت کا سبق دیتی ہوگی۔

خامسا یہ گزارش ہو کہ اگر آپ حضرات کو اپنے تجاویز پر یوں ہی اصرار ہے تو براہ کرم کتاب و سنت سے یہی بتا دیجئے کہ مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب تم میں ضعف و ناتوانی ہو تو اُس وقت تم خاموش مقابلہ کرو اور فریق مقابل تمہیں قید کرے مارے بے حرمت کرے قتل کر ڈالے تو یہ سب برداشت کر لو اس لئے کہ جب تم فنا ہو جاؤگے اور تمہاری ہستی ایک وجود موہوم کا مرتبہ پالے گی تو اُس وقت دشمن مغلوب و مفتوح ہو جائے گا اور تم غالب و فاتح۔

اگر شریعت سے آپ اس کا جواب نہ دے سکیں تو پھر کسی قوم کی تاریخ سے ہی اس کا ثبوت دیجئے کہ مقاومت مجہول بغیر قوت و استطاعت کے عمل میں لائی گئی اور کامیاب ہوئی۔ اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس درخواست کو قبول فرمایئے کہ یتعلم الحجامۃ علیٰ رؤس الیتیمے یعنی یتیموں کے سر پر حجامت کی مشاقی نہ کیجئے۔

اس وقت آپ کی جملہ تحریکات پر تنقید مقصود نہیں بعض اُن میں کی اگر بشرط صدق و صلاح ملک کے لئے بہت ہی مفید ہیں مثلاً سُدیشی یا ترک قوم فروشی و انگریز پرستی وغیرہ لیکن آپ کی وہ تحریک جس سے مسلمانوں کی سخت تباہی ہے اور انگریزوں کا ذرہ برابر نقصان نہیں یعنی مسئلہ تعلیم اُس کے متعلق کچھ گزارش ہے شاید آپ حضرات میں سے کسی کی سمجھ میں آ جائے۔

مسئلہ تعلیم | علوم اسلامیہ کی حفاظت کے لئے جب اپنی سلطنت نہ رہی اور ہندوستان میں ایک اجنبی و بیگانہ قوم کی حکومت فرماں روائی و حکمرانی کرنے لگی تو علوم اسلامیہ کی تحصیل میں مسلمانوں کی سرگرمی سرد مہری سے بدلنے لگی۔

اگرچہ زبان اجنبی محض تھی سیکھنے میں محنت شاقہ برداشت کرنی پڑتی تھی لیکن مجبوری

یہ تھی کہ اجنبی زبان معاش کا ذریعہ تھی اوّلین ضرورت جس نے مسلمانوں کو انگریزی کی طرف مائل کیا وہ یہی فکرِ معاش تھی۔

یہ مسئلہ محتاج بیان نہیں کہ مقاصد علوم تین ہیں تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس اور تربیت دماغ بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ علوم کے ہر سہ مقاصد کا بدرجہ تمام و کمال تکملہ علوم اسلامیہ سے ہوتا تھا۔

صدیوں تک مسلمانوں نے دنیا پر ایسی حکومت کی ہے جس کی نظیر نہ صفحات تاریخ میں ملتی ہے نہ آیندہ کسی دوسری قوم کی ایسی تاریخ لکھی جائیگی جہاں بانی و فرماں روائی کے ساتھ ہی ساتھ علم و فن کی بھی ایسی خدمت کی کہ بہت سے علوم انھیں کے اقدام سے ترقی پذیر ہوئے بہت سے علوم مسلمانوں نے خود ایجاد کیے کتنے مردہ فنون میں جان ڈال علوم عقلیہ اور فنون حکمیہ کے علاوہ خود ان کی مذہبی تعلیم کا ایسا بیکراں سرمایہ موجود ہے کہ ایک وہ شخص جو اپنے مذہب کو سمجھتا ہے اور اُس کے بتائے ہوئے اصول کو اپنی زندگی کا دستور العمل قرار دیتا ہے وہ اس سے بے نیاز ہے کہ اپنے دماغ کی تربیت اپنے اخلاق کی تہذیب اپنے نفس کا تزکیہ کسی غیر زبان یا غیر قوم کے علم و فن سے کرے لیکن جب اپنی سلطنت علوم اسلامیہ کی حمایت و حفاظت کے لئے نہ رہی تو ترقی کے سارے زینے ٹوٹ گئے اور علوم و فنون کی عمارت منہدم ہو گئی دوسری قومیں جو دنیا میں سریر آرائے سلطنت تھیں اُنھوں نے علم و فن کی بھی حکومت حاصل کر لی کسی قوم میں جب سلطنت آتی ہے تو اُسی کے ساتھ بہت سے محاسن و کمال بھی آجاتے ہیں لیکن جب سلطنت جاتی ہے تو محاسن و کمال صرف اُس قوم سے رخصت ہی نہیں ہو جاتے بلکہ ایک کافی مدت کے لئے اُسے دام حیرت میں ایسا گرفتار کر جاتے ہیں کہ

وہ قوم اس انقلاب کل سے متاثر ہو کر عالم سراسیمگی میں ششدر و حیران ہوتی ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ہندوستان سے مسلمانوں کی سلطنت جب زائل ہوئی اور ۱۸۵۷ء کے واقعہ سے ان کی آنکھیں کھولیں تو انھیں معلوم ہوا کہ سلطنت کے ساتھ کمالات و محاسن بھی ان سے رخصت ہو گئے یہ دوسری وجہ تھی جو علوم مغربیہ کی طرف انھیں مائل کرنے والی ہوئی اس وقت مغربی علم و فن کی ضرورت ثابت کرنے کی حاجت نہیں نہ اس پر دلیل لانا ضروری کہ آج مقابلہ محاربہ اور محافظت کا جو سامان سلاطین عالم کے پاس ہیں اگر ہندوستان اُنھیں اپنے لئے غیر ضروری سمجھتا ہے تو آزاد ہو کر دوبارہ گرفتاری و غلامی کی کسی غیر سلطنت کو دعوت دیتا ہے اس وقت مجھے صرف اس قدر گزارش کرنا ہے کہ جب تک ہندوستان میں حکومت برطانیہ باقی ہے اُس وقت تک وہ ضرورتیں بھی باقی ہیں جن کے زبردست مطالبات نے ہمیں انگریزی کی طرف مائل کیا۔

ایسی تعلیم گاہیں جن کی سند و تصدیق مصدقہ و مسلمہ گورنمنٹ ہوں اور ایسے اسناد جن سے ملازمت کا استحقاق ہو اُس وقت تک ضروری ہیں جب تک حکومت باقی رہے۔

ہندوستانیوں کا حکومت کے سارے شعبوں پر اس طرح حاوی ہو جانا کہ ہر رخنہ پر اُن کا ہاتھ پہونچ سکے فی الحقیقت سوا راج کی تاسیس ہے آج پولیس اور فوج میں ہندوستانی چھوٹے عہدوں پر بکثرت ملازم ہیں اگرچہ عہدہ بہت ہی حقیر اور تنخواہ بہت ہی تھوڑی ہے لیکن اس وقت موجودہ تحریک نے جو فوج و پولیس میں بھی ایک تاثیر پیدا کر دی ہے اُس سے ہندوستانی ایک قوت محسوس کر رہے ہیں۔

ہمسایہ قوم ہندو کو دیکھئے ایک ادنیٰ ملازمت سے گورنری کے عہدہ تک یہ قوم پہنچی ہوئی

ہی سارے دفاتر و آفس میں ہندو بھرے ہوئے ہیں پھر آج انھیں یہ زور بھی حاصل ہے
لیڈران قوم اب بھی سمجھے پہلے اس کی قوت پیدا کیجئے کہ آپ کی خاموشی و یکسوئی سے
دشمن چیخ اٹھے اور اس کی جمعیت کا شیرازہ بکھر جائے پھر خاموش ہو جئے۔

فرض کیا کہ آپ میں طاقت خاموشی نہیں لیکن ہندؤں میں ہے پھر آپ دونوں
مل کر دو دل یک شود بشکند کوہ را کا نمونہ پیش کر دیں گے برس روز میں سواراج حاصل
ہو جائے گا۔ لیکن اس وقت جب کہ سواراج کا عمل ہو گا عہدہ و مناصب کے مستحق اور حکومت
کے وہی شریک ہوں گے جن کے ہاتھوں میں علوم مغربیہ کی سندیں ہوں گی۔ انقلاب
حکومت کے بعد جب تک جدید حکومت اپنے قوانین وضع نہ کرے علوم و فنون کا تعین
و تشخص نہ کرے اس وقت تک سواراج کا قانون یہی موجودہ قانون سلطنت ہو گا اور آپ کی
مغربی علم کے جاننے والے اساتذہ ہوں گے اور اسی علم کی تعلیم درسگاہ سواراج میں دی جاتی
ہو گی۔ غرض سواراج مل کر بھی اس نسل کے لئے موجودہ تعلیم مفید ہی رہیگی۔

رہا یہ اعتراض کہ موجودہ تعلیم میں نقائص ہیں ضروریات قومی کے لئے یہ تعلیم
محض ناکافی ہے یہ بالکل بجا و درست لیکن یہ کوئی نیا خیال نہیں اس کی چارہ جوئی میں لیڈران
قوم ایک مدت سے سرگرم ہیں ان کے جد و جہد کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

تعلیم انگریزی کا ہندوستان میں جب آغاز ہوا تو نصاب تعلیم اور اوقات تعلیم میں کچھ
اس کا انتظام نہ تھا جس سے قومی و مذہبی معلومات پیدا ہوں لیے اشخاص جن کا مطمح نظر قوم کو
ایک زندہ قوم بنانا تھا انھوں نے اس نقص کو دیکھا اور قومی کالج کی بنیاد رکھی اس میں پیش قدمی
میں مسلمانوں نے سبقت کی تعلیم یونیورسٹی کے ساتھ جس قدر قومی و مذہبی تعلیم کا انتظام ہو سکتا
تھا اپنی درسگاہوں میں اسے قائم کیا لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ خود مسلمانوں نے

اس سے مستفید و مستفیض ہونے کی کوشش نہیں کی اس لئے ابتدائی انتظام جو کچھ ہو گیا تھا اس کی نہ تو کسی طرح کی افزائش ہو سکی نہ اُس میں التزام و انضباط کی شان پیدا ہوئی۔

مثلاً علی گڑھ کالج میں تعلیم دینیات کا جو انتظام رہا ہے مسلمانوں کی اولاد اگر اس سے نفع حاصل کرنا چاہتی تو آج مذہب کے لئے اُن کا وجود اجنبی نہ ہوتا۔ منتظمین کالج میں بعض ایسے حضرات بھی برابر شریک رہے ہیں جن کی دلی تمنا یہ تھی کہ طلبہ میں ذوق مذہبی کم از کم اتنا تو ضرور پیدا ہو جائے جس کی چاشنی انہیں جہاں کہیں بھی رکھتے اور جس ماحول میں بھی خدمتِ اسلام سے غافل و بے پروانہ ہونے دے یہ کوشش اُن کی برابر مسلسل جاری تھی لیکن ملک و قوم میں مذہب سے بے پروائی کی جو آندھی چل رہی تھی اُس میں یہ سعی پراگندہ و مضطر ہو کر رہی۔

معترضین کی فرض ناشناسی | اس جگہ بغیر اس اظہار کے رہا نہیں جاتا کہ ٹرسٹیان کالج میں سے آج جس کے نام پر سب و شتم اور لعن و طعن کا بھیجنا قوم مسلم ثواب و عبادت سمجھ رہی ہے احاطۂ کالج میں دین کی خدمت اس وقت تک اسی کی قسمت میں رہی وہ ٹرسٹی صاحبان جنہیں دعوئ حق نے آج مخمور کر رکھا ہے ان کی تشریف آوری جب کبھی احاطہ کالج میں ہوئی تو کرکٹ کے میدان کی رونق ہو گئی یونین کلب میں گرمی سخن کی دھوم دھام رہی لیکن اسباق دینیات پر ہمیشہ اُداس ہی چھائی رہی۔ جنوری ۱۹۳۰ء میں بھی تین دن تک کالج میں قیام رہا مدت قیام میں کرکٹ فیلڈ اور یونین کی رونق خوب ہوئی لیکن درس تفسیر درس تجوید تین دن تک سونا اور خاموش ہی رہا کبھی ان میں سے ایک صاحب نے بھی نہ تو تجوید کلاس میں شرکت فرمائی نہ درس تفسیر میں بیٹھے نہ دینیات کے لکچر کو کالج کلاسوں میں جا کر معائنہ کیا نہ کبھی مدرسین دینیات سے کوئی مشورہ کیا نہ طلبہ میں ذوق مذہبی کسی وقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہاں جب

مسٹر گاندھی کا کلمہ پڑھتے ہوئے اُس کی امت میں داخل ہوئے تو اس تلقین کی تبلیغ شروع کی کہ نیشنل کالج بناؤ کتابیں طاق نسیان کے حوالہ کرو بارہ گھنٹے یومیہ چرخا چلاؤ سیاست سلطنت علم مذہب اور خلافت سب اس چرخے کی گردش و چکر سے تمھیں حاصل ہو جائے گا۔

اس وقت تک قومی اسکولوں اور قومی کالجوں نے جو کچھ خدمت ملک و قوم کی کی ہے وہ آج سامنے موجود ہے لیکن بلند ہمت فراخ حوصلہ ہمدردان قوم نے اسے بھی اپنے اغراض و مقاصد کے لئے محض ناکافی سمجھا اس لئے یونیورسٹی کے خواہاں ہوئے۔

قومی یونیورسٹی کا خیال بھی آج سے ۵۰ برس قبل جس کے دماغ میں آیا وہ اسی مصیبت زدہ قوم مسلم کا ایک فرد تھا اب کہ یونیورسٹیاں مل گئی ہیں اُن کی آزادی کا سوال درپیش ہے غرض تعلیم کے متعلق اس وقت جو کچھ کہا جا رہا ہے یہ وہی صدا ہے جس کی منادی تیس برس سے مسلمانوں میں پکاری جا رہی ہے افلاس بے پروائی اور برکات علمیہ سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے جو اب اگر مسلمانوں کی ایک یونیورسٹی ہوئی ہے جس کے انجام کا علم عالم الغیب کو ہے۔

الغرض آزاد یونیورسٹی کی آواز بندگان گاندھی نے اس وقت بلند کی ہے اس کا خصوصی امتیاز سب وشتم اور لعن وطعن البتہ ہے اس فتنہ انگیز اور دل آزار جز کو اگر ان کی تقریر و تحریر سے الگ کر لیا جائے تو یہ وہی دیرینہ سی سالہ تمنا ہے بلکہ اگر بہ نظر انصاف دیکھئے تو حامیان قوم نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا ہے۔

ملک نے کامل غور کے بعد یہ طے کر لیا کہ مسلمانوں کو اگر کسی وقت آزاد یونیورسٹی مل بھی گئی تو علوم و فنون کا غیر زبان میں پڑھنا عمر کو برباد کرنا ہے کسی قوم کے لئے

یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ علوم کو اجنبی زبان میں حاصل کرے اس دشواری کو اُس ذات نے حل کیا جس کے جود و کرم کا شفیق و مہر پرور ہاتھ ہمیشہ مسلمانوں کی طرف دستگیری وتسکین کے لئے بڑھتا رہا ہے یعنی خسرو دکن شہنشاہ حیدرآباد نے ایک دارالترجمہ قایم کیا علوم و فنون کے تراجم اُردو زبان میں ہوئے اور ہو رہے ہیں ایک اُردو یونیورسٹی کی بنیاد قایم کر دی گئی جو ابھی اپنے عہد رضاعت میں ہے لیکن اپنی رونق و عظمت سے اپنے شباب کا خوش آیند نظارہ پیش کر رہی ہے بیشک اگر ہندوستان کو آزاد یونیورسٹی کی اجازت ہو گئی یا موقع مل گیا تو اُس وقت یہی اُردو یونیورسٹی آزاد تعلیم کی مربی ہوگی

دوستو ناقص کو کامل بنانا کامل کو کامل تر کی حیثیت تک پہنچانا ترقی و کمال کہ سیڑھی ہے موالات و عدم موالات سے اس کا کیا تعلق اس وقت گفتگو مسئلہ موالات میں ہے نقص اور اُس کے دفاع کا مسئلہ درپیش نہیں نقص تعلیم ایک مسئلہ مسلّمہ ہے اور دفاع کی تجاویز بعض زیر عمل اور بعض زیر بحث۔

آپ نے یہ کہا کہ ترک موالات اور نان کوآپریشن باہم مرادف ہیں مسٹر گاندھی نان کوآپریشن کے حدود جو کچھ متعین فرمائیں اور جس طرح اس میں توسیع کرتے جائیں وہ سب ترک موالات میں داخل ہوتے جائیں گے۔

اسی بنا پر سب سے پہلے آپ نے اسلامی تعلیم گاہوں کی طرف توجہ فرمائی مسئلہ الحاق اور امداد مالی ان دونوں کو آپ نے فریق محارب سے امداد و استمداد قرار دیتے ہوئے ان پر خالص موالات کا حکم صادر فرمایا ایسی درسگاہیں جو گورنمنٹ سے امدادی روپیہ لیتی ہیں اُن میں پڑھنا پڑھانا یا کسی اور صیغہ میں اُس کے ملازم رہنا آپ نے حرام اور کفر قرار دیا حالانکہ بحیثیت ٹرسٹی آپ خود اُس سے تعلق رکھتے تھے اور اس وقت تک بھی یہ علاقہ آپ کا

باقی ہی شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ آپ اس تعلق سے اصلاح چاہتے ہیں پس آپ کا یہ قول نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہی لیکن معلین کا مقصود افساد مسلمین و تائید عیسائیت کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا اس لئے حرام و کفر جیسا کہ سنین ماضیہ میں دونوں کے آثار خدمت کا تجربہ ہو چکا ہی۔

بہرحال اس بحث کو چھوڑیئے اس لئے کہ اس وقت دین مذہب ایمان اور اسلام صرف آپکے اعمال و اقوال کا نام ہے ۔۔۔ سے اسلام و ایمان کی تعریف کچھ اور ہی ہو گئی ہے۔

تعلیمی امداد کا مسئلہ لیکن ادب سے یہ گزارش ہی کہ وہ اشخاص جو ابھی آپ کا وہ مرتبہ تسلیم نہیں کرتے جس منصب کا آپ کو ادعا ہے بلکہ وہ اسی واحد قہار کے ماننے والے ہیں جو آپ کا اور جملہ عالم کا خالق و رب ہی اور اسی نبی کو پیغمبر یقین کرتے ہیں جسے حق سبحانہ نے خاتم النبیین فرمایا ہی ایسے اشخاص کے لئے مجرد آپ کا فرمان اس وقت تک لاسود ہو گا جب تک آپ اُن کے معبود احکم الحاکمین کا حکم یا اُن کے پیغمبر صادق مصدوق کا ارشاد پیش نہ فرمائیں لہذا نہایت عاجزانہ آپ حضرات گرامی قدر سے نیاز اس مسئلہ کو سمجھنا چاہتا ہے کہ ازروئے شریعت اسلام مالی امداد اور الحاق مدارس موالات کیوں کر ہے مالی معاونت کی حقیقت یہ ہی کہ گورنمنٹ ہم سے تعلیمی ٹیکس وصول کرتی ہے اس کا مالگذاری اراضی سے کوئی تعلق نہیں یہ تو وہ رقم ہے جسے علاوہ لگان ہم ہندوستانیوں سے وصول کیا جاتا ہے ہندوستانی اپنے کمائے ہوئے اور حاصل کئے ہوئے روپے میں سے ادا کرتے ہیں ٹیکس کے نام سے گورنمنٹ ہم سے لیتی ہی اور مدد کے نام سے ہمیں واپس دیتی ہی اس لین دین اور الٹ پھیر میں نہ عیسائیت کی مدد نہ نصرانیت کی معاونت اپنا لیا دیا ہوا

مال جو تعلیم ہی کے لئے ادا کیا گیا تھا جب اُس کی واپسی ہوئی تو یہ موالات کیوں کر ہو گیا۔

(۱) کیا کافر کے ہاتھ میں جب اپنا مال پہونچ جائے تو اُس کی واپسی موالات ہو جائے گی۔

(۲) کیا زبردست کافر جب کسی ناتواں سے کچھ چھین لے پھر اُسے واپس کرے اور واپس کرتے ہوئے اپنے احسان و امتنان کا اظہار کرے تو کیا وہ ضعیف جو اپنے مال کی طرف محتاج بھی ہے بایں خیال اُس کے لینے سے انکار کرے گا کہ اس طرح مال کی واپسی موالات ہو۔

(۳) خلافت کے متعلق سلطنت برطانیہ سے آج جو کچھ طلب کیا جا رہا ہے اگر برطانیہ یہ کہکر واپس کرنا چاہے کہ یہ میرا احسان و کرم ہے جو فتح کئے ہوئے ملک کو واپس کرتا ہوں ساتھ ہی ایک معاہدہ جس میں آیندہ کے لئے اپنے ساتھ عمل معروف کا خلافت سے مطالبہ ہو پیش کرے تو کیا مسلمان اپنے ملک کو واپس لینے سے اس بنا پر انکار کر دیں گے کہ یہ موالات ہے براہ کرم قرآن حدیث یا فقہ سے اس کا جواب دیجئے اور اسے ثابت کیجئے کہ اپنے مال کی واپسی کا فریا فریق محارب سے موالات ہے کفر ہے حرام ہے نفاق ہے۔

تغیر عالم کو دیکھتے ہوئے علمار کرام نے اپنے دل و دماغ کو سیاسیات کی فکر سے ایسا بے نیاز کر لیا تھا کہ علامہ ابن خلدون کو اس مقدس گروہ کے حق میں یہ فیصلہ دینا پڑا کہ ابعد الناس عن السیاسیۃ ھم العلماء یعنی علمار کا دماغ سیاست کے سمجھنے سے بہت ہی دور ہے یہ فیصلہ کیوں جائز رکھا گیا اور اس کے اسباب و علل کیا ہیں اس وقت اس سے بحث نہ کیجئے صرف اس قدر ملاحظہ فرمائیے کہ آج یہ فیصلہ صدق و حق کے معیار پر

کیسا کھرا ثابت ہو رہا ہے۔

ہندوستان میں ریفارم اسکیم کا ملنا لفظ سوراج کا شاہی خاندان کے رکن رکین کے زبان پر آنا کس کا نتیجہ ہے آیا مدارس عربیہ کے علما اور طلبہ کے فکر و عمل کا نتیجہ ہے یا تعلیم یافتگان علوم مغربیہ کے افہام و تفہیم اور جد و جہد کا ثمرہ ہے۔

علوم عربیہ کے جاننے والے اس وقت جس حال میں ہیں امور دنیاوی اور پولیٹکس حالیہ میں اُن کے دماغ کی بلندی حوصلہ و ہمت کا علو قوت فکریہ کی صحت جس درجہ پر ہے وہ محتاج بیان نہیں ہندوستان کے ہر باشندے کو اس دینی گروہ سے روزانہ سابقہ رہتا ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔

علوم عربیہ جو جملہ مقاصد تعلیم کو علیٰ وجہ الکمال حاوی و محیط آج اُس کے جاننے والوں کی یہ حالت کیوں ہے اس کی تحقیق و تنقیح چھوڑیے حالات و واقعات ہند کو دیکھیے کہ کیوں کر ہوئے اور کس کے ہاتھوں سے ہوئے۔

علوم مغربیہ اور مسلمان انگریزی سلطنت جب اپنے ساتھ علوم مغربیہ ہندوستان میں لائی تو ہندوستانیوں نے دیکھا کہ اب بقا اور نمود کی زندگی بغیر علوم مغربی حاصل کیے ناممکن ہے تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور ہندوؤں نے بڑھ کر تعلیم انگریزی کا استقبال کیا خوش آمدید کا نعرہ بلند کیا جب اس قوم کے ایک خاص حلقہ میں یہ تعلیم پھیل گئی اور انگریزی کے واقف کار کچھ ہندوؤں میں تیار ہو گئے تو اُن میں احساس پیدا ہوا اور حکومت کے انداز فرماں روائی پر نکتہ چینی شروع کی اپنے حقوق کے باب میں صدائے احتجاج بلند کی ہوم رول سلف گورنمنٹ یا سوراج کا تخیل سب سے پہلے علم مغربی سے آشنا دماغ میں آیا حکومت خود مختاری کی صدا جس نے اپنے منہ سے نکالی اور ہندوستان کے رہنے والوں کو یہ سامعہ نواز نغمہ جس نے سنایا وہ

انگریزی داں ہندوستانی تھا۔ کانگریس جو سوراج کا سنگ بنیاد ہے اس کی تاسیس اور پھر اس عمارت کی تعمیر و تکمیل جن ہاتھوں نے کی ہے وہ سب انگریزی خواں اور انگریزی داں ہیں۔

مسلمانوں میں جب علوم مغربیہ کا آغاز ہوا اور پھر ان میں بھی ایک تعداد تعلیم یافتوں کی تیار ہو گئی تو احساس و تاثر یاں بھی ظاہر ہونے لگے لیکن افسوس ع

ہم ابھرتے ہوئے جھونکے میں خزاں کے آئے

یہ واقعہ ہے حقیقت ہے اس سے انکار کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے کہ ہندوستانیوں کا حکومت کے سامنے آنا اپنے مطالبات کو موثر پیرایہ میں پیش کرنا ثبات و قرار سے اپنے حقوق کے طلب میں مسلسل سرگرم کار رہنا اور پھر اپنی کامیابی کے لئے ایثار و قربانی سے دریغ نہ کرنا یہ سب تعلیم انگریزی کا ثمرہ ہے۔

آئین سلطنت پر جنھوں نے نکتہ چینی کی ہے وہ انگریزی خواں ہیں حکومت خود اختیاری کا جنھوں نے نعرہ بلند کیا ہے وہ انگریزی خواں ہیں غلامی کی ذلتوں کا جس نے احساس پیدا کیا ہے وہ انگریزی خواں ہیں قید خانوں میں سب سے پہلا قدم جن کا پہنچا ہے وہ انگریزی خواں ہیں دار و رسن سے جن کے گلے پہلے آشنا ہوئے وہ انگریزی خواں ہیں۔ ایک گوشۂ ملک سے دوسرے گوشہ تک جنھوں نے ہلچل مچا رکھی ہے وہ انگریزی خواں ہیں طرفگی یہ کہ سارے انگریزی خواں انھیں کالجوں کے تعلیم یافتہ اور سند یاب ہیں جن کا الحاق گورنمنٹ کی یونیورسیٹیوں سے ہے سرکاری کالج یا امدادی کالج میں تعلیم پانے سے اُن کے جذبات قومی نہ فنا ہوئے نہ مٹے الحاق نے امداد نے اگر ایسی غلامی ایسی محبت تملق اور ایسی مزدوری کی تعلیم دی ہے جس کا نتیجہ ملک کے پیش نظر ہے تو کیا اچھا ہوتا

کہ سارے مدارس عربیہ کو امداد ملتی اور ان کا الحاق بھی گورنمنٹ کی یونیورسیٹیوں سے ہوتا تاکہ آج مسلمانوں کے پاس بھی گروہ عربی خواں میں ایسی ہی آئین سلطنت کے حاشیہ بردار عشق و محبت انگریزی میں سرشار اور خدمت سلطنت کے لئے مزدور موجود ہوتے۔

اس وقت علمار سیاسی میں جو خروش و جوش ہے وہ بھی نتیجہ انھیں انگریزی خوانوں کا ہے انھیں کے ہاتھوں نے انھیں جھنجوڑا جب ان کی آنکھیں کھلیں انھیں کے ہاتھوں نے سہارا دیا جب ان کے قدم اُٹھے انھیں کی آوازوں نے ان کی زبانیں کھولیں جب یہ بولنے لگے رہا گروہ علمائے ربانیین کا وہ پہلے بھی عقلا دنیا سے بے نیاز تھا اور آج بھی مستغنی ہی ہے

ملک کا جناح اُن کے زیر قدم ہے
عزیزوں کا قد سامنے اُن کے خم ہے

اس وقت بھی اگر انگریزی خواں جماعت ان تحریکات سے الگ ہو جائے تو سارے جمعیت العلمار کے فضلائے یگانہ اپنی اپنی درسگاہوں میں ہوں گے یا ممبر و محراب میں کسی یتیم خانہ یا مدرسہ یا مسجد یا انجمن اسلامیہ کا وعظ فرما کر آخر میں تحریک چندہ فرماتے ہونگے وزرائے انگلستان کے آرا پر تنقید اور سیاست ہند پر مباحثہ کسی کے وہم میں بھی نہ آئے گا ع گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش" فرماتے ہوئے سیاست کے سارے ابواب طے فرمادیں گے۔

اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ فرمایئے کہ تعلیم انگریزی ہندوستانیوں کے احساس تاثر اور تقویتہ کا واسطہ ہے یا فریق محارب کے لئے اجیر او رغلام وغیرہ بننے کا ذریعہ و واسطہ مسلمان اپنی ہستی قایم دباقی رکھنے کی غرض سے پڑھتے ہیں یا انگریزوں کی

معاونت وامداد کے لئے تعلیم پاتے ہیں ۱۸۳۵ء میں مسلمانوں نے ایک میموریل گورنمنٹ میں بھیجی تھی جس پر آٹھ ہزار مسلمانوں کے دستخط تھے درخواست یہ تھی کہ انگریزی تعلیم پر کوئی رقم صرف نہ کی جائے۔ اسی رقم کو گورنمنٹ علوم مشرقیہ پر صرف کرے اگرچہ اسی سال راجہ رام موہن رائے کی سرکردگی جو وفد ہندوؤں کے طرف سے پیش ہوا تھا اُس میں یہ استدعا تھی کہ گورنمنٹ بجائے علوم مشرقیہ کل رقم علوم مغربیہ پر صرف کرے۔

آج گورنمنٹ اُس وقت کو اور مسلمانوں کی میموریل کو یاد کرتی ہوگی کہ کاش مسلمانوں کی درخواست قبول کرلی جاتی تو گورنمنٹ کے سامنے ایسے ہی تعلیم یافتہ ہوتے جیسا کہ درسگاہ مشرقی نے تیار کئے ہیں۔ تار، ڈاکخانہ ریل وغیرہ اگر موالات کے قسم میں اس لئے داخل نہیں کہ اس سے مسلمانوں کا فائدہ ہے تو تعلیم انگریزی اور اسکول وکالج کا الحاق وحالی مدد بدرجۂ اولیٰ داخل موالات نہیں۔

مسئلہ موالات کے تحت میں یہ بحث اچھی طرح صاف وواضح کردی گئی کہ کفر کی حمایت یا کفر کی طرف رجحان کا نام موالات ہے مالی امداد جب کہ اپنے ہی مال کی واپسی ہو تو اس میں کفر کی طرف یا کافر کی طرف رجحان کا کیا احتمال پھر جیسا رجحان ہوا وہ اس ہنگامہ سے عیاں ہے اس پر بھی الحاق یا امداد مالی کو اگر موالات کہا جائے تو یہ شرعی مسئلہ کا بیان اور احکام دین کی تبلیغ نہیں ہے یہ تو کھلی ہرزہ سرائی اور فحش گوئی کا ایک حیلہ پیدا کرنا ہے۔

تعلیمی تناسب کا اثر | یہ مسئلہ بالکل بدیہی ہے کہ ملک موجودہ اصلاح پر کام کرے یا انقلاب کے بعد کوئی اور پہلو اختیار کرے پرسش جب کبھی اور جہاں کہیں بھی ہوگی جماعت تعلیم یافتوں ہی کی ہوگی جس گروہ میں تعلیم یافتہ زیادہ اسی گروہ کا حکومت میں حصہ اور اقتدار زیادہ ہوگا

موجود میں ہندو تعلیم میں بہت آگے ہیں اسی سبب سے حکومت میں اُن کا حصہ بھی بہت ہی غالب ہے عملاً آدمی حکومت اگر اس وقت بھی ہندوؤں کی تسلیم کی جائے تو یہ حقیقت واقعی ثابت ہوگی۔ ہندوؤں نے اس قدر تعلیم حاصل کرلی ہے کہ اگر دس برس تک یکقلم تعلیم سے دست کش ہوجائیں اور مسلمان اس اثنا میں بڑی سرگرمی سے تعلیم حاصل کریں جب بھی ہندو تعلیم یافتوں کا شمار مسلمانوں سے المضاعف ہوگا۔

ہندوستان میں جس قدر کالج یا اسکول سرکاری ہیں اگرچہ نام و تنخواہ کا اُن کے تعلق سرکار سے ہے لیکن دراصل اُن کا فیض ہندوؤں کے لئے مخصوص ہوگیا ہے اختیارات وغیرہ کہیں بلاواسطہ اور کہیں بواسطہ چوں کہ ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں ہیں اس لئے متعلقات بھی اسی قوم کے حصے میں ہیں سارے ہندوستان میں مسلمانوں کے صرف تین کالج ہیں علی گڑھ، لاہور اور پشاور۔

اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس[۱۲۵] ہے تین مسلمانوں کے اور ایک سو بائیس[۱۲۲] ہندوؤں کے ان میں سے اگر سرکاری کالجوں کو جن کی تعداد کل چونتیس[۳۴] ہے الگ کرلیجئے جب بھی اٹھاسی کالج خاص ہندوؤں کے رہ جاتے ہیں ان میں بائیس[۲۲] کالج ایسے ہیں جس میں گورنمنٹ کی امداد قطعاً شامل نہیں اور چھیاسٹھ[۶۶] ایسے کالج ہیں جن کو گورنمنٹ کی امداد جاری ہے تین اور اٹھاسی کی نسبت ذرا غور سے ملاحظہ کیجئے پھر تعلیم کے ملیامیٹ کرنے کا فیصلہ کیجئے سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی چھیالیس[۴۶] ہزار چار سو چھتیس[۳۶] (۴۶۴۳۶) ہے جن میں سے مسلمان طلبہ چار ہزار آٹھ سو پچھتر (۴۸۷۵) ہیں ہندو طلبہ کی تعداد اکتالیس[۴۱] ہزار پانچ سو باسٹھ (۴۱۵۶۲) ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو چوبیس[۲۴] کروڑ اور مسلمان سات کروڑ ہیں اس تناسب سے جب

مسلمانوں کے تین کالج تھے ہندوؤں کے بارہ ہوتے۔

مسلمان طلبہ کی تعداد کالجوں میں چار ہزار تھی تو ہندو سولہ ہزار ہوتے لیکن جب کہ واقعہ نمونہ عبرت پیش کر رہا ہو تو سلسلہ تعلیم کو تہ و بالا کرنے میں کس کا نقصان ہے۔

جس قوم کی تعلیمی حالت یہ ہو کہ سات کروڑ میں سے صرف چار ہزار مشغول تعلیم ہوں اُس قوم کا یہ ادعا اور ہنگامہ کہ اب ہمیں تعلیم کی حاجت نہیں اگر خبط و سودا نہیں تو اور کیا ہے سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "رائے بے طاقت مکر و فسون ست و طاقت بے رائے جہل و جنون"۔

مشرقی تعلیم کی کس مپرسی انگریزی تعلیم جس سے معاش وابستہ تھی اُس کا جب یہ حال ہے تو عربی تعلیم کا کیا انجام ہوا اُسے شہداء علوم مشرقیہ سے پوچھئے علم کی مسندیں ویران ہوگئیں مدارس دینیہ سونے پڑ گئے نہ پڑھنے والا ملتا ہے نہ پڑھانے والا۔

مدرس اوّل کی تلاش میں اعلیٰ مدارس سرگرداں ہیں جستجوئیں کرتے ہیں بیش قرار تنخواہیں دیتے ہیں لیکن مدرس ہے کہ نہیں ملتا سارے ہندوستان میں پھر آئیے پانچ چھ عالموں کے سوا کوئی ساتواں اور آٹھواں نہ ملے گا۔ یہ تو آپ کے جمعیت العلماء کے اولین ارکان میں سے ہی جہاں ایک اعلان پر پانچو عالم جمع ہو کر فتویٰ مرتب کر دیتے ہیں لیکن افسوس کہ وہ عالم ان میں سے نہیں ہوتے جو اُن کا فیض ہم خاکیوں تک متعدی ہوتا۔

علوم عربیہ و دینیہ سے مسلمانوں کی لاپروائی و توحش کا اس سے اندازہ کیجئے کہ ندوۃ العلما کی اس وقت کیا حالت ہے۔

ندوۃ العلماء کی بنیاد جس اصول پر رکھی گئی تھی اُس سے مقاصد تعلیم زمانۂ حال کے مطابق علیٰ وجہ الکمال پورے ہوتے تھے علماء اہل سنت کا اختلاف نظام تعلیم سے نہ تھا

یہ مسئلہ تو متفق علیہ تھا۔

ندوہ نے تکملہ علوم عربیہ و دینیہ کے ساتھ تعلیم انگریزی بھی داخل نصاب کی تاکہ اس مدرسہ کا فارغ التحصیل طالب العلم اگر انگریزی تعلیم حاصل کیا چاہے تو پانچ برس میں گریجویٹ ہو جائے اور اگر مطالعہ و محنت سے کام لے تو اس قدر استعداد اس میں موجود ہو کہ بغیر داخلہ کالج قوت مطالعہ سے ہر طرح کا فائدہ کتب انگریزی سے حاصل کر سکے۔

ندوۃ العلماء کے سند یافتہ اس وقت ملک میں موجود ہیں اُن کی لیاقت وفضل کا ثبوت اُن کی مصنفہ کتابوں سے ملتا ہے قوم میں اگر علم کی تشنگی ہوتی تو اس وقت ندوۃ العلماء میں کم از کم دو ہزار طلبہ مشغول درس و تدریس ہوتے مالی حالت اس کی ایسی ہوتی کہ دریدہ کاسۂ گدائی لئے کرائے پھرنا نہ پڑتا لیکن اس وقت جو خستہ و شکستہ حالت اُس کی ہو رہی ہے وہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔ رہے مدارس اہل سنت اُن سے چشم پوشی کا یہ حال ہے کہ آج اس کی بھی خبر و تمیز نہیں کہ اہل سنت کے کیا معنی ہیں اور اس کی صحیح تعلیم کہاں مل سکتی ہے

دوستو جا بجا نیشنل کالج اور اسکول قایم کرنے سے تو یہ کہیں بہتر ہوتا کہ اوّلاً تم اپنی مجموعی قوت سے ندوۃ العلماء کی تائید و تقویت کرتے جو باکمال ہستیاں کہ اس وقت علوم عربیہ کی امین و خازن ہیں انہیں ندوۃ العلماء میں لا کر جمع کرتے اور اس اجتماع سے لائق ترین فضلا ایک کافی تعداد میں ملک و قوم کے لئے تم تیار کر لیتے۔

الحاق کا سوال تو ندوہ میں تھا ہی نہیں امداد لیتا تھا سو اس نے بند کر دی انگریزی تعلیم پہلے سے موجود ہے عربی و دینی علوم تو اُس کا اصل جوہر ہے اس سے بہتر اور کیا نیشنل کا نمونہ تمہارے ذہن میں ہے ہاں چرخہ چلانا مسلمانوں کو کافر کہنا دین کسی کافر سے سیکھنا رامائن کی پوجا میں شریک ہونا بیشک وہاں کے نصاب سے خارج ہے۔

عزیزانِ وطن ایسے وقت میں جب کہ اسلام اپنے متبعین کو آخری پیغام بیداری کا
دے رہا ہو کیا یہ اسی کا موقع تھا کہ مسلمانوں کی جماعت اس طرح پراگندہ کر دی جائے
ان میں ایسا افتراق ڈالا جائے کہ گھر گھر نزاع قایم ہو جائے۔
کیا یہ اسی کا وقت تھا کہ مسلمانوں کے رہے سہے اخلاق بھی تباہ و برباد کر دیئے
جائیں کیا یہ اسی کا محل تھا کہ ان کی بچی بچائی ہستی یوں کفار میں مدغم کر دی جائے۔
اسلامی تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ بعد شہادت شہزادہ کونین حضرت سیدنا امام حسین
رضی اللہ عنہ مختار بن ابی عبید ثقفی نے دعویٰ تو یہ بلند کیا کہ مظالم اہل بیت کا عوض لینا
چاہتا ہوں لیکن جو خیال کہ اُس کے دل میں مکنون تھا بعد کامیابی اُس کا ظہور ہوا
پھر جو نتیجہ مختار کا ہوا صفحات تاریخ میں وہ عبرت و بصارت کا سبق آج بھی موجود ہے۔
نوحہ خوانانِ خلافت اسلامیہ کی سوگواری مختار ثقفی کی رخنہ اندازی اور ذاتی
جلوہ آرائی کی ہُو بہو تصویر ہے ان کی جبر دستی و خود نمائی ان کے مضمرات کا پردہ فاش
کر رہی ہے لیکن اس وقت ان کے شرکِ تقدسی نام کو تو حوالہ بخدا کرتا ہوں مکروا
ومکرا اللہ واللہ خیر الماکرین ؁
لیکن مسئلہ تعلیم جس پر ساری قومی ترقیوں کی بنیاد ہے اس کے متعلق ان بلند بانگ
حضرات کے تباہ کن فرمانوں کی حقیقت کا اظہار منظور ہے۔
عزیزانِ وطن اگر ان حضرات کو خلافت کی ہمدردی ہوتی اور دل میں اسلام کا درد
ہوتا تو خدمتگذاری دین کی وہ روش اختیار کرتے جو صلحائے اُمت کی سنت سنیہ ہے
اقوام و امم کی تاریخ موجود ہے اُسے دیکھ لو۔
مصلحین اُمت نے اصول تدریج و آہستگی کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا مصلح کی

تقریر شفقت و ہمدردی سے لبریز ہوتی ہے وہ قوم کے ہاتھوں سے جفائیں اُٹھاتا ہے مصیبتیں جھیلتا ہے لیکن غمگساری و رافت کی روش سے متجاوز نہیں ہوتا اُس کے جلال میں ایک شانِ جمال ہوتی ہے اور اُس کے قہر میں رحمت کا جاں نواز پیام ہوتا ہے۔

اُس کی زندگی میں مظلومیت کے واقعات بکثرت ملتے ہیں لیکن ظالمانہ حرکات کا اُس کے اعمال میں نام و نشان بھی نہیں ہوتا قوم سے وہ فحش و دلخراش الفاظ سنتا ہے لیکن جواب میں قول معروف اُس کی زبان پر ہوتا ہے وہ اپنی ہستی مٹاتا ہے اور قوم کی اخلاقی و مذہبی ہستی قایم کرتا ہے اُس کی پاک و بے ریا زندگی منکرین و معاندین کے گروہ کو بھی آخرکار راستی کا گرویدہ اور حق کا جویندہ بنا دیتی ہے

سوختم خود را و طرز سوختن
شمع را پروانہ را آموختم

لیڈران قوم کی عجیب و غریب تحریکات پر نظر ڈالئے اُن کے تشکلات کی بوقلمونی دیکھئے پھر باوجود اس کورانہ لیڈری کے اُن کی اُس شدت و سختی کا لحاظ فرمائیے جسے مسلسل ہر کس و ناکس کے ساتھ عمل میں لایا جارہا ہے اُس کے بعد یہ فیصلہ بسہولت کیجئے کہ یہ مصلح ہیں یا مفسد و اشرار۔

قومی قوت کے ارکان قومی طاقت کا انحصار تین چیزوں میں ہے مادی اخلاقی اور روحانی اس وقت نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ مسلمانانِ عالم ہر طرح کی طاقت اپنے ہاتھوں سے کھو چکے ہیں مادی قوت کا فقدان تو روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے رہی قوت اخلاقی و روحانی اُس کے متعلق شاید بعضوں کو یہ دھوکا ہو کہ مسلمانوں کے پاس ابھی یہ سرمایہ باقی ہے لیکن اگر آپ بچشم انصاف ملاحظہ فرمائیں گے تو خود معلوم ہو جائیگا کہ مسلمانوں کی

یہ متاع بے بہا بہت پہلے لُٹی جا چکی ہے ہاں کچھ دُھندلی سی نشانی رہ گئی تھی اس صدی میں مسلمانوں نے اُسے بھی اپنے ہی ہاتھوں مٹا دیا۔

میں اس کی تفصیل و تثبیت کرنا نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کے اخلاق میں اس درجہ تنزل آگیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ معیار اسلامی پر ان کے اخلاق کھرے ثابت نہیں ہوتے نہیں بلکہ دیگر غیر مسلم اقوام کے اخلاق سے بھی ان کا اخلاق کہیں فروتر ہو گیا ہے رہی روحانیت وہ عنقا کا دوسرا نام ہے۔

اگر کوئی مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی کمزوری اس درجہ تسلیم نہیں کرتا تو اس سے میرا خطاب بھی نہیں ہے لیکن حقیقت بیں حضرات سے گزارش ہے کہ جس قوم کے پاس نہ دولت ہو نہ اخلاق نہ علم ہو نہ تدین ایسی گری ہوئی مُردہ قوم کے سامنے وہ پیش کرنا جو کسی زندہ قوم کے لئے سزاوار تھا خیر خواہی نہیں بلکہ بدخواہی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ایک طفل نوزائیدہ کو ایک وقت میں دودھ چھوڑنا پڑے گا اور غلہ کھانا ہو گا لیکن اگر کوئی بہ لحاظ آئندہ آج ہی اُسے روٹی کھلانی شروع کر دے اور دودھ چھوڑا دے پھر دلیل یہ لائے کہ جو غذا دو برس بعد اس کی ہو گی اُسے آج ہی اختیار کیا جائے۔

اور جو چیز دو برس بعد ضرور چھوڑنی ہو گی اُسے آج ہی ترک کیا جائے تو فی الحقیقت ایسا عمل کرنے والا اُس طفل نوزائیدہ کا خیر خواہ نہیں ہے بلکہ قاتل ہے اپنی بدنیتی کو اپنی سوفسطائیت سے مخفی رکھنا چاہتا ہے۔

امعان نظر سے کام لیجئے تو لیڈران موسمی کی تحریک کی سرتا سر سوفسطائیت معلوم ہو جائیگی وہ باتیں جو بعد قوت و طاقت کے کہے جانے اور کئے جانے کے قابل تھیں

انھیں حالت ضعف میں اس شد و مد سے پیش کرنا فی الحقیقت ناتواں قوم کو مٹا دینا ہی۔

ہندوؤں کی تعلیم گاہوں کی خبر نہیں اس لئے اُن کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں کس قدر طاقت ہی لیکن مسلمانوں کی تعلیم گاہوں کا ضعف و اضمحلال ہر پہلو سے واضح ہی باوجود اس جد و جہد کے جس میں تیس برس سے درمندان قوم مسلسل مصروف ہیں مسلمانوں کے پورے ہندوستان میں تین کالج قایم ہو سکے یونیورسٹی کا غلغلہ جب اس زور شور کے ساتھ اُٹھا کہ خواندہ و ناخواندہ اور محتاج و امیر دونوں یکساں جوش سے لبریز معلوم ہو رہے تھے تو اُس وقت جو سرمایہ جمع ہو سکا اُس کی مقدار تیس لاکھ سے کچھ زیادہ ہی اُسی کے مقابلہ میں ہندو یونیورسٹی کو دیکھئے اس کے لئے جو سرمایہ فراہم ہوا ہے اُس کا اندازہ ہندو یونیورسٹی کو دیکھنے سے کیا جا سکتا ہے لیکن مثال کے لئے ایک واقعہ پر اکتفا کیجئے۔

انھیں ایام میں جب کہ کالجوں کے الحاق و ترک امداد مالی کا مسئلہ اُٹھایا گیا پنڈت مالویا جی ایک ہفتہ کے لئے بمبئی کا سفر کرتے ہیں اور سات دن میں اُس قدر روپیہ لے آتے ہیں جس قدر مسلمانوں کا کل سرمایۂ یونیورسٹی ہی۔

تعداد کالج اور تعداد طلبا مسلمین ابھی گزارش کر چکا ہوں مالی حالت کے لئے ایک واقعی مثال پیش کر دی گئی اگر اس سے زیادہ واضح بیان کروں تو اس کا خوف ہی کہ شاید مایوسی کوئی اور مضر نتیجہ پیدا کرے لہذا ناظرین سے یہ گزارش کہ وہ اپنی توجہ مسئلہ مدارس کی طرف مبذول فرمائیں۔

اسلامی درسگاہوں میں منتظمین کالج و اسکول نے ابتدا میں بعض ایسے امور اختیار کئے کہ جن سے اپنی تعلیم گاہ کو فروغ دینا اور طلبہ میں بلند حوصلگی کا پیدا کرنا منظور تھا اعلیٰ

حکّام سرکاری کا آنا تقسیم انعام میں شریک ہونا چاہئے کی دعوت میں مجتمع ہونا وغیرہ وغیرہ ان سب کی غایت یہ تھی کہ طلبہ سے جھجک دُور ہو اور استعجاب و استغراب مٹ جائے تاکہ آیندہ زندگی میں اُنھیں ہر طرح کی سہولت ہو سکے۔

لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان امور نے جو مقاصد کے لئے محض ذریعہ و واسطہ تھے مسلمانوں کی پست ہمتی اور حوصلہ کی شکستگی سے خود مقصود بالذات کا مرتبہ حاصل کر لیا اس لئے بجائے منزل رساں ہونے کے پاؤں کی زنجیر ہو گئے۔ اس کی ایسی مثال ہوئی کہ ایک شخص کے دل میں یہ ذوق پیدا ہوا کہ اجرام فلکی میں صنعت خالق السماوات کا مطالعہ کرے اس مقصد کے لئے ایک دُوربین کی تیاری شروع کی لیکن اُس کے کل پُرزے کے تزئین و تحسین میں ایسا مصروف و مشغول ہوا کہ عمر اُس کی تمام ہو گئی اور کبھی اُسے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ دوستو جب کبھی واسطہ کو مقصود بالذات سمجھ لیا جائے گا تو اُس سے یہی محرومی حاصل ہو گی۔

ایسے دردمند مسلمان جنھیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلمانوں کو من حیث قوم مسلم اُسی وقت ترقی نصیب ہو گی جب کہ ان میں حقیقی معیار قومی پر تعلیم کا اجرا ہو گا انھیں حضرات سے فقیر بےنوا کی یہ التماس ہے کہ یہ موقع ایک لمحہ تغافل کا بھی متحمل نہیں ضرورت ہے کہ جلد سے جلد تر باہمی مشورے سے تعلیم گاہوں کا ایک صحیح نصب العین قرار دیا جائے۔

پہلے واقعات و ماحول پر گہری نظر ڈالی جائے مسلمانوں کی موجودہ مادی اور ذہنی استطاعت کا صحیح اندازہ کیا جائے اس کے بعد ایک ایسی شاہراہ کی طرف رہبری کی جائے جو فی الحقیقت منزل رساں ہو نیز اُس پر کثیر تعداد کا چلنا سہل و آساں بھی ہو

اصول شریعت غراء و ملت بیضاء کو مدنظر رکھکر یہ گزارش ہے کہ طلبہ میں احساس و ایثار پیدا کیا جائے بظاہر یہ دونوں امور محض ہی خفیف معلوم ہوتے ہیں لیکن فی الحقیقت تمام ترقیوں کا راز انھیں دو باتوں میں مخفی ہے۔

موجودہ ہنگامہ آرائی کو دیکھتے ہوئے احساس کی تحریک اور بھی نظروں سے گرجاتی ہے لیکن اس وقت فقیر کا خطاب لیڈر حضرات سے نہیں ہے بلکہ اُس گروہ سے خطاب ہے جو سچ مچ مذہب کا درد رکھتا ہے اور دین کی خدمت اپنی سعادت جانتا ہے ایسے نیک نیت مخلص بزرگوں سے مودبانہ التماس ہے کہ اس دور شور و فتن میں زبان درازی اور فحش گوئی جو مسلمانوں کے ورد زبان ہو رہی ہے اس تباہ کن حصہ کو علیحدہ کر دیجیے پھر اُس سوز قلبی اور جوش دلی سے مقابلہ کیجیے جو موقع جنگ بلقان پر ہر قلب مسلم میں تھا تو چند ہی لمحات کے تفکر میں آپ کہہ اُٹھیں گے ع

اے طبل بلند بانگ در باطن ہیچ

اس بحث کو نہ چھیڑیے کہ مسلمانوں کا موجودہ جوش مذہبی ہے یا سیاسی ملکی ہے یا دینی مصنوعی ہے یا فرضی واقعی ہے یا وہمی۔

اس وقت تو اس التماس کو قبول کیجیے کہ طلبہ میں احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے رہا یہ سوال کہ احساس کیوں کر پیدا کیا جائے اور پھر اُس احساس سے کس طرح مفید نتائج پیدا کیے جائیں اسے اُس وقت تک ملتوی رکھیے جب کہ آپ حضرات کی منتخب جماعت اس فیصلہ کے لیے مجتمع ہو۔

رہا دوسرا امر یعنی ایثار اُس کا درسگاہوں میں ایسا فقدان ہے کہ عربی مدارس بھی اس سے محروم ہو گئے مدارس میں اولاً کس طرح کے ایثار کی حاجت ہے مختصر الفاظ میں آپ بھی

گزارش کئے دیتا ہوں عموماً درسگاہ کے تین ارکان ہوا کرتے ہیں پہلا رکن منتظمین کی جماعت ہے دوسرا رکن جماعت معلمین واساتذہ ہے تیسرا رکن جماعت طلبہ ومتعلمین ہے طالب العلموں کو یہ چاہیئے کہ تحصیل علم میں ہر وہ چیز جو سنگ راہ ہو اُسے بالکلیہ ترک کردیں وقت کی بربادی مطالعہ سے محرومی اکتساب تحصیل سے بے نصیبی جس معاشرت وعادت کا ثمرۂ تلخ ہے اُسے یکقلم محو وسہو کردینے کا عزم بالجزم کرلیں۔

اساتذہ کو بھی اس ایثار میں طلبہ کا شریک حال ہونا چاہیئے وہ وضع اور طرز زندگی جو منافی تعلیم ہے اُس سے دست بردار ہوں معلم صرف اُسی وقت اُستاد وسبق آموز نہیں ہے جب کہ وہ مسند درس اور کرسی تعلیم پر جاکر بیٹھے بلکہ اس کی پوری زندگی ایک خاموش درس اپنے تلامذہ کو ہر وقت دیا کرتی ہے نقوش وحروف کا درس دینا بہت آسان ہے لیکن اپنی عملی زندگی سے علمی واخلاقی اسباق کی تعلیم حقیقی تعلیم ہے۔

منتظمین کی جماعت کو بھی اس قدر ایثار سے ضرور کام لینا ہوگا کہ وہ اساتذہ کو اپنا شریک عمل سمجھکر مساویانہ حیثیت سے تعلیم اور اُس کے متعلقات کی طرف مشغول رکھیں اُن کی افسری وحکمرانی میں بھی ایک شان برادر نوازی اور عزت افزائی کی ہو وہ صحبتیں اور ملاقاتیں جو ضابطہ وقانون سے ماوراہیں اُن میں اخلاق وتواضع کا اور بھی دلگیر وجاذب قلوب نمونہ پیش کریں۔

اس وقت اس سے زیادہ تفصیل ایثار کی مقصود نہیں مصلحین قوم غور فرمائیں اور خود فیصلہ کرلیں کہ تعلیم گاہوں کے لئے کس طرح کے ایثار کی حاجت ہے آج جو نمونہ لیڈران موسمی ایثار کا پیش کررہے ہیں اُس پر تو ہزار تن پروری وعشرت پرستی قربان ہے موٹا کپڑا پہن لینا بلا تنخواہ کسی کام کا ذمہ اپنے متعلق لے لینا نہایت سہل وآسان ہے

لیکن جس خدمت کا بار اپنے ذمہ لیا جائے اُسے خدمت سمجھکر صحیح او سچی محویت سے انجام دینا نہایت ہی اہم و معرکتہ الآرا ہی۔

مسلمانان ہند کو یہ موقع ضائع نہ کرنا چاہیئے اگر اس وقت بھی اُنھوں نے اپنی تعلیم گاہوں کا صحیح نصب العین قرار نہ دیا تو پھر آیندہ کے لئے ذلت و خواری سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں بہت سی لایعنی و فضول باتیں بہ تقلید یورپ مدارس میں اس طرح داخل ہو گئی ہیں جو خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے حق میں تباہ کن ہیں اس وقت ہمت دردمندی اور اخلاص کی سخت ضرورت ہی قدیم طرز کی گرویدگی اور یورپ کے ہر ادا پر شیفتگی سے اب کچھ حاصل نہیں۔

قطع نظر اُس تنبیہ و اعلام کے جو یورپ کے میدان جنگ سے ہولناک باز پرسِ الٰہی کی اطلاع مسلمانوں کو دے چکے خود لیڈران موسمی نے علما ریاسی سے مل کر مسلمانان ہند کو ایسے کفر و شرک کے بھنور میں پھنسا رکھا ہے کہ دو ہی تین برس بعد ہندوؤں کی ایسی متعصبانہ حکومت ان پر شروع ہو جائے گی کہ فرار کی راہ بھی نہ مل سکیگی

اس لئے آخر میں پھر نہایت نیازمندانہ التماس ہے کہ تعلیم گاہوں کی طرف سے غفلت نہ کیجئے۔ الحاق و امداد مالی نے نہ مسلمانوں کو تباہ کیا ہے نہ آیندہ کی تباہی کا ان سے خطرہ بلکہ مقصد تعلیم و تعلم سے بے پروائی کا یہ نتیجہ ہے جو پیش نظر ہے۔

لیڈران موسمی جو ترک الحاق و امداد مالی پر اپنا زور صرف کر رہے ہیں اُس کی یہ علت نہیں کہ ان دونوں امور کو وہ سنگ راہ مقاصد تعلیم یقین کرتے ہیں بلکہ ایسی تو مسلمانوں کا گھر تباہ کر کے ہندوؤں سے خلعت تشریف پانا ہی۔

ان کی جاہ طلب نگاہوں نے جب یہ دیکھ لیا کہ سلطنت برطانیہ کی روز افزوں

چشمِ عنایت نے ہندوؤں کو اس قابل بنا دیا کہ اب ہوم رول اور سوراج کا مطالبہ اُن کی زبان سے ایک صحیح و سچی تمنا کا اظہار ہے تو وہ اشخاص جن کی طینت میں حکومت کی غاشیہ برداری خمیر تھی انھوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ساعت دور نہیں جب کہ انگریز ہندوؤں کو اُن کا منہ مانگا سوراج دے کر خود اپنے ملک و وطن کو چلے جائیں اس وقت ہندوؤں کی اطاعت و فرماں برداری اضطراری و بے اختیاری ہو گی جس کی آستانِ سوراج پر نہ کوئی قیمت ہو گی نہ کسی طرح کی قدردانی۔

لہٰذا ابھی مناسب ہے کہ قبل اس کے کہ ہندوؤں کو حکومت مل جائے اور انگریز حکومتِ ہند سے دست کش ہوں نئی ہونے والی حکومت کے ساتھ ابھی سے ارادت مندی و عقیدت کیشی کی سلسلہ جنبانی اُمید افزا ہے اسی ضمن میں انگریزوں سے بیزاری کا بھی اگر اظہار کر دیا جائے تو کچھ غیر مناسب نہ ہو گا۔

اسی نقطۂ خیال نے پرستارانِ حکومت کو غلامیِ ہنود پر مجبور کیا یہ خیال جس ہمت و جرأت کی تصویر پیش کر رہا ہے اور قوتِ ایمانی کی جیسی شکل دکھا رہا ہے اُسے چھوڑیئے صرف از روئے دیانت و انصاف یہ فیصلہ کیجیے کہ اسلام و مسلمین کی اس میں کیا فلاح و بہبود ہے آج انگریزوں کی حکومت ہے کل ہندوؤں کی ہو گی تبدیلی حکومت اور خیر خواہیِ ملت میں کیا علاقہ ہے اسے حضرات لیڈر ہی ارشاد فرمائیں۔

ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن اس وقت انگلینڈ ہے اور انگلستان کی قوت ہندوستان کی بدولت ہے جب انگریزوں کی حکومت ہندوستان میں نہ ہو گی تو اُس وقت مسلمانوں کا خلافت کا ترکوں کا سب سے بڑا دشمن کمزور ہو جائے گا یا عداوت کے قابل نہ رہیگا اس عجیب مغالطہ آمیز منطق کا جواب کیا دیا جائے۔

اس موقع پر ایک نقشہ پیش کرتا ہوں جو حالی جناب پروفیسر قاضی جلال الدین صاحب مُراد آبادی کے قلم کا نتیجہ ہے اُسے ملاحظہ فرمائیے سنہ ۱۹۱۰ء کا نقشہ پہلے ملاحظہ ہو اُسی کے مقابل سنہ ۱۹۲۰ء کا نقشہ ہے اُسے دیکھئے جنگ طرابلس کا آغاز سنہ ۱۹۱۱ء میں ہوا ہے اور سنہ ۱۹۱۸ء میں جنگ یورپ کا خاتمہ ہے اسی آٹھ برس کی مدت میں ترکی سلطنت کیا سے کیا ہو گئی یورپین طاقتوں نے کس طرح اپنے حصّے بخرے کر لئے اس نقشہ میں پھر ملاحظہ کر لیجئے کرۂ ارضی کے وہ مقدس حصص جن پر صدیوں تک احد قدوس کا نام لیا گیا تھا جہاں سے تکبیر و تہلیل کی صدا بلند ہو کر کفار کے دل کپکپا دیا کرتی تھی آج وہاں تثلیث کا علم بلند اور کفر کا بازار گرم ہے اس خاکدان عالم میں اسلام کو سلطنت کرتے ہوئے چودہ صدیاں گزر گئیں اس اثنا میں متعدد خاندان اسلامی کے ہاتھوں میں شمشیر اسلامی کا قبضہ رہا بہت سے ملک فتح ہوئے بہت سی قومیں اسلام کی اطاعت میں آئیں لیکن قلب یورپ کو جس کی برش شمشیر نے صلیب پرستوں سے قطع کر کے خدا پرستوں کے مقبوضات سے واصل کر دیا وہ ترک ہیں۔

یہی وجہ ہے جو یورپ کا ہر عیسائی ترکوں کو دیکھ کر اپنی انسانیت اپنی مدنیت اپنی شان علمی اور اپنی تہذیب بھول جاتا ہے ترکوں کی تاریخ جنہوں نے مطالعہ کی ہے اُن کے لئے یہ کوئی راز نہیں کہ یورپ میں جس سلطنت نے طاقت و قوت حاصل کی وہی سلطنت ترکوں کی سب سے بڑی دشمن رہی ہے ایک زمانہ روس کی عداوت و سبعیت کا تھا اب انگریزوں کا وقت آیا ہے ابھی تیس برس کا بھی زمانہ نہیں گزرا جاٹلی کا وجود محض حقیر و کس مپرس سمجھا جاتا تھا لیکن جوں ہی کہ اُس نے قوت حاصل کی اپنی حوصلہ آزمائی کے لئے اُسے طرابلس کا میدان سب سے پہلے دکھائی دیا۔

مطبوعہ فیض عام علیگڈھ
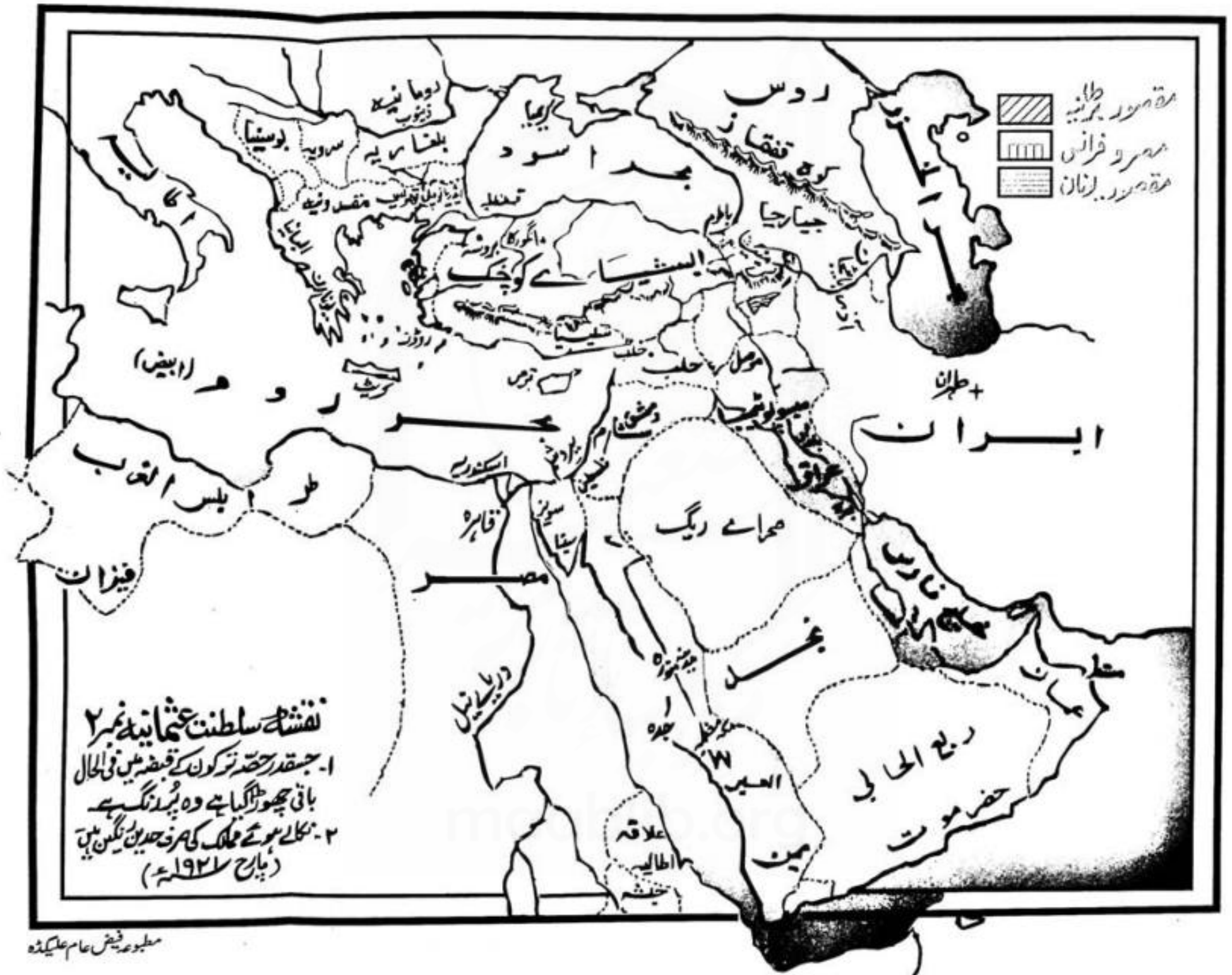
دوستو انصاف شرط ہے اس وقت زار روس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا روسی سلطنت ایک عجیب اُمید و بیم کے عالم میں ہے لیکن روس کی تباہی سے ترک کہاں سلامتی کے برکات پاسکے اسی طرح اگر انگریز تباہ ہو گئے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ترکی اقتدار قایم ہو جائے گا روسیوں کے بعد انگریز نمودار ہوئے تو ان کے بعد کوئی اور دوسرا حریف پیدا ہو جائے گا۔

اس حقیقت سے انکار کی تمہیں کیوں کر جرأت ہوتی ہے کہ قوم ہو یا شخص اپنی تاب و توانائی سے قایم و باقی رہ سکتا ہے نہ کہ دشمن کے ضعف و ہلاکت سے کیا ایک مریض نحیف اُس وقت تندرست و قوی ہو جائے گا جب کہ اُسکے دشمنوں میں سے ایک قوی دشمن ہلاک ہو جائے اور اپنی نیابت اُس کے دوسرے دشمن کے سپرد کر جائے۔

عزیزان وطن! پاک مذہب اسلام جس کی ساری تعلیمات کا جوہر توحید خدا پرستی ہے اُس کا دشمن تم صرف انگریزوں کو کیوں قرار دیتے ہو ہر وہ مذہب باطل جو دنیا میں موجود ہے یا کسی وقت اختراع کیا جا سکتا ہے وہ اس دین قویم اور صراط مستقیم کا دشمن جانی ہے کفر و اسلام میں جب کہ تضاد ذاتی ہے پس یہ محال عقلی ہے کہ کوئی مذہب کفر ٹھنڈی آنکھوں سے اسلام کو دیکھنا گوارا کرے ہاں مجبوری معذوری کی اور بات ہے قرآن کریم نے سیکڑوں جگہ اسی کی خبر دی ہے پس مسلمانوں کو خود اپنے آپ میں قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ غیر قوم میں جذب و مدغم ہونا یہی شریعت کا فتویٰ ہے اور یہی عقل سلیم کا حکم ایک دشمن سے نجات پانے کی تدبیریں رستگاری سے قبل دوسرے دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جانا نہ عقل کا فتویٰ ہے نہ تعمیل حکم شریعت الٰہی ہے۔

تحمیم ابحاث دعا بیہ الاسلامیہ اور (۱) گرامی قدر حضرات شور و غوغا اور جنگ و جدال کا موقع نہیں انصاف کے ساتھ

امر مابہ النزاع کو طے فرمایئے آپ نظام تعلیم میں تبدیلی چاہتے ہیں یہ کوئی نئی تمنا نہیں مدتوں سے اس کی سعی جاری ہے کلکتہ یونیورسٹی باوجود اُن تمام تعلقات کے جو گورنمنٹ سے اُسے حاصل ہیں باعتبار دیگر یونیورسٹیوں کی بہت زیادہ قوم اور ملک کے حق میں مفید ہوتی جاتی ہے سر آشوتوش مکرجی نے ریفارم اسکیم ملنے سے قبل اور اس سے پیشتر کہ صیغہ تعلیم کا منسٹر ہندوستانی ہو اپنے زبردست مدبرانہ تدابیر سے اس حد تک سہولت پیدا کر لی ہے کہ بقیہ چار یونیورسٹیوں کا نتیجہ ایک پلہ میں اور کلکتہ یونیورسٹی کا نتیجہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو پھر بھی کلکتہ یونیورسٹی کا پلہ بھاری رہیگا۔

پس اگر آپ کا مقابل فریق یہ عرض کرتا ہے کہ موجودہ تعلیم گاہوں کو تباہ نہ کیجئے بلکہ اپنے زبردست دلائل اور قوی براہین سے انھیں بھی فائدہ بخش بنایئے چار ہزار طلبہ جو اس وقت مصروف تعلیم ہیں اُنھیں ترک تعلیم کا وعظ نفرمایئے۔ ہاں چھ کروڑ تنانوے لاکھ چھیانوے ہزار مسلمانوں کے لئے جیسی تعلیم گاہ آپ چاہیں قایم کریں بس یہ التماس کفر و حرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۲) انگریزی تعلیم یا انگریزی ملازمت یا ممبری کونسل مسلمانوں نے تائید عیسائیت و استحکام حکومت انگریزی کے خیال سے نہ اختیار کی تھی نہ اس وقت اس خیال سے اس کی تائید کر رہے ہیں بلکہ مقصود اس سے اپنا اور اپنی قوم کا نفع اور قیام تھا ہندوؤں کا بھی یہی مقصد تھا لیکن مسلمان اپنی سہل انگاری و تن آسانی کی بدولت مقصد سے غافل ہوگئے اور ہندوؤں نے مطلب و غایۃ کو ایک آن بھی فراموش نہ ہونے دیا پس اس وقت مسلمانوں کو صحیح مقصد و مطلب کی طرف متوجہ کرنا مفید ہے یا ہر ایک امر کے ترک کی تلقین منفعت رساں ہے یہ التماس کفر و حرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۳) آپ مسلمانانِ ہند کو ہر طرح کی قوت و طاقت سے بھرپور تسلیم کرتے ہیں دوسرا فریق اُن کے ضعف و ناتوانی کا یقین رکھتا ہے اس لئے اُس کی درخواست یہ ہے کہ پہلے قوت پیدا کیجئے پھر اُسی مقدار کی مناسبت سے انہیں عمل کا حکم دیجئے یہ التماس کفر و حرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۴) آپ اس پہلو کو بالکل نظرانداز فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال و تباہی کی حقیقی علت کیا ہے اسی لئے اُس جانب سے چشم پوشی ہے لیکن آپ کا فریق مقابل یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کی بدعقیدگی توحید سے بے نصیبی عبادات سے بے تعلقی معاملات میں شریعت کی خلاف ورزی کا یہ نتیجہ ہے جو سامنے آیا ہے پس اصلاح مسلمین میں اس پہلو کو نظرانداز نہ فرمایئے یہ التماس کفر و حرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۵) آپ دین و مذہب کی حقیقت صرف اس قدر قرار دیتے ہیں کہ دنیا کمانے کا سب سے زیادہ موثر آلہ ہے انسان کو مطیع فرماں بردار بنانا اور انہیں جوش میں لانا مذہب کا نام لے کر بسہولت حاصل ہوتا ہے اسی غرض سے دانشمندوں نے مذہب کا ایجاد کیا لیکن آپ کا فریق مقابل یہ کہتا ہے کہ مذہب کے متعلق ایسا عقیدہ سخت الحاد و زندقہ ہے دنیا محض بے حقیقت شے ہے ہاں جب کبھی اہل حق کے پاس یہ آئی ہے تو اس کی متعلق دین کی خدمت گزاری ہوتی ہے خادم کو مخدوم سمجھنا نہ صرف نادانی ہے بلکہ جنون و دیوانگی ہے یہ التماس کفر و حرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۶) آپ یہ کہتے ہیں کہ دین و مذہب باقی رہے یا مٹ جائے لیکن دنیا کسی طرح ہاتھ آئے اُسی خیال سے آپ ایک ہندو کو امام مہدی علیہ السلام کا رتبہ دیتے ہیں حدیث میں تحریف کرتے ہیں تفسیر کی ناتمام عبارت نقل فرماتے ہیں۔ لیکن آپ کا فریق مقابل یہ کہتا ہے

کہ ساری دنیا بھی اگر ایمان فروشی پر مل جائے تو وہ ملعون ہے ہاں دین کی شوکت وقوت کے لئے اگر دنیا شرعی طور پر حاصل کی جائے تو وہ دنیا نہیں بلکہ محافظ دین ہے جس طرح روح جب تک کسی جسم میں باقی ہے تو اس کے لئے مآکل ومشارب مساکن وملابس ودیگر ضروریات زندگی کا سامان درکار ہوتا ہے لیکن ایک قالب بیجان جس سے روح نے مفارقت کرلی ہو تو اس کے لئے صرف لحد کا گوشہ کافی ہے پس اگر مسلمانوں نے اپنی قومی روح یعنی مذہب ہی کھو دیا تو پھر اس مردلاش کے لئے پیوند خاک ہی ہونے کا فتویٰ ہے یہ التماس کفر وحرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

لیڈروں کی بیجا جوش کی بیجا خیر اس تمام شدت واستبداد کا یہ عذر فرض کرلیا جاتا کہ اس وقت التہاب اندرونی نے گرامی قدر لیڈروں کو ایسا مضطرب کردیا ہے کہ آنکھوں سے نیک وبد کی تمیز اٹھ گئی ہے مضطروبے قرار پر الزام کیا لیکن جب اس حقیقت پر نظر پڑتی ہے کہ یہ سارا جوش وخروش طرف اس لئے ہے کہ کفر کی گرم بازاری اور کفار کی چیرہ دستی ہو تو پھر سارا لفافہ کھل جاتا ہے اور آپکے خود ساختہ مذہب کی حقیقت بالکل ہی بے نقاب ہوجاتی ہے۔

اہل بصیرت وارباب خبرت سے یہ راز مخفی نہیں کہ بلند بانگ لیڈر کے قلوب آج بھی یورپ وانگریزیت کی محبت سے لبریز ومالا مال ہیں لیکن باوجود اس کے جو انگریزوں کو اس پابندی والتزام سے ہر روز برا کہا جاتا ہے کہ نمازیں ادا ہوں یا قضا تلاوت کلام مجید سے آنکھیں سعادت اندوز ہوں یا بے نصیب ومحروم مگر یہ ورد قضا ہونے پائے اس کی علت نہ تو انگریزوں سے بیزاری نہ نفرت ہے نہ اسلام کی دردمندی وخیر خواہی بلکہ یہ بھی تقلید اہل ہنود وکفار میں ادا کی جارہی ہے۔

ہندوؤں کو انگریزوں سے نفرت ہے بلند بانگ لیڈر بھی نفرت کا اظہار انگریزوں سے

کرتے ہیں ہندوؤں کو سوارج چاہیئے بلند بانگ حضرات بھی سوارج کے لئے صدائے
احتجاج بلند کرتے ہیں ہندوؤں کو انگریزوں سے عداوت ہے اور وہ ان کے درپے
اخراج ہیں بلند بانگ لیڈر بھی اس کی نقل اُتارتے ہیں خلاصہ یہ کہ انھیں تو ہنود کی
رضا و خوشنودی مطلوب ہے جو وہ کہیں گے یا کریں گے بلند بانگ لیڈر اُسی کی محاکات
کردیں گے۔

صلح نامہ ترکی میں اگر تبدیلی نہ ہوئی تو ایشیا میں برٹش گورنمنٹ کا اقتدار خیال
سوارج کو باطل کردے گا اس لئے ہندو بیتاب ہیں بلند بانگ لیڈر بھی باتباع ہنود
معروف مرثیہ خوانی ہیں۔

ہاں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ محبوب کا ذکر ایجاباً و سلباً ہر طرح لذت بخش ہوتا ہے
خاص کر شاعرانہ تخیل معشوق کو قاتل ظالم سفاک بیوفا اور بدعہد کے بغیر حق عاشقی سے
سبکدوش ہی نہیں ہوتا اسی مناسبت سے اب سے قبل انگریزوں کے مناقب و اوصاف سے
زبان لطف لیتی رہی اب اُن کی ہجو و ذم کی باری ہے۔ شاعرانہ مذاق پر انھیں کی یاد
ہو رہی ہے اور انھیں کے نام کا ورد ہے۔

لیڈروں کے اقسام اس وقت سطح لیڈری پر جن کا وجود سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ دو قسم کے
اشخاص ہیں ایک تو وہ ہیں جن کی ہستی اور نمود کا مدار اسی لیڈری پر ہے مسلمانوں کے
سامنے اشتعال انگیز تحریکیں یکے بعد دیگرے پیش کرتے رہنا اُن کی لیڈری کی جان ہے
ایک امر تباہ کن کا سامنے لانا اور پھر قبل اس کے کہ مسلمان اُس تباہی سے باخبر ہوں
دوسری تباہی اُن کے سروں پر لاکر ہیجان میں ڈال دینا ان کی لیڈری کا جوہر ہے
اسی کے ساتھ جلب مال کا اصول کسی حال میں نہ بھولنا لیڈری کی روح رواں ہے۔

دوسری قسم کے وہ اشخاص ہیں جن کی گورنمنٹ میں جب زیادہ قدردانی نہ ہوسکی دربار وغیرہ کے مواقع پر معمولی اشخاص کے ذیل میں ڈال دیئے گئے تو پھر مجبور ع

دیکھا کہ وہ ملتا ہی نہیں کعبہ کو ہو آئے

اس میں ایک بھید یہ بھی تھا کہ شاید حکومت پر ایسی دھمکی پڑجائے کہ جس سے خائف ہوکر تلافیٔ مافات کرے اسی کے ساتھ اگر دین پر بھی منت کرم داشتن کی رسم ادا ہوجائے تو کیا مضائقہ غرض نمایاں لیڈر کی حقیقت ان دو صورتوں سے خالی نہیں رہے ان حضرات سے ماورا اُن کے حسب حال غالب کا یہ مصرعہ۔ ع

مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

حضرات لیڈر انصاف شرط ہے موقع جنگ بلقان پر وفد طبیہ جانے کی تجویز ہوئی بلا اختلاف مسلمانان ہند نے اس تحریک پر لبیک کہا دل کھول کر چندہ سے وفد کی اعانت کی آپ اُس کا حساب نہ دیں لیکن اس قدر بتائیں کہ وفد طبیہ کے مصارف کا آپ کا اس وفد اپیل سے جو ابھی لارڈ جارج کی خدمت میں پیش ہوا تھا کیا مقابلہ ہے جب کہ مسلمان ایک موقع پر رقم خطیر خدمت خلافت کے لئے پیش کرچکے تھے جب کہ مسلمانوں کے روپیہ سے مسجد کانپور کے متعلق آپ کو زیارت عروس البلاد لندن کا لطف مل چکا تھا تو پھر اس موقع پر بھی اگر اس خدمت دینی کی سعادت صرف مسلمانوں کے حصہ میں مخصوص رکھی جاتی تو کیا کفر و حرام ہوتا اگر مسلمان کافی سرمایہ آپ کی عشرت پرستی کے لئے جمع نہ کرتے تو آپ بھی اپنے بعض لذتوں کو قربان کردیتے ارتکاب محرمات شرعیہ اور اسراف بیجا سے محفوظ بھی رہتے اور ہندوؤں سے استعانت بھی نہ ہوتی جو موالات حقیقی ہے۔

حضرات لیڈر اہل حق کی آپ سے اختلاف کی اصلی وجہ یہی ہے کہ آپ اہلِ ہنود سے

وہ سارے تعلقات پیدا کر رہے ہیں جنہیں حق سبحانہ نے حرام فرمایا ہے۔ موالات، وداد اور رکون، یہ تین ایسے امور ہیں جنہیں ایک مومن کسی حال میں بھی کسی کافر کے ساتھ برتنے اور پیدا کرنے کا مجاز نہیں بنایا گیا آپ حضرات انھیں منہی عنہ امور کو نہ صرف جائز بلکہ واجب و فرض قرار دے رہے ہیں۔ بکمال غلو اور انتہائے انہماک سے کفر کی امداد اور مسلمانوں کے حقوق مذہبی کا اتلاف کر رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو آپ سے کچھ بھی اختلاف نہ تھا۔

آپ جائز تعلقات کو انگریزوں سے موالات کہتے تھے ضعف کو قوت سمجھتے تھے غفلت کو تیاری جانتے تھے اہلِ حق آپ کے ان خیالات کو جوشِ مفرط پر محمول کر لیتے پھر آپ سے مخلصانہ عرض کرتے کہ جائز امور کو موالات کہنا شارع علیہ السلام اور شریعت کو الزام ہے۔ لفظ موالات کا استعمال نہ کیجئے ضعف کو قوت سمجھنے میں مسلمانوں کی تباہی ہے غفلت کو تیاری سمجھنا دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہونا ہے اُمید تھی کہ آپ گرامی قدر حضرات بھی سمجھ جاتے اور باہمی مفاہمہ و تبادلہ خیال سے اصلاحِ مسلمین کی کوئی صورت پیدا ہو جاتی۔

لیکن ستم تو یہ ہے کہ آپ گاندھی کو اپنا امام بناتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کی اقتداء پر مجبور کرتے ہیں آپ کفر کی حمایت کرتے ہیں اور مسلمانوں پر اعانت کفر کے لئے زور ڈالتے ہیں۔ زبردستی کرتے ہیں اہلِ حق قرآن کریم کا فتویٰ سناتے ہیں آیۃ کریمہ کی تلاوت کیجئے۔

لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین الخ	مسلمانوں کو نہیں پہونچتا کہ وہ مومنین کے سوا کافر ذلیل کو اپنا دوست یا مددگار بنائیں۔

موالات کی تفسیر گزر چکی ہندوؤں کے کافر ہونے سے آپ کو بھی انکار نہیں پھر نہ صرف یہ کہ

آپ اپنے دینی امور میں اُن سے مدد لے رہے ہیں بلکہ خود اُن کے دین کی آپ مدد کر رہے ہیں یہ موالات نہیں تو کیا ہے۔

ہندو گائے کی قربانی اُٹھانا چاہتے تھے حضرات لیڈر نے اس غلو کے ساتھ ہندوؤں کی تائید میں اپنی آواز بلند کی کہ حدیث شریف میں تحریف تک کر گزرے علماء سیاسی نے بھی اس تحریف سے چشم پوشی کی اور یہی فتویٰ دیا کہ مسلمان بکرے یا مینڈھے کی قربانی کریں گائے کی قربانی سے باز آئیں۔

رامائن کی پوجا میں مسلمان شریک ہوئے کالکا پر ریوڑیاں مسلمانوں نے چڑھائیں رام لچھمن کو تاج مسلمانوں نے پہنایا سنگم و پریاگ کو مقدس معبد مسلمانوں نے کہا یہ مذہب ہنود کی معاونت نہیں تو کیا ہو سکتی ہے۔ عجب یہ کہ جس نے ان اعمال خبیثہ سے منع کیا شریعت اسلام کا حکم سُنایا تو حضرات لیڈر نے اُس مخلص ناصح کو کافر، منافق، خیر خواہ انگریز اور مذہب فروش کہا سچ ہے ہندو مسلمانوں کو کچھ جانتے ہیں اس لئے وہ فرقہ جواب ہندوؤں میں شامل اور اُن کے دین میں داخل ہوا ہے اگر سچے اور پکے مسلمانوں کو کافر نہ کہے تو خود کافر ہو جائے۔

(۲) ہندوؤں سے آپ وداد رکھتے ہیں اور اسی کی تلقین مسلمانوں کو کرتے ہیں اہل حق وداد کفار کے ساتھ حرام بتاتے ہیں قرآن کریم کا فتویٰ پیش کرتے ہیں آیۃ کریمہ کی تلاوت کیجئے۔

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا

تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو یقین رکھتی ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ دوستی کرے اُن سے جنھوں نے مقابلہ کیا اللہ کا اور اُس کے

آبآءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم الخ — رسول کا اگرچہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہوں۔

آیۂ کریمہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مخالفین اسلام سے وداد شیوۂ اہل ایمان نہیں جس قلب میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہو وہاں کسی کافر کی محبت کا ہونا محال ہو حضرات لیڈر! آپ نہ صرف گاندھی کے نشۂ اُلفت میں سرشار ہیں بلکہ اُس کے بادۂ عظمت سے آپ کے قلوب بیہ مست ہو رہے ہیں۔

حبیب کبریا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارفع و اعلیٰ جناب میں کھُلی گالیاں دینے والا حق سبحانہٗ کی طرف کذب جیسے قبیح امر کا منسوب کرنے والا آپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے لیکن اگر کوئی گاندھی کو کافر کہے جو محض واقعہ ہو تو آپ میں تاب سُننے کی نہیں رہتی۔

دُنیا دیکھ رہی ہے کہ اس وقت گاندھی کی عظمت و محبت لیڈر حضرات کس کس نوعیت سے مسلمانوں کے دل میں پیدا کر رہے ہیں یہ صریح خلاف ورزی حکم الٰہی نہیں تو کیا ہو۔

(۳) آپ حضرات نے ہندوؤں کا سہارا پکڑا ہے اہلِ حق اس سے منع کرتے ہیں اور قرآن کریم کا فتویٰ پیش کرتے ہیں۔ آیۂ کریمہ کی تلاوت کیجئے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الخ — مسلمانوں ظالموں (کافروں) کی طرف نہ جھکو ورنہ تمھیں آگ پکڑے گی۔

امام راغب اصفہانی رکون کے معنی یہ بتاتے ہیں۔

رکن الشی جانبہ الذی یسکن — کسی شے کا رکن اُسے کہیں گے جس کی طرف

الیہ ویستعار للقوۃ ۂ شئے آگر بچھڑے اور مستعار معنی اُس کی قوت کے ہیں۔

آپ نے ہندوؤں کا سہارا پکڑا اُن کی قوت کو اپنی قوت سمجھا ابتدا میں جس قدر اعلان و اشتہار شائع ہوئے اُن میں یہ ہوتا تھا کہ مولنا عبد الباری صاحب کا فتویٰ اور مہاتما گاندھی کا حکم لیکن اب تو صرف گاندھی صاحب کا حکم ہی حکم رہ گیا فرمان گاندھی نے اب ایسی قوت حاصل کر لی کہ اُس کی حاشیہ برداری کے لئے مولانا صاحب کے فتوے کی بھی حاجت نہ رہی اس وقت گاندھی نہ صرف آپ کا رکن ہے بلکہ مدار لیڈری ہے اگر گاندھی آپ کا ساتھ چھوڑ دے تو آپ کی لیڈری کی عمارت دھم سے زمین پر آرہیگی۔

سچے مسلمانوں کے مزید اطمینان کی غرض سے چند احادیث شریفہ نقل کرتا ہوں تاکہ اُنھیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ دینی امور میں جب کہ کفار سے مدد لینا مکروہ ہے تو دین کا فرکی مدد مسلمان کے لئے کب جائز ہو سکتی ہے۔

(۱) عن حبیب بن اساف قال اتیت انا ورجل من قومی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یرید غزوا فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا نستحی ان یشھد قومنا مشھدا لا نستعین معھم فقال اسلمتما فقلنا لا قال فانا لا نَسْتَعِیْنُ بالمشرکین قال فاسلمنا وشھدنا معہ الی آخر الحدیث رواہ الحاکم وصححہ ۂ

حضرت حبیب ابن اساف کہتے ہیں کہ کسی غزوہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے میں اور ایک شخص اور میری قوم کا حاضر خدمت ہو کر ملتمس ہوئے کہ ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم ایک معرکہ پر جا رہی ہو اور ہماری مدد اُس کے شامل نہو۔ ارشاد ہوا کہ کیا تم دونوں اسلام لائے حبیب کہتے ہیں میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ارشاد ہوا ہم مشرک کی مدد نہیں لیتے حبیب کہتے ہیں پھر ہم دونوں مسلمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک غزوہ ہوئے۔

(۲) ان عبادة بن الصامت کان لہ حلفاء من الیھود فقال یوم الاحزاب یا رسول اللہ ان معی خمسماتۃ من الیھود وقد رایت ان استظھر بھم علی العدو فنزلت ھذہ الایۃ لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء ۔

عبادہ بن صامت کے حلیف یہودی تھے غزوۂ خندق کے موقع پر عبادہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ساتھ پانسو یہودی ہیں میری رائے ہے کہ دشمن کے مقابلہ پر اُن سے مدد لوں تو اُس وقت یہ آیۃ نازل ہوئی کہ مومنین کو یہ نہیں پہونچتا کہ وہ کافروں کو اپنا مددگار بنائیں۔

(۳) امام مسلم صحیح مسلم شریف میں ایک باب منعقد فرماتے ہیں باب کراہۃ الاستعانۃ فی الغزو بکافر یعنی اس باب کے تحت میں وہ حدیث بیان ہوگی جس سے یہ ثابت ہوگا کہ غزوات میں کافر سے مدد لینا مکروہ ہے۔

عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل بدر فلما کان بحرۃ الوبرۃ ادرکہ رجل قد کان یذکر منہ جرأۃ ونجدۃ ففرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین راٰوہ فلما ادرکہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جئت لاتبعک واصیب معک قال لہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنگ بدر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے جب مقام حرۃ الوبرہ پر پہنچے تو ایک ایسا شخص حاضر ہوا جس کی بہادری مسلم تھی صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے دیکھکر خوش ہوئے جب وہ رسول اللہ کے پاس پہونچا تو اُس نے حضور سے عرض کیا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ اس کام میں آپ کی اتباع کروں اور آپکے ہمراہ لڑوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا کہ کیا اللہ اور اُس کے رسول پر تو ایمان لاتا ہے اُس نے کہا نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ پلٹ جا میں ہرگز مشرک کو مدد نہ لوں گا۔ پھر جب ہم مقام شجرہ پر پہنچے تو اُس نے اپنی خدمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تؤمن باللہ ورسولہ قال لا قال فارجع فلن استعین بمشرک قالت ثم مضی حتی اذا کنا بالشجرۃ ادرکہ الرجل فقال لہ کما قال اول مرۃ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قال اول مرۃ قال فارجع فلن استعین بمشرک قال ثم رجع فادرکہ بالبیداء فقال لہ کما قال اول مرۃ تؤمن باللہ ورسولہ قال نعم فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق (مسلم)

پیش کی اور دربار رسالت سے وہی پہلا جواب ملا کہ پلٹ جاؤ میں ہرگز مشرک کی مدد نہ لوں گا۔ پھر ہم مقام بیدا پر پہونچے تو اس نے پھر انہیں کلمات سابقہ کے ساتھ اپنے کو پیش کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ کیا اللہ اور اس کے رسول پر تو ایمان لایا اب تیسری دفعہ اس نے عرض کیا ہاں ایمان لایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ساتھ چلو۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیۃ کریمہ لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء لفظ اولیاء کی تفسیر بایں الفاظ کرتے ہیں اَیْ لا تعتمدوا علی الاستنصار بھم ولا تتوددوا الیھم۔ یعنی اُن کے مدد کرنے پر اعتماد و بھروسہ نہ کرو اور اُن سے دوستی پیدا نہ کرو۔

فاروق اعظم کا ایک فتویٰ نقل فرماتے ہیں۔

اس موقع پر اُسے بھی سُن لیجئے بصرہ پر حکومت مسلمانوں کی قایم ہو چکی ہے ابو موسیٰ اشعری وہاں کے عامل یعنی گورنر ہیں، وہ اپنا دیوان جسے اُس وقت کاتب کے لقب سے خطاب کرتے تھے ایک نصرانی کو مقرر کرتے ہیں فاروق اعظم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپنے ابو موسیٰ سے فرمایا کہ اُسے معزول کر کے کسی مسلمان کے سُپرد یہ عہدہ کرو مسلمانوں کے کام میں

ایک نصرانی سے اعانت نہ لینا چاہیئے۔ ابوموسیٰ نے کہا لہ دینہ ولی کتابتہ یعنی اُن کا مذہب اُسے مبارک ہو مجھے تو اُس کے فن سے مطلب وغرض ہے امیرالمومنین نے فرمایا لا اکرمھم اذا اھانھم اللہ ولا اعزھم اذ اذلھم اللہ ولا ادنیھم اذ ابعدھم اللہ یعنی میں اُس کی توقیر نہیں کرتا جس کی خدا نے توہین کی ہو میں اُسے عزت نہیں دیتا جسے خدا نے ذلیل کیا ہو میں اُسے قریب نہیں کرتا جسے خدا نے دُور کیا ہو ابوموسیٰ کہتے ہیں مجبوری یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی اس کام سے واقف نہیں بغیر اُس نصرانی کے بصرہ کا کام چل نہیں سکتا ابوموسیٰ کے خاص الفاظ یہ ہیں لا یتم امر البصرۃ الا بہ یعنی بصرہ کا کام نہیں پورا ہوگا مگر اُسی نصرانی سے فاروق اعظم فرماتے ہیں مات النصرانی والسلام یعنی فرض کرلو کہ وہ نصرانی مرگیا اُس کے مرنے کے بعد آخر گورنری کے دفتر کا کچھ انتظام ہوگا وہی انتظام جو اُس وقت کیا جاتا اب کرلیا جائے۔

فاروق اعظم پر یہ امر تمام تھا کہ دفتر کے کام میں کوئی مسلمان ماہر نہیں نصرانی کی واقفیت ومہارت بھی معلوم تھی لیکن ایک کافر کا تسلط اسلامی گورنری میں غیرت فاروقی کے برداشت میں نہ تھا۔

نصرانی محکوم تھا مطیع اسلام تھا ابوموسیٰ کا ماتحت تھا لیکن دیوان ہوکر سارے دفتر پر حاوی ہوا جاتا تھا کافر کا ایسا معتمد علیہ ہونا فاروق اعظم کو گوارہ نہ تھا احتمال تھا کہ جب قلم اُس کے ہاتھ میں ہے تو اپنے فن کو اگر مضرت رسانی میں مسلمانوں کے استعمال کرے تو کچھ بعید نہیں۔

نصرانی کا کمال اور مسلمانوں کا اس فن سے ناآشنا ہونا ابوموسیٰ کو اس پر مائل کرتا

تھا کہ نصرانی عہدۂ کتابت پر برقرار رہے امیرالمومنین کو اسی وجہ سے اُس کے معزول کرنے پر اصرار تھا کہ ایسا کام جس پر مسلمانوں کو دسترس کامل نہیں اور کافر میں اُس کی صلاحیت کامل موجود ہو مسلمانوں کے ضرر و نقصان کا اندیشہ ہے۔

ابوموسیٰ اپنے خیال کی بنا پر کہتے تھے۔ لایتم امر البصرۃ الا بہ یعنی بصرہ کا کام بغیر اُس نصرانی کے پورا نہ ہوگا۔ فاروق اعظم نے اپنے خیال کی بنا پر فیصلہ صادر فرمایا مات النصرانی والسلام نصرانی مرگیا اور اُس کا کمال دفن ہوگیا۔

اس عمل فاروقی نے یہ نکتہ بھی حل کر دیا کہ جب تک اپنا کام آپ نہ سنبھالا جائے گا اُس وقت تک نہ تو کام کرنا آئے گا نہ تن آسانی چھوٹے گی دوسروں کی محنت پر بھروسہ کرنے کا ہی تو یہ نتیجہ ہے جو آج مسلمان ہر چیز میں محتاج اغیار ہیں انتہا یہ کہ دین بھی ایک کافر سے سیکھتے ہیں۔

(۱) فاروق اعظم کے فتوے نے یہ ثابت کیا کہ کافر اگر فریق محارب نہو جب بھی اُس پر ایسا اعتماد نہ کیا جائے کہ مسلمانوں کے کاموں کی کفالت اُس کے سپرد کر دی جائے کیا گرامی قدر حضرات سنت فاروقی پر عمل آرا ہوں گے مات الکافر کہکر اپنی جمعیت العلما اور مجلس خلافت کو گاندھی سے پاک کریں گے۔

(۲) احادیث ثلثہ جنھیں فتویٰ فاروقی سے قبل لکھا گیا ہے اُن سے یہ معلوم ہوا کہ کافر کی مدد امور دینی خصوصاً جہاد میں قبول کرنے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے باصرار تمام انکار فرمایا ہے کیا گرامی قدر حضرات اپنے پیغمبر روحی فداہ کی سنت پر عمل آرا ہو کر یہ کہدیں گے لن نستعین بمشرک ہرگز مشرک سے مدد نہ لیں گے۔

(۳) آیات الٰہیہ نے صاف و صریح الفاظ میں ظاہر کر دیا کہ موالات، وداد اور رکون

مطلقاً کفار کے ساتھ حرام ہے خواہ لائڈ جارج ہو یا مسٹر گاندھی کیا گرامی قدر حضرات تعمیل حکم قرآن پر آمادہ ہیں۔

گرامی قدر حضرات بکفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدد قبول فرمائی ہے مثلاً جنگ حنین کے موقع پر صفوان بن اُمیہ سے مجاہدین کے لئے زرہیں عاریۃً لی گئی تھیں آپ کو بھی اختیار ہے کہ کفار سے اسلحہ وغیر عاریۃً لیجئے۔

یا جنگ خیبر میں یہودیان بنو قینقاع کو داخل لشکر فرمایا تھا بنو قینقاع کے یہودی اسلام سے مغلوب اور اُس کے محکوم ہو چکے تھے مسلمان ان پر غالب و مستولی تھے غدر کا اندیشہ نہ تھا آپ بھی کفار ہند پر غلبہ حاصل کیجئے پھر انھیں داخل لشکر کیجئے۔

فتح القدیر اور مبسوط علامہ سرخسی میں کتاب السیر ملاحظہ ہو نہایت صاف الفاظ میں یہ مسئلہ مسطور ہے اگر کافر اپنی رضا و رغبت سے داخل لشکر اسلام ہو اور مسلمانوں کا مقابلہ کفار سے ہو کافر عسکر اسلامی میں اپنا اختصاصی و امتیازی علم نہ رکھے بلکہ مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے رہ کر دشمنان اسلام سے مقابلہ کرے تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں مال غنیمت میں کافر کا حصہ نہ ہوگا ہاں کچھ ہاتھ اُٹھا کر عطا کر دیا جائے تو اس کی اجازت ہے لیکن غالب گروہ کفار کو اپنی معیت میں اس طرح لینا کہ کفر کا علم بلند ہو اور مسلمان اُس کے تحت میں لڑ رہے ہوں یہ قطعی حرام ہے۔

نصوص صریحہ کے بعد کسی صاحب ایمان کے لئے مزید بحث و گفتگو کی حاجت نہیں رہتی اگر علماء سیاسی و جنٹلمین لیڈر کو دعوی ایمان ہے تو وہ کفار و مشرکین کی معیت امور دینیہ میں ترک کریں اور مذہب کفر کی اعانت و تائید سے جو صریح حرام ہے توبہ کریں۔

مسٹر گاندھی اور اُن کی پارٹی کے ساتھ مدارات، فعل معروف، اور رحم و شفقت

کیجے ضروریات زندگی میں اُن کی مدد کیجے اگر اُن میں سے کوئی بیمار ہو تو بیمار پرسی کیجئے دوا و علاج سے ہمدردی فرمایئے حیات تمدنی اور معاملات دنیوی میں خرید فروخت بیع و رہن اور اجارہ وغیرہ بے دغدغہ بشروطہا جاری رکھئے اس لئے کہ یہ امور نہ موالات ہیں نہ وداد و رکون بلکہ جائز و مرخص ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ان امور کو عزت عمل عطا فرمائی ہے۔

لیکن خدا کے لئے یہ مصیبت مسلمانوں پر نہ لایئے کہ جلسہ جمعیۃ العلماء کا منعقد ہو اور مسٹر گاندھی اُس میں خطیب و مذکر بن کر علماء اور عامہ مسلمین سے خطاب کرے جلسۂ خلافت و اماکن مقدسہ ہو اور مسٹر گاندھی اُس کی صدارت کریں علماء زیر صدارت گاندھی تحریک شرعی پیش کریں بلکہ مسلمانوں کی دینی مجالس کو کفار و مشرکین سے پاک کیجئے۔

اس سے بڑھکر مصیبت عظمیٰ یہ ہے کہ آپ اسلامی خصائص مٹا رہے ہیں قشقہ پوجا حمل جنازۂ مشرک وغیرہ سے عوام بے علم بہت کچھ گمراہ ہو چکے اب بھی انھیں توبہ و انابت کی طرف متوجہ کیجئے میں ایک فقیر بے نوا ہوں کسی طرح کی بضاعت اپنے پاس نہیں رکھتا ایک گوشۂ تنہائی ہے اور محنت کی زندگانی نہ تو لیڈری کا ساز و سامان رکھتا ہوں نہ رسمی پیری و مریدی کا ڈھب جانتا ہوں نہ مریدوں کی کوئی فرد اپنے پاس ہے نہ تلامذہ کی کوئی جماعت انگریزی مدارس میں اُستادی و شاگردی ع

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

پھر آپ جیسے گرامی قدر اشخاص کا کیا مقابلہ کر سکتا ہوں لیکن ہاں یہ التماس کر سکتا ہوں کہ حق و صداقت میرے ساتھ ہے لیڈری کا غرور اگر چند لمحات کی فرصت آپ حضرات کو عطا کرے تو فقیر کی معروضات پر توجہ فرمائیں۔

آج سے دس برس قبل فقیر نے جو کچھ عرض کیا تھا آپ حضرات نے اُس وقت قبول نفرمایا لیکن بات حق تھی اور وہی راہ سیدھی تھی اب اگر آپ حضرات نے انھیں باتوں کو کہا اور انھیں کاموں کو کیا لیکن حمایت اسلام وخلیفۃ المسلمین کے لئے نہیں بلکہ سوا راج اور گاندھی کے لئے پس اُن نیک کاموں کی بھی صورت آپ کے طرز عمل سے مسخ ہو گئی۔ انا للہ ثم انا للہ ؎

(۱) فقیر نے التماس کیا تھا کہ ہر مسلمان سالانہ اپنی آمدنی کا ایک سہل حصۂ التزاماً خدمات اسلامیہ کے لئے نکالا کرے اور ایک جگہ تجویز کر لی جائے جہاں سب کے مرسلہ روپئے جمع ہوا کریں ایک صدر مجلس ہو جس کے تحت میں تمام قصبات و دیہات کی مجلس کام کرتی ہوں خرچ کے قواعد اصول اور ارکانوں کے اختیار وخصوصیات مقرر کر لئے جائیں اُس روپئے میں سے ایک معینہ رقم سلطان کی خدمت میں مصارف حرمین کے لئے بھیجی جائے باقی دیگر ضروریات مذہبی کے لئے محفوظ رہے۔

کیا خلافت کمیٹی آج اپنا یہی مقصد نہیں بتاتی ہے لیکن افسوس آٹھ نو برس بعد قایم بھی ہوئی تو ہندو کی سرپرستی میں نہ خرچ کے قواعد نہ مصارف کا حساب اس بیدردی سے مسلمانوں کا روپیہ عیش پرستی اور ہوا و ہوس میں لیڈر حضرات اُڑا رہے ہیں کہ کسی کافر نے بھی مسلمانوں کا گھر لوٹ کر اس طرح داد عشرت نہ دی ہوگی۔

(۲) فقیر نے التماس کیا تھا کہ مصلحین اُمت میں سے بعض افراد بلاد عرب کا دَورہ فرمائیں امعان نظر سے یہ اندازہ کریں کہ کس خطۂ عرب میں کس طرح کی تعلیم مفید ہوگی بعد غور و فکر تعلیم گاہیں قایم کریں نیز عربوں کو اچھی طرح سمجھا دیں ؎

پائے قدر زنجیر پیش دوستاں ✤ بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

یہ تحریک بہت وسعت و وضاحت سے بیان کی گئی تھی اگر اس پر لیڈر حضرات غور فرماتے تو عربوں کا شیرازہ ترکوں سے جُدا ہو کر نہ بکھرتا نیز جس قسم کے ہندوستانی اہلِ صنعت و حرفت یا صاحب علم و فن کی حاجت دیارِ عرب میں ہوتی انھیں وہاں جانے کی ترغیب دی جاتی خطۂ عرب کو استوار کرنا اور پھر ہندی مسلمانوں کا بقدر حاجت و وسعت عربوں سے جا کر ملنا استوار بنیاد پر خدمت اسلام کا انجام پانا تھا۔

آٹھ نو برس بعد آپ نے اس التماس کو تسلیم کیا لیکن ہجرت کی نفیر عام پکار کر مسلمانوں کو تباہ اور ہندوؤں کو مالا مال کر دیا اب چندہ ہوتا ہے اور مہاجرین کو بھیجا جاتا ہے اس طرح ایک مستقل تحریک تحصیل زر کی تو بیشک قایم ہو گئی لیکن مسلمانوں کا ذرہ برابر بھی فائدہ نہ ہوا۔

(۳) فقیر نے یہ التماس کیا تھا کہ علماء کا باہم ایک تعلق قایم ہونا چاہیئے جس طرح سلاطین کے سفرا ایک دوسرے کی سلطنتوں میں مقیم رہا کرتے ہیں اسی طرح چند علماء بحو شیخ الاسلام کے نائب ہوں افغانستان و ہندوستان وغیرہ میں اقامت اختیار کریں باہمی جمعیت و مشورہ سے دینداری مسلمانوں میں پیدا کریں الخ اس گزارش کو بھی نہایت لبط و ایضاح سے عرض کیا تھا آٹھ نو برس بعد آپ نے اسے تسلیم فرمایا جمعیۃ العلما کی مجلس منعقد فرمائی لیکن وہاں مسٹر گاندھی ملعین وہدایت کے لئے بلائے گئے ان کے مناقب کا خطبہ پڑھا گیا۔

مدینہ اخبار بجنور ۱۲ر جنوری ۱۹۲۱ء میں مسٹر شوکت علی کی تقریر شایع ہوئی تھی اس کے دو فقرے نقل کرتا ہوں ربانی جی پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلا اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے "بھائیو خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اگر ہم اس رسی کو مضبوط پکڑ لیں گے تو چاہیے دین ہمارے ہاتھ سے

جاتا رہی مگر دنیا ہمیں ضرور ملے گی" یہ فقرات جہاں یہ بتا رہے ہیں کہ ملع نظران حضرات کا کیا ہی مذہب کی حقیقت اور وقعت ان کے نزدیک کس قدر ہی دین مذہب کا نام کیوں لیا جاتا ہے وہاں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہنود کے ساتھ انھیں کیسی عقیدت وارادت ہی۔ چنانچہ جلسہ جمعیۃ العلماء میں جس کا انعقاد بماہ نومبر دہلی میں ہوا مسٹر شوکت علی نے صاف الفاظ میں یہ کہا "لعنۃ اللہ ہم سے ایک نیک کام ہوگیا ہی کہ میں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی ہوگئے ہیں" (فتح دہلی ۲۲ر نومبر ۱۹۲۰ء) پھر ایک عالم نے یہ کہا خدا نے اُن کو (گاندھی کو) ہمارے واسطے مذکر بنا کر بھیجا ہی قدرت نے اُن کو سبق پڑھانے والا مدبر بنا کر بھیجا ہی" (فتح دہلی ۲۴ر نومبر ۱۹۲۰ء) ایمان سے کہئے یہ جمعیۃ العلماء ہے یا اُمت گاندھی کا حلقہ یہ اسلام اور شارع علیہ السلام کی طرف اللہ کے بندوں کو دعوت دے رہی ہی یا گاندھی کی نبوت تسلیم کرا رہی ہے یہ حضرات اسلام کی دردمندی میں انگریزوں سے لڑنا چاہتے ہیں یا دین گاندھی کے حمایت میں پھر اگر کسی نے ان کی بات نہ سُنی تو کافر، منافق، یزیدی، ملعون، اور جہنمی کیوں کر ہوا۔

لیڈران قوم آج اخبار و جرائد تمہارے ہاتھوں میں ہیں جسے چاہو گالیاں دو کافر کہو حق کو باطل اور باطل کو حق کہو اور چھاپ کر شائع کرو اس وقت تو تمہاری بات بن آئی ہے مخلوق اندھی ہوگئی ہے لیکن ایک وقت آئیگا اور ساری حقیقت عریاں ہوجائے گی۔

میدان کربلا میں یزیدیوں نے بعد شہادت شہزادہ کونین سیدنا امام حسین علیہ السلام فتح کے نقارے بجائے دودمان نبوت کو جس طرح چاہا اسیر کیا لیکن آج دنیا دیکھ رہی ہی کہ یزیدیوں پر خدا نے ایسی لعنت بھیجی کہ آج تک اُس کا سلسلہ نہ منقطع ہوا نہ قیامت تک منقطع ہو

اس وقت اہلِ حق کے مقابلہ میں تمھیں اپنے انبوہ پر ناز ہے جسے چاہتے ہو عوام سے فضیحت ورُسوا کراتے ہو اہلِ حق نعتبر جمیل کھکر ضبط کر جاتے ہیں۔

اہلِ حق کے مقابلہ میں مثل یزید دعویٰ اجماع پیش کرتے ہو صریح نص قرآن اور نص حدیث کی مخالفت اور پھر اجماع کا دعویٰ؟ کیا احکام قرآن کا نسخ اجماع سے جائز ہے اور پھر اجماع بھی ایسے علماء کا جن کے پاس خدا نے گاندھی کو مذکر بنا کر بھیجا ہے جو علماء پرستو گاندھی ہیں جس طرح قرآن مجید توریت وانجیل کا ناسخ ہے اسی طرح گاندھی کا فرمان آیاتِ الٰہیہ کا ناسخ ان مدعیان علم واجتہاد کے عقیدہ میں ہے۔

ایسے نجس وناپاک عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے کچھ تو شرمایئے الحیاء شعبة من الایمان۔

یزیدیوں نے جب یزید کی امامت وخلافت کا علم بلند کیا تو اہلِ حق کے مقابل میں انھوں نے یہی دلیل پیش کی تھی کہ سارے ملک نے یزید کی امامت تسلیم کر لی اجماع ہو گیا صرف چار شخص ہیں جو اُس کی امامت تسلیم نہیں کرتے یعنی عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دیکھتے ہو وہ اجماع جو یزید کی امامت پر ہوا تھا کیسا خائب وخاسر ہوا عبرت پکڑو اور اہلِ حق کو گالیاں دینے سے باز آؤ ان کی تکلیف وایذیت رسانی سے اپنے ہاتھ اور زبان کو منع کرو تمھاری دشنام دہی کی یہ ہمہ گیری ہے کہ جہاں تم نے ایک رُکنِ دین حامی شرع متین امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملۃ طاہرہ پر سب وشتم کیا وہاں اس فقیر بے نوا کو بھی بار بار متعدد جرائد میں تم نے گالیاں سنائیں میں نے تمھارا کیا بگاڑا تھا بیشک یہ قصور ہوا کہ جس وقت ساری زبانیں گنگ تھیں مجھ گنہگار کی زبان کلمۂ حق کہہ رہی

تھی جس وقت سارے اقلام خشک تھے مجھ بے بضاعت کا قلم مصروف تحریر تھا جس وقت سارے پاؤں مفلوج تھے مجھ ضعیف کا پاؤں منزل رساں راستہ پر تھا انصاف کرو اس میں میری کیا خطا ہوئی یہ تو اللہ کا فضل تھا تم ہلال احمر کے نام سے چندہ تحصیل کرتے تھے اور داد عیش و نشاط دیتے تھے زر کشی کے لئے جس طرح کے مضامین ضروری تھے تم اُنہی کو لکھتے اُنہی کو کہتے تھے لیکن اس فقیر کو خلافت کی لو لگی تھی اس لئے ترکوں کی مختصر تاریخ پھر اُن کی خلافت اُن کی اطاعت اور اُن کے حقوق دلیل و بُرہان کے ساتھ لکھکر مسلمانوں کے سامنے پیش کر دئیے (دیکھو فقیر کا رسالہ البلاغ)

تھیں مسئلہ خلافت کی اب اگر چو دھن بھی بندھی تو ایک کا فر کے تذکیر ذلیقین سے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کی جگہ سوراج نے خلیفۃ المسلمین سے کہیں ارفع و اعلیٰ مقام گاندھی نے اور شیخ الاسلام کا لقب شیخ الہند نے لے لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ غرق ہو کر طوفان اور جہاز کے تباہی کا علم عامی و امّی سبھی کو ہوتا ہے لیکن جہاز کا ناخدا طوفان کو بہت پہلے اور بہت دُور سے دیکھ لیتا ہے جن کے دماغ اس علم و تجربہ سے خالی ہوتے ہیں وہ ناخدا کے تدابیر و اضطرار پر ہنستے ہیں لیکن وہی قہقہہ آخر کار نالہ و شیون ہو جاتا ہے۔

مولیٰ تبارک و تعالیٰ کا ہزار احسان اور اُس کے اس خاص کرم کا ہزار ہزار شکر کہ جس چیز کو آج آپ قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں فقیر کو دس برس قبل قوم کے سامنے پیش کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔

جس جگہ آج لیڈروں کے اقدام جانا چاہتے ہیں وہاں کی سیر برسوں قبل اس مسکین و عاجز کو دکھائی گئی جس راہ پر آپ لیڈروں کو کچھ دُور چل کر رجعت ہو گئی الحمد للہ کہ

اُسی راہ سے منزلِ مقصد تک یہ بے بضاعت پہونچا اور استقامت کے لطائف سے سعادت اندوز ہوا۔

گرامی قدر حضرات اعمال نامہ آپ کے سامنے پیش نہ ہوگا نہ محاسبہ و فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا پھر اپنے ربِ کریم کے اُن احسانات و افضال کو کیوں پیش کردں جن کی بدولت توفیق خدمتِ دین و ملت کی پائی۔

گذشتہ سال بماہ دسمبر سندھ اور الہ آباد میں ایک عظیم الشان مجمع کو خطاب کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہو اُسے الہ آباد کے اُنھیں اشخاص سے پوچھئے جو اس وقت خلافت کمیٹی کے سرگرم ارکان ہیں۔

مولوی بشیر الدین احمد صاحب اڈیٹر البشیر اٹاوہ سندھ کے جلسہ میں شریک تھے اُن سے دریافت کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دعوتِ حق کسے کہتے ہیں۔

اگرچہ مجھے اپنی سیہ کاریوں کا اعتراف ہے کوئی عمل شرکتِ نفس سے خالی نہیں کوئی فعل ریا و سمعہ سے صاف نہیں اپنے حسبِ حال یہ رُباعی ہے ؎

اے فسق و فجور کار ہر روزۂ ما　　　مے پر زگناہ کاسہ و کوزۂ ما
می خندد روزگار و میگرید عمر　　　بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

لیکن اسی کے ساتھ اس کا شکر کہاں ادا ہو سکتا ہے کہ حق سبحانہٗ نے محض اپنے فضلِ عمیم سے بطفیل آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دین فروشی و گمراہ سازی سے مصئون و محفوظ رکھا اُسی اپنے مولیٰ تعالیٰ سے خواستگاری و تمنا کہ صدقہ تاجدارِ مدینہ کا عفوِ تقصیر اور مغفرتِ معاصی کے ساتھ اتنا اور کرم کہ اس رُو سیاہ کی زندگی کا باقی حصہ غلامی و اطاعت میں سرکارِ مدینہ کے بسر ہو جائے ؎

دارم دلکے غمیں بیامرزو مپرس · صد واقعہ درکمین بیامرزو مپرس
شرمندہ شوم اگر بہ پرسی عملم · یا اکرم الاکرمیں بیامرزو مپرس

حالات دائرہ کے متعلق فقیر کو جو کچھ عرض کرنا تھا بعونہ تعالےٰ اُس سے فارغ ہو چکا رہے ہفوات حضرات لیڈر یا علمار سیاسی کے اُن کا کہاں تک جواب دیا جائے یہ سلسلہ تو غیر متناہی ہے مجھے اس قدر فرصت کہاں جو جواب و سوال کے پیچھے پڑوں لیکن تحریر کا خاتمہ اس پر کرتا ہوں کہ اگر فقیر کے جواب میں آپ نے اسی رسم کہن دشنام کا اعادہ فرمایا تو فقیر کی طرف سے سکوت محض ہوگا ہاں جو امور مشورہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں اُن کا اگر آپ رد فرمائیں گے تو یہ فیصلہ ارباب حل وعقد پر موقوف کہ صحیح مشورہ کس کا ہے لیکن اگر مسائل شرعیہ میں آپنے کلام کیا تو اُس کا فیصلہ ابھی کئے دیتا ہوں عوام بھی سمجھ جائیں گے اور اُنھیں اس کی دشواری پیش نہ آئے گی کہ کس کی سنوں ہر ایک قرآن وحدیث ہی پیش کرتا ہے۔

(۱) میں نے یہ عرض کیا ہے کہ مطلقاً کفار ومشرکین سے موالات، وداد اور رکون حرام ہے منہی عنہ ہے اور ہر ایک کا ثبوت کلام اللہ سے پیش کیا ہے آپ براہ کرم اُس آیتہ کی تلاوت فرمائیں جس میں حق سبحانہ نے یہ حکم دیا ہو کہ ایسی حالت میں یا اس طرح کے کافروں کے ساتھ موالات یا وداد یا رکون کی مسلمانوں کو اجازت ہے اگر آپ نے آیتہ پیش فرمائی اور مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ لفظ تولوھم یا تودھم یا ترکنوا الیھم کا موجود ہے تو پھر میں بھی توبہ کرلوں گا اور اپنی جہالت کا اعتراف۔

(۲) میں نے عرض کیا ہے کہ کفار ومشرکین سے جہاد میں مدد لینا ممنوع و مکروہ ہے ہاں اگر کفار مسلمانوں سے مغلوب ہوں یا اُن کے محکوم ہوں تو اُن سے استعانت جائز ہے

اس لئے کہ یہ استعانت فی الحقیقت استخدام و خدمت گزاری ہے یا محکوم تو بنوں لیکن مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے رہ کر دشمنان دین کا مقابلہ کریں علم مسلمانوں کا ہو اور لشکر پر حکومت مسلمانوں کی ہو تو ایسی صورت میں بھی کافر کا شریک کرنا جائز ہوگا اس دعوے کے ثبوت میں تین حدیثیں پیش کی ہیں فقہائے کرام کی تحقیق کا حوالہ دیا ہے۔

آپ کوئی حدیث ایسی لکھدیں جس میں یہ حکم ہو استعینوا بالکفار والمشرکین (یعنی کفار و مشرکین سے مدد لو) یا فقہائے کرام کا کوئی فتویٰ نقل فرمایئے جس میں یہ ہو کہ کافر کو علم بردار اسلام اور فوجی سپہ سالار بنا کر مسلمانوں کو جہاد لڑنا جائز ہے۔

(۳) میں نے یہ عرض کیا ہے کہ آیۃ لا ینھٰکم اللہ الخ کو قتادہ نے منسوخ فرمایا ہے اور یہی مذہب امام عطا ابن رباح کا ہے آپ کسی مفسر یا محدث یا فقیہ کا ایک قول بھی ایسا نقل فرمادیں جس میں یہ ہو کہ آیۃ لا ینھٰکم اللہ الخ اُن ساری آیتوں کی ناسخ ہے جن میں مطلقاً کفار سے موالات، وداد، اور رکون حرام فرمایا گیا ہے۔

(۴) میں نے یہ عرض کیا ہے کہ اگر آیۃ لا ینھٰکم اللہ الخ کو منسوخ نہ بھی مانیں جیسا کہ علامہ ابن جریر طبری کا مسلک ہے جب بھی ایسے کفار سے جو مسلمانوں سے دین کے معاملہ میں نہ قتال کریں نہ انھیں اُن کے گھروں سے نکالیں صرف بر و اقساط کی اجازت پائی جاتی ہے نہ کہ موالات اور وداد کی آپ کسی مفسر یا محدث یا فقیہ کا ایک قول ایسا نقل فرمائیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ بر و اقساط مرادف موالات و وداد ہے یا بر و اقساط کی اجازت سے موالات و وداد اور رکون کی بھی اجازت ہو گئی آپ کا لکھنا اور فقیر کا تسلیم کرنا انشاءاللہ معاً علی الفور ہوگا۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا

فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین۔ ہاں اس قدر اور عرض کردوں کہ یہ تکلیف مستغنی عن الالقاب حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب رئیس دہلی کو نہ دی جائے ورنہ حدیث و تفسیر دونوں سے ثبوت چشم زدن میں پیش کر دیا جائیگا۔ اس لئے کہ وہاں تصنیف کا دروازہ بہت وسیع و کشادہ ہے حالاں کہ مجھے نقل درکار ہے نہ عبارت مصنفہ۔

مسئلہ قربانی میں حکیم صاحب حدیث تصنیف فرما چکے تھے نومبر ۱۹۲۰ء میں جو جلسہ جمعیۃ العلماء کا دہلی میں منعقد ہوا وہاں بحیثیت صدر استقبالیہ کمیٹی آپ نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا تفسیر ابن جریر کی اس قدر عبارت پڑھکر کہ آیۃ لا ینھٰکم اللہ الخ منسوخ نہیں ہے فوراً اس نتیجہ پر حکیم صاحب پہونچ گئے کہ ہندوؤں سے موالات جائز ہے طرفگی یہ کہ استخراج نتیجہ اس شان سے فرمایا جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حکیم صاحب کا اجتہاد و استنباط نہیں ہے بلکہ ابن جریر کی تحقیق ہے۔

پھر ایک حدیث بیان کرنے کی بھی زحمت گوارہ فرمائیے اور حسب معمول تحریف و افترا کا ایک دوسرا نمونہ آپ نے پیش فرمایا ارشاد ہوتا ہے۔

"احد کی لڑائی میں قزمان جو ایک مشرک تھے رسول مقبول کی طرف سے لڑے اور انھوں نے بنی عبدالدار کے ان تین آدمیوں کو قتل کیا جو فریق مخالف کے علم بردار تھے یہاں تک کہ رسول مقبول نے خوش ہو کر فرمایا۔ ان اللہ لیانہ ہٰذا الدین بالرجل الفاجر" (بیشک اللہ اس دین کی مرد فاجر سے مدد کرتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو فاجر فرمائیں حکیم صاحب مشرک کہیں کیا فاجر و مشرک دونوں الفاظ مرادف ہیں سب مسلمان جانتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے صلوا خلف کل بر و فاجر

یعنی نیکوکار اور بدکار دونوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت ہے پس اگر فاجر و مشرک باہم مرادف ہیں تو کل سے گاندھی کے پیچھے آپ نماز پڑھنے کا اجتہاد فرمائیں گے اور کیا عجب کہ آپ حضرات نے یہ سعادت حاصل کی ہو۔

کس دلیری سے حکیم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ قزمان کے مقاتلہ سے خوش ہو کر آپ نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ اس دین کی مرد فاجر سے مدد فرماتا ہے حکیم صاحب! یہی مصیبت کیا کم تھی کہ ہندوؤں کی محبت آپ کے دل میں جاگزیں ہو گئی اب حدیث صاحب لولاک میں افتراء و تحریف کی بلا کیوں اپنے سر لیتے ہیں۔

زیادہ بحث کی گنجائش و مہلت نہیں براہ کرم اس کا ثبوت پیش کیجیے کہ قزمان مشرک تھا اور قزمان سے خوش ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا۔

حکیم صاحب! قزمان منافق تھا اور اس عیاری سے اپنے نفاق کو اس نے مخفی رکھا تھا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے مومن صادق جانتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ پیشنگوئی فرمائی تھی کہ یہ دوزخی ہے صحابہ کرام متحیر تھے معرکہ قتال میں جب کہ اس کے سرگرم مقابلہ و مقاتلہ کی خبر ہوئی اُس وقت بھی آپ نے یہی ارشاد فرمایا کہ دوزخی ہے۔

قزمان مجروح ہوا زخم کی تکلیف برداشت نہ کر سکا آخر اس نے خودکشی کرلی اور اس طرح اپنے دوزخی ہونے کو سچ کر دکھایا اُس وقت جب کہ اُس کی

خودکشی کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچی اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی تب ارشاد ہوا کہ اللہ اپنے دین کی مدد مرد فاجر سے فرماتا ہے۔ دُنیا جانتی ہے کہ منافقین کے ساتھ برتا وُ مثل مسلمین جاری تھا وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تھے نمازیں پڑھتے تھے غزوات میں مسلمانوں کے ہمرکاب ہوتے تھے۔

اللہ اللہ کفر کے ساتھ کیسی شیفتگی و فریفتگی ہے کہ کذب و افترا کا ارتکاب لیسے سنجیدہ و متین اشخاص کس اطمینان و سکون سے کرتے ہیں۔

جمعیۃ العلماء کے پانسو فضلا کیسے متبحر و متدین عالم ہیں کہ تفسیر میں حدیث میں افترا ہوتا ہے لیکن اصلاح کی قسم ہے۔

مسلمانوں! آنکھیں کھولو علماء سیاسی یہ کہتے ہیں کہ "خدا نے گاندھی کو مذکر بنا کر بھیجا ہے"۔ "پس رو گاندھی صاحب کا ہوں"۔ علوم مشرقیہ کا فرد فرید اس طرح تحریف کرتا ہے جنٹلمین لیڈر یہ کہتا ہے کہ اگر "ہندو بھائیوں کو راضی کروگے تو خدا کو راضی کروگے"۔ عوام گاندھی کی جے پکارتے ہیں۔ ع۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

جب دیانت و تقوے کا یہ حال ہو کفر کی اس بیباکی سے حمایت کی جارہی ہو تو پھر یہ خدمت خلافت ہے یا ہلاکت مسلمین ایسی مجلس میں شریک ہونا چندہ دینا ثواب ہے یا گناہ عظیم خدا مسلمانوں کو ہدایت فرمائے یہ فقیر گنہگار بھی دل سے ولاد مسلمین کے حق میں دعاء ہدایت کرتا ہے اور لیڈران قوم سے نہایت

نیازمندانہ التماس پیش کرتا ہوں کہ دروازہ توبہ کا ہنوز بند نہیں ہوا ہے پاک مذہب اسلام تم سے کہہ رہا ہے کہ ؎

بمژگانِ سیہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم
بیا کز چشم بیمارت ہزاراں درد برچینم

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

حررہ بقلمہ

فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ

محلہ میرداد

بہار شریف ضلع پٹنہ

اس رسالہ میں کثیر التعداد اصولی و فروعی ضروری مباحث ہیں۔ ہر اصل کے ماتحت متعدد فروع ہیں۔ جن صاحب کو جو اصلی یا ضمنی بحث دیکھنی منظور ہو وہ فہرست مضامین کی مدد سے ملاحظہ فرمائیں

کا ایک قدیم درخت کے سایہ میں آرام فرما ہے

ادارۂ پاکستان شناسی لاہور